کے قبضے میں تھا، کتاب لکھی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قبر مریمؑ کے متعلق عبارت کو کچھ مدت بعد بدل دیا گیا ہے کیونکہ کتاب میں اس عمارت کی وہ کیفیت درج ہے جیسی کہ سلطان صلاح الدینؒ کی فتح (۱۱۸۷ء) اور اس کی ہیئت بدل دینے کے بعد ہوگئی تھی اصلی کی عبارت یہ ہے:-

حضرت مریمؑ کا مقبرہ وادی جہنم میں واقع ہے چھتیس سیڑھیاں اُتر کے آپ اس کے اندر پہنچتے ہیں۔ اس میں سنگ مرمر وسماق کے ستون ہیں اور آٹھ سُرخ اور آٹھ سبز کل سولہ ستونوں پر گنبد قائم ہے۔ عمارت کے چار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر بھی ۶ ستون سماق یا مرمر کے نصب ہیں اصل میں یہ گرجا تھا لیکن آج کل مشہد یا خطبہ گاہ بنا کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں ستون اور تعمیرات کے دوسرے اجزا کے حیرت انگیز آثار قدیمہ دیکھنے میں آتے ہیں۔" (نسخۂ اوکسفورڈ۔ ورق ۴۰)

ابن بطوطہ ۱۳۵۵ء میں بیت المقدس کی سیاحت کو آیا اس نے حضرت مریمؑ کے مقبرے اور نصاریٰ کے بعض دوسرے مآثر کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:- "مذکورۂ بالا وادی جہنم کی تلہٹی میں ایک گرجا کی نصاریٰ بہت تکریم و تعظیم کرتے ہیں کیونکہ ان کا قول ہے کہ حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کی قبر یہیں ہے۔ خود شہر بیت المقدس میں ایک اور بڑا گرجا "کنیسۂ کمامہ" ہے جس کی نصاریٰ حج و زیارت کرتے ہیں اور جس کے متعلق وہ بہت سے جھوٹ بولتے ہیں۔ مثلاً یقین دلاتے ہیں کہ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبر یہاں ہے۔ ہر مسیحی زائر سے جب وہ اس گرجا کی زیارت کو آئے مسلمانوں کے لیے ایک خراج وصول کیا جاتا ہے۔ نصاریٰ کو یہ سب ذلتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور وہ بڑی ناخوشی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ شہر بیت المقدس میں مہد مسیحؑ بھی ہے اور نصاریٰ برکت حاصل کرنے اس مقام پر آتے ہیں۔" (ابن بطوطہ، اول۔ ۱۲۴)

پیٹر نوسٹر اور بیتھنی کے گرجوں کا ادریسی نے ۱۱۵۴ء میں تذکرہ

کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کوہ زیتون کی چڑھتی سڑک پر ایک عالیشان گرجا استحکام اور خوبصورتی کے ساتھ بنا ہوا ہے جسے "پیٹرنوسٹر" کا گرجا کہتے ہیں۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر ایسا ہی شاندار اور خوبصورت ایک اور گرجا ہے جہاں تقرب الٰہی کے لیے مرد و زن اپنے آپ کو مقید کر لیتے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اسی پہاڑ کے مشرقی حصے میں جو کسی قدر جنوب کے رخ مائل ہے، العاذر کی قبر ہے جسے جناب مسیحؑ نے زندہ کر دیا تھا۔ کوہ زیتون سے دو میل کے فاصلہ پر وہ گانوں ہے جہاں سے وہ مادۂ خر لائی گئی تھی جس پر سوار ہو کر سیدنا مسیحؑ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ لیکن یہ موضع آج کل ویران پڑا ہے اور وہاں کوئی نہیں رہتا۔" (ادریسی۔ ۸) ؎

کنیسۂ صعود کا جو کوہ زیتون پر واقع ہے، علی ہروی نے ۱۱۷۳ء میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ "کنیسۂ سلیک" وہ گرجا ہے جہاں سے حضرت مسیحؑ کا آسمان پر جانا بیان کرتے ہیں" (نسخۂ اوکسفورڈ۔ ورق ۴۰) کچھ شک نہیں کہ ابن بطوطہ بھی اسی عمارت کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں اس نے اپنی سیاحت بیت المقدس (۱۳۵۵ء) کے ذکر میں یہ فقرہ درج کیا ہے کہ اس وادی کے پہلو میں جسے وادی جہنم کہتے ہیں، اور شہر کے مشرق کی طرف ایک پہاڑی ہے جو خاصی بلند ہے (اور کوہ زیتون کہلاتی ہے) اس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جہاں سے کہا جاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے آسمان پر صعود کیا" (ابن بطوطہ۔ اول۔ ۱۲۴) ؎

علی ہروی ایک اور گرجا کا بھی ذکر کرتا ہے جسے اب پہچاننا دشوار ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "بیت المقدس میں فرقۂ یعقوبیہ[1] کا گرجا ہے جس میں وہ کنواں بتایا جاتا ہے جہاں حضرت مسیحؑ نے وضو

[1]:۔ اوکسفورڈ کے قلمی نسخے میں (ورق ۳۹) یہ نام "کنیسۂ الیعاقیہ" لکھا ہے جو کتابت کی غلطی ہے اور ایم شیفر کے قلمی نسخے سے اس کی تصحیح ہو سکتی ہے ؎

باب پنجم

کیا اور سامری عورت ان کے ہاتھ پر ایمان لائی۔ اس مقام کی بہت لوگ زیارت اور کمال احترام کرتے ہیں۔ "بیت المقدس میں حضرت داؤدؑ کا وہ برج اور محراب بھی ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر آیا ہے۔ (سورۂ ص ۲۰)" "کنیسۂ صہیون" اور اس کے قریبی مآثر کی نسبت ادریسی ذیل کی اطلاعات بہم پہنچاتا ہے:-

"اب رہے وہ مقامات جو بیت المقدس کے جنوبی حصے کے متصل ہیں، تو اگر آپ باب صہیون سے نکلیں تو ایک ٹیلہ کے فاصلہ پر کنیسۂ صہیون ملتا ہے جو خوشنما اور مستحکم گرجا ہے۔ اس میں وہ ضیافت خانہ ہے جس میں سیدنا مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور وہ میز آج کے دن تک بجنسہٖ یہاں رکھی ہے جمعرات کے دن لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں۔

دوسرے باب صہیون سے ایک راستہ نشیب کی طرف جاتا ہے جسے وادی جہنم کہتے ہیں اور اس کے کنارے پر وہ عین صلوان ہے جہاں سیدنا مسیحؑ نے اندھے آدمی کا روگ کھویا جو پہلے بصارت سے محروم تھا۔ اس چشمے سے جنوب کی طرف بڑھیے تو وہ میدان ملتا ہے جہاں اجنبی لوگ مدفون ہیں اور حضرت مسیحؑ نے اسی غرض سے یہ قطعۂ زمین خرید فرمایا تھا۔ اسی کے قریب چٹانوں میں جا بہ جا حجرے کٹے ہوئے ہیں جن میں لوگ عبادت کے لیے ترک دنیا کر کے اپنے آپ کو بند کر لیتے ہیں۔ (ادریسی - ۹)

"کنیسۂ صہیون کے اندر کی میز کا ۱۱۷۳ء میں علی ہروی بھی ذکر کرتا ہے اور اس روایت کا بھی حوالہ دیتا ہے کہ یہ میز یا خوان (= مائدہ) حضرت مسیحؑ اور ان کے مریدوں کے لیے آسمان سے اترا تھا۔ (علی ہروی۔ نسخۂ اوکسفورڈ۔ ورق ۴۰) کنیسۂ صہیون کا یاقوت نے بھی ضمناً ذکر کیا ہے۔ (جلد سوم - ۴۳۸)

باب پنجم

شہر کے دروازے

بیت المقدس کی شہر پناہ کے دروازوں کا الگ الگ اور ضمناً اکثر جغرافیہ نویسوں نے حال لکھا ہے لیکن پوری طرح صرف دو عرب مصنف ان کا حال بیان کرتے ہیں یعنی مقدسی ۹۸۵ء میں اور مجیر الدین ۱۴۹۶ء میں۔ ان دو تاریخوں کے درمیان اس مقدس شہر کا پہلے مجاہدین صلیب نے محاصرہ کیا اور پھر صلاح الدینؒ نے۔ اور یوں بھی کئی بار شہر پناہ گرائی اور دوبارہ بنائی گئی۔ اسی لیے یہ کچھ حیرت کی بات نہیں ہے کہ مقدسی کے دروازوں کے وہ نام نہیں ہیں جو مجیر الدین بیان کرتا ہے اور جو آج کے دن تک کھلے ہوئے اور استعمال میں ہیں۔ بہر حال مقدسی کا بیان یہ ہے:-

"بیت المقدس مکۂ معظمہ سے چھوٹا اور مدینۂ منورہ سے بڑا ہے۔ شہر کے اوپر بالا حصار ہے جس کے ایک پہلو پر پہاڑی اور دوسری طرف حفاظت کے لیے خندق کھدی ہوئی ہے۔ شہر کے آٹھ آہنی دروازے ہیں:-

۱- باب صہیون
۲- باب التیبہ (= دشت)
۳- باب البلاط (= محل یا دربار)
۴- باب جبت ارمیہ (حضرت ارمیہ کا گڑھا)
۵- باب سلوان یا صلوان
۶- باب اریحا
۷- باب العمود (= ستون)
۸- باب محراب داؤدؑ (مقدسی- ۱۶۷)

ان میں سے جن دروازوں کے ابھی تک یہی نام ہیں ان کی ترتیب

دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقدسی نے ان کی فہرست کسی خاص سلسلے سے نہیں مرتب کی بلکہ کوئی نام کہیں سے کوئی کہیں سے لے دیا ہے اور تمام قلمی نسخوں میں جو ہمارے علم میں ہیں، اسی قسم کی عدم ترتیب نظر آتی ہے۔ بہر حال ہم پہلے ان پر گفتگو کریں گے جن کی نسبت سب سے کم شبہ ہو سکتا ہے[1]:-

باب محراب داؤدؑ (۸) وہ دروازہ ہے جسے عام طور پر باب یافہ یا باب جبرون سے یاد کرتے تھے اور آج کل باب الخلیلؑ کہلاتا ہے مقدسی نے جس بالاحصار کا ذکر کیا وہ اس دروازے سے ذرا ہی اوپر کے رخ اب تک موجود ہے اور اس میں وہ محراب بھی سلامت ہے جس سے یہ دروازہ منسوب کیا جاتا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۰۱) لیکن بالاحصار کی محراب وہ ہے جس کا اصطخری اور ابن حوقل نے ان الفاظ میں حال لکھا ہے:- "شہر کے اندر حضرت داؤدؑ کی محراب پتھر کی بنی ہوئی بلند عمارت ہے جس کی پیمائش کا تخمینہ میرے قیاس میں ۵۰ درع بلندی اور ۳۰ درع عرض ہوگا۔ اس کی چوٹی پر حجرے کی مثل ایک مکان بنا ہوا ہے اور یہ وہ محراب ہے جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن شریف کے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے "وھل اتٰک نبوا الخصم۔ اذ تسوروا المحراب ودخل علی داؤد (سورۂ ص ع ۲) الرملہ سے بیت المقدس آیئے تو سب سے پہلے یہی عمارت دور سے شہر کے سب مکانات سے اونچی اٹھی ہوئی نظر آتی ہے۔ حرم محترم میں اس طرح کی اور قابل تکریم محرابیں بھی ہیں جو مشہور انبیاء کے ناموں سے منسوب ہیں" (اصطخری، ۵۶۔ ابن حوقل ۱۱۱)

باب صہیون (۹) باب جبرون کے بعد جنوب میں دوسرا دروازہ ہے اور آج کل باب النبی داؤدؑ کے نام سے موسوم ہے۔

---

[1]:- ملاحظہ ہو نقشہ بیت المقدس بالمقابل صفحہ ۸۳۔

باب پنجم

باب اریحا (۶) وہ ہے جسے عیسائی گزشتہ پانچ صدی سے سینٹ اسٹیفنز کا دروازہ کہتے ہیں باب جبارمیہ وہاں کے گڑھے کے پیش نظر شمال کا چھوٹا دروازہ ہو سکتا ہے جسے فی زمانا باب الساہرہ کہتے ہیں اور قدیم زمانے میں باب ہرود کہلاتا تھا" باب عمود (۷) وہ ہے جسے عام طور پر باب دمشق کہتے ہیں اگرچہ پرانا نام بھی رائج ہے۔ محاربات صلیب کے وقت میں یہ دروازہ سینٹ اسٹیفنز سے منسوب ہوتا تھا جو آگے چل کر باب اریحا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہو

مقدسی کے باقی دروازوں کی شناخت صرف قیاسی ہو سکتی ہے۔

باب التیہ (۲) غالباً وہ دروازہ ہے جسے مجیر الدین "چور دروازہ" لکھتا ہے اور جس کی نسبت اس کا بیان ہے کہ باب صہیون و باب جرون کے درمیان ارمنی خانقاہ کے قریب کھلتا تھا ہو باب سلوان (۸) اپنے نام کی بنا پر، ہو نہ ہو اس زمانے کا باب مغاربہ ہو سکتا ہے جسے اہل صلیب نے "گوبر دروازے" کا نام دیا تھا ہو باب البلاط (یعنی محل یا دربار کا دروازہ) غالباً مجیر الدین کے باب الرحبہ (= میدان) کا قدیم نام تھا جو باب جرون کے شمال میں شہر پناہ کے مغربی پہلو پر تھا۔ کتاب (Citez de Jherusalem) میں جو ۱۲۲۵ء کے قریب تالیف ہوئی یہاں کے دروازے کا نام "سینٹ لزاروس پوسٹرن" بتایا گیا ہے۔ مجیر الدین کے بعد اس کو چنوا دیا گیا ہو

اوریسی ۱۱۵۴ء کی تحریر میں ذیل کے دروازے گناتا ہے:-

باب المحراب (= باب یافہ) مغربی پہلو پر ہے اور قبۃ الداؤدیہ اسی دروازے کے اوپر بنا ہوا ہے۔ باب الرحمہ (گولڈن گیٹ) شہر کے مشرقی پہلو پر ہے مگر بند رہتا ہے اور صرف شاخ زیتون کے میلے کے دن کھولا جاتا ہے۔ باب صہیون جنوب میں اور باب عمود العزاب (= باب دمشق) شہر کے شمال کی طرف واقع ہیں (اوریسی۔ ۵) ہو اس دمشقی دروازے کو باب عمود کہنے کی وجہ وہ قدیم ستون ہیں

باب پنجم

جو اس کے اندر بنے ہوئے تھے۔ لیکن "غراب" (کوّا) اس موقع پر کیا معنی رکھتا ہے اس کا ٹھیک پتہ نہ چلا۔ صرف ادریسی نے یہ لفظ تحریر کیا ہے۔ واضح ہو کہ "گولڈن گیٹ" (باب الرحمہ) کو بھی اس جگہ شہر کا دروازہ بتایا گیا ہے صلیبی جنگ آزماؤں کے وقت میں غالباً یہاں سے باب داؤدؑ (یا باب السلسلہ) تک احاطہ حرم سے سیدھا راستہ بنا ہوا تھا جو حرم شریف کی مغربی دیوار سے مشرق میں باب الرحمہ تک آتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے زمانے میں یہاں اس قسم کی عام گزرگاہ کبھی جائز نہیں رکھی گئی۔

سنہ ۱۴۹۶ء میں مجیر الدین حسب ذیل دس دروازے شہر کے شمار کرتا ہے:

"جنوب میں دو دروازے ہیں (۱) باب حارۃ المغاربہ جسے فرنگی "کوڑی دروازہ" کہتے ہیں۔ (۲) باب صہیون جواب باب حارۃ الیہود یعنی یہودی محلے کا دروازہ کہلاتا ہے" محاربات صلیب کے زمانے میں یہودیوں کا محلہ شہر کے مشرق میں تھا لیکن صلاح الدینؒ کے وقت سے اب تک اسی جنوبی گوشے میں ہے جس کا مجیر الدین ذکر کرتا ہے

"مغرب میں تین دروازے ہیں: (۳) ارمنی خانقاہ کے قریب کا چور دروازہ" یہ غالباً مقدسی کے باب التوبہ کے مرادف ہے اور آج کل چن دیا گیا ہے (۴) باب المحراب جسے اب باب الخلیل کہتے ہیں"

یعنی حضرت ابراہیمؑ کا دروازہ جسے باب جرون، یا باب یافہ بھی کہتے ہیں (۵) باب الرحبہ" یعنی چوک یا میدان کا دروازہ جسے مقدسی نے غالباً باب البلاط کے نام سے یاد کیا ہے اور "سینٹ لزاروس پوسٹرن" کے مرادف ہے۔ یہ بھی اب بند ہے

شمال کی طرف چار دروازے یہ ہیں: (۶) باب دیر السرب" یعنے سربیوں کی خانقاہ کا دروازہ۔ اس کی ٹھیک جگہ کا پتہ نہ چلا لیکن ضرور ہے کہ رحبہ اور دمشق کے دروازوں کے درمیان ہو۔ مجیر الدین بازار "خط الدرگاہ" کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "اس میں صلاح الدینؒ کا بیمارستان اور کنیسہ کھامہ تھا۔ اس کے مغرب میں نصاریٰ کی آبادی ہے جو جنوب سے شمال میں باب الخلیل سے

باب پنجم

باب السرب تک پھیلی ہوئی ہے اور حارۃ الرحبہ (یعنی چوک کا محلہ) اسی میں شامل ہے" (۷) باب العمود یعنی "دمشق دروازہ" جسے قدیم زمانے میں سینٹ اسٹیفنز گیٹ" کہتے تھے۔ (۸) باب الدّاعیہ (موری دروازہ؟) جس سے بنی زید کے محلے میں داخل ہوتے ہیں یہ دروازہ بھی اب کھلا نہیں رہا ہے نہ اس کی صحیح جگہ معلوم ہے لیکن یقیناً یہ باب ہرود کے کسی قدر مغرب میں ہوگا۔ (۹) باب الساہرہ یعنی میدان کا دروازہ جسے "باب ہرود" بھی کہا یا سمجھا جاتا ہے۔ مشرق میں ایک دروازہ (۱۰) باب الاسباط ہے" اور اس سے سینٹ اسٹیفنز کا دروازہ یا باب اریحا مراد ہے۔

مجیر الدین آگے تحریر کرتا ہے کہ علاوہ ان دس دروازوں کے قدیم زمانے میں قلعے کے مقابل ایک دروازہ ابن الشیخ عبداللہ کے نام پر باب الزاویہ (خانقاہ مشہور تھا۔ ایک اور حارۃ طوریہ میں تھا جس سے باب الاسباط کے سامنے والے میدان العبید کو راستہ جاتا تھا یہ دروازہ اب بند ہے۔ (مجیر الدین ۴۰۶) یہ بھی مجیر الدین ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ حارۃ طوریہ یعنی کوہ طور یا سینا کے باشندوں کا محلہ باب الاسباط سے شہری شمالی شہر پناہ تک پھیلا ہوا تھا، گویا تمام شمال مشرقی گوشہ شہر پر لیکن یہاں فصیلوں میں آج کل اس قسم کا کوئی دروازہ موجود نہیں ہے۔

اگلے صفحے کا نقشہ مختلف زمانوں میں شہر کے دروازوں کے رائج الوقت نام دکھاتا ہے اس کی فہرست باب یافہ سے شروع کی ہے اور وہاں سے شمال کی طرف پورے شہر کا چکر لگا کے اسی مقام تک سلسلہ کو پہنچا دیا ہے:-

---

۱:- جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی مقامی مصنف کی سند پیش نہیں کیجا سکتی جس نے اسے "باب الزہری" (= پھولوں کا دروازہ) کہا ہو جیسا کہ رابنسن نے اپنی ریسرچز (جلد اول ۲۶۲ طبع ثانی) میں اور اسکی دیکھا دیکھی اور کئی صاحبوں نے تحریر کیا ہے۔ اسی طرح انجمن فلسطین کے بعض میموائرز" میں جو اسے "باب الزہرہ" (یعنی شاندار دروازہ) کہا گیا ہے اسکی بھی کوئی سند نہیں ملتی۔ بیت المقدس کے باشندے آجکل جس نام اور جن ہجوں کو بھی استعمال کریں، قدیم زمانے میں تو یہ چھوٹا دروازہ جسے فرنگی ہیرڈوز گیٹ" کہتے ہیں، ہمیشہ "الساہرہ" ہی لکھا جاتا تھا۔ (ساہرہ بمعنی میدان حشر) اور اس سے وہ میدان مراد تھا جو اس دروازے سے (بیرون شہر پناہ) شمال مشرق کیطرف پھیلا ہوا ہے۔

فرینک (فرنگی) نام	مقدسی ۹۸۵ھ	حسب بیان "دہستی ڈر روسلم" نوشتہ ۱۲۳۵ھ	مجیر الدین ۱۴۹۶ھ اور ہمارے زمانے کا نام
باب یافہ یا جرون	باب محراب داؤدؑ	"ڈیوڈ گیٹ"	باب الخلیل
—	باب البلاط	سینٹ لزاروس پوسٹرن	باب الرحبہ (بند)
باب دمشق	باب العمود	—	باب دیر السرب (بند)
		سینٹ اسٹیفنز گیٹ	باب العمود
			باب الداعیہ (بند)
باب ہیرود	باب جبِ ارمیہ	میڈی لین پوسٹرن	باب الساہرہ
—	—	—	باب حارۃ الطوریہ
باب ایحا یا سینٹ اسٹیفنز	باب اریحا	جیہوشیفٹ گیٹ	باب الاسباط
مغرب یا کوڑی دروازہ	باب صلوان	پوسٹرن اوف ڈی ٹینری	باب حارۃ المغاربہ
باب داؤد نبی یا سیحون	باب صہیون	سیون گیٹ	باب حارۃ الیہود
—	باب التیہ		
—		—	باب الشرب (ارمنی خانقاہ کے قریب - بند)
	—	—	باب الزاویہ (قلعے کے مقابل ابن الشیخ کی خانقاہ کے قریب)

باب پنجم

وادیٔ جہنم (= کیڈرون) اور میدان ساہرہ

وہ وادی جسے یہودی "جے بن ہنون" یعنی جہنم کے نام سے موسوم کرتے تھے، بیت المقدس کے مغرب و جنوب مغرب کی ایک گہری گھاٹی تھی مسلمانوں نے یہودیوں کا یہ نام تو اختیار کیا لیکن اسے ایک دوسری گھاٹی سے مخصوص کر دیا جو شہر کو مشرق کی طرف سے حصار کئے ہوئے ہے اور یہی مسلمانوں میں وادی جہنم کہلائی۔ ورنہ قدیم تر زمانے میں اسے وادیٔ "کیڈرون" یا "جیہوشیفٹ" موسوم کرتے تھے جوئیل نبی کے صحیفے (سورۂ سوم ۲) میں یہ آیت ملتی ہے: "میں تمام قوموں کو جمع بھی کرلوں گا اور انھیں وادی جیہوشیفٹ میں لے کر آؤں گا اور ان سے اپنی قوم اور اپنے مورث اسرائیل کے لیئے وکالت کروں گا" اس قول کی بنا پر یہودیوں نے اس وادی کو میدان حشر قرار دیا اور مسلمانوں نے اس یہودی روایت کو لے کے وادی جہنم سے منسوب کیا اور اس افسانے میں اور بھی بہت سی باتیں بڑھالیں۔ مثلاً یہ کہ جنت اور دوزخ کی حد فاصل یعنی پل صراط اسی وادی کے اوپر قائم ہوگی جس کا ایک سرا احاطۂ حرم کی پہاڑی پر اور دوسرا کوہ زیتون پر ہوگا اور پہاڑ کے شمالی جانب میدان (الساہرہ) میں تمام نوع انسان (قیامت کے روز) جمع کی جائے گی۔

الساہرہ کی حدود کو معلوم ہوتا ہے بعد میں شہر کی طرف کے میدان تک وسعت دے دی گئی اور کیڈرون کی گھاٹی کا مغربی ٹکڑا جو شمال میں شہر سے ملا ہوا ہے اس میں داخل ہوگیا اور اسی لیے ادھر کا دروازہ باب الساہرہ کہلانے لگا۔ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ توسیع اور تسمیہ صلاح الدین کی فتح بیت المقدس کے بعد کے کسی زمانے کی یادگار ہیں ۹۸۵ھ میں مقدسی ان سب مقامات کی کیفیت حسب ذیل تحریر کرتا ہے:

جبل زیتا (زیتون) وادیٔ جہنم کے مشرقی پہلو سے مسجد کبیر پر

باب پنجم

چھایا ہوا ہے۔ اس چوٹی پر سیدنا عمرؓ کی یادگار ہیں، جو اہل شہر سے عہد اطاعت اور قبضہ لینے تشریف لائے تو کئی روز یہاں مقیم رہے تھے ایک مسجد بنی ہوئی ہے، اسی مقام پر وہ گرجا ہے جہاں سے حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ آگے چل کے نزدیک ہی وہ میدان ہے جسے الساہرہ کہتے ہیں اور اسی کی نسبت مجھے ابن عباسؓ (محدث) کی سند سے خبر دی گئی ہے کہ حشر و نشر کا میدان یہی ہوگا۔ یہاں کی زمین سفید ہے۔ اور کبھی اس پر خون نہیں گرا۔ خود وادی جہنم احاطۂ حرم کے جنوب مشرقی گوشے سے شہر کے مشرق میں انتہائے شمال تک پھیلی ہوئی ہے اس میں باغ، تاکستان، گرجا، راہبوں کے غار اور حجرے، مقابر وغیرہ بہت سے یادگار مقامات موجود ہیں اور مزروعہ قطعات بھی آتے ہیں بیچ میں وہ گرجا بنا ہوا ہے جس میں حضرت مریمؑ کی قبر ہے اور اوپر کے رُخ وادی کی ڈھلانوں پر بہت سی قبریں ہیں جن میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شداد ابن اوس ابن ثابت اور عبادہ ابن الصامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے مدفن بھی ہیں۔" (مقدسی ۱۷۱ و ۱۷۲)

ناصر خسرو کی سیاحت بیت المقدس کا زمانہ ۱۰۴۷ء ہے۔ اور وہی پہلا مسلمان مصنف ہے جس نے کیڈرون کی وادی کی عجیب عمارت کا حال لکھا۔ اس عمارت کو عام طور پر مقبرۂ اب سلوم کہتے تھے اور آج کل مسلمانوں میں "طنطورۂ فرعون" کے نام سے موسوم ہے۔ ناصر خسرو کی عبارت یہ ہے:

"مسجد اقصیٰ شہر کے مشرقی گوشے میں واقع ہے اور شہر پناہ کا مشرقی پہلو احاطۂ حرم کی بھی مشرقی دیوار بن گیا ہے۔ حرم شریف سے باہر نکلئے تو ایک بڑا مسطح میدان ملے گا جسے ساہرہ کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر یہیں ہوگا جہاں تمام انسان جمع کئے جائیں گے۔ اسی واسطے دنیا کے ہر حصے سے لوگ یہاں آتے اور بیت المقدس

باب پنجم

میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں کہ یہیں موت آئے اور جب خدائے عزوجل کا مقرر فرمودہ یوم حساب آئے تو وہ میدان حشر کے قریب اور تیار ہوں۔ اس میدان کے کنارے پر ایک بڑا قبرستان ہے جہاں بہت سے مقدس مزارات و مآثر ہیں جہاں حاجت مند دعا اور منتیں مانگنے آتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ اور اس میدان کے درمیان ایک بڑی اور گہری کھائی ہے جو نیچے جا کے کھائی سی بن گئی ہے اور اس کے اندر قدیم طرز کی بہت سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں میں نے ایک گنبد دیکھا کہ پہاڑ کو تراش کر بنایا اور ایک عمارت کے اوپر قائم کر دیا ہے اس سے طرفہ تر کوئی چیز نہ ہوگی اور آدمی حیران ہوتا ہے کہ یہ اس جگہ پر کس طرح قائم کیا گیا۔ عوام کی زبان میں اسے "فرعون کا گھر" کہتے ہیں۔ جس وادی کا ہم یہاں حال لکھ رہے ہیں یہ وادی جہنم کہلاتی ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ نام کیونکر پڑا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں مسلمان محاصرین شہر کا لشکر میدان ساہرہ میں خیمہ زن تھا اور جب حضرت عمرؓ نے نیچے اس وادی کو مشاہدہ فرمایا تو پکارے کہ "واقعی یہ وادی جہنم ہے" عوام کا بیان ہے کہ وادی کے کنارے پر کھڑے ہو کر سنو تو وادی کے نیچے سے اہل دوزخ کی چیخیں سنائی دیتی ہیں میں خود سننے کے لیے گیا مگر مجھے کچھ سنائی نہیں دیا" (ناصر خسرو۔ ۲۴ تا ۲۶)

یاقوت (۱۲۲۵ء میں) بیت المقدس کے میدان الساہرہ کا ذکر کرتا ہے کہ وہی میدان حشر ہوگا لیکن اس کی ٹھیک جگہ کا پتہ نہیں دیتا۔ (یاقوت جلد سوم۔ ۲۵۔ مراصد دوم۔ ۶)

مجیر الدین (۱۴۹۶ء) پہلا شخص ہے کہ شہر کے متصلہ شمالی میدان اور کیڈرون کے مغربی قطعے کو وادی جہنم لکھتا ہے اور شہر پناہ کے شمالی دروازے کو باب الساہرہ بھی سب سے اول اسی نے لکھا ہے۔ میدان کی نسبت اس کا بیان یہ ہے:۔

"(گزشتہ زمانے کا) الساہرہ وہ میدان تھا جو کوہ زیتون کے شمال مغرب میں مقام سیدنا عمرؓ کے قریب ہی پھیلا ہوا ہے لیکن آج کل اس نام سے وہ میدان موسوم ہونے لگا ہے جو شہر کے شمال میں باہر آتے ہی ملتا ہے اسی میں وہ قبرستان ہے جس میں (ہر ملک) کے مسلمان اپنے مُردے دفن کرتے ہیں۔ یہ پہاڑی کے پہلو پر بلند جگہ واقع اور "مقبرۃ الساہرۃ" کے نام سے موسوم ہے۔" (مجیر الدین، ۴۱۲)۔

عین صلوان اور بیر ایوبؑ: کیڈرون کی وادی کے نشیبی حصے میں عین صلوان اور بیر ایوبؑ واقع ہیں۔ عربی لفظ "عین" کے باوجود یہ پانی حقیقت میں چشمہ نہیں بلکہ ایک حوض ہے جس میں عین ام الدرج سے بذریعہ نہر پانی پہنچتا ہے اور چونکہ اس بالائی مخزن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لہذا عین صلوان کا پانی بھی مسلسل اور یکساں نہیں رہتا۔ اسی زیرِ زمین دوز نہر کی جس سے ام الدرج کا پانی عین صلوان میں آتا ہے، دیوار پر ۱۸۸۰ء میں محض اتفاق سے اسکول کے چند یہودی بچّوں کو وہ کتبہ ملا جو اب "کتابہ صلوان" کے نام سے مشہور و معروف ہو گیا ہے۔

بیر ایوبؑ جسے سولھویں صدی سے نصاریٰ "ویل اوف نہمیہ" پکارنے کے عادی ہیں، غالباً ان روجل نامی کنواں ہے جس کا یوشع کی انجیل (سورہ ۱۵، ۷) میں ذکر آتا ہے کہ وہ قبیلۂ یہودا و قبیلۂ بنیامین کی سرحد پر واقع تھا۔

اس حوض و چاہ کی نسبت مقدسی سنہ ۹۸۵ء میں لکھتا ہے کہ "صلوان شہر کے مضافات میں ایک گاؤں ہے اور اس کے جنوب میں عین صلوان خاصے صاف پانی کا چشمہ ہے جس سے ان وسیع باغوں کی آبپاشی ہوتی ہے جو سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مساکین شہر کے لیے وقف فرما دئے تھے اس کے اور آگے بڑھئے تو بیر ایوبؑ ہے۔ کہتے ہیں عرفات کی رات کو مکۂ معظمہ کے متبرک چشمے زمزم کا پانی زمین کے اندر ہی اندر عین صلوان میں آتا ہے اس شام کو یہاں

باب پنجم

لوگ میلا کرتے ہیں"۔ (مقدسی - ۱۷۱)۔

ناصر خسرو ۱۰۴۷ء میں اپنے سفر نامے میں حسبِ ذیل یادداشت تحریر کرتا ہے :۔ "شہر سے نصف فرسخ جنوب میں اور (وادی جہنم کی) گھاٹی سے آگے بڑھ کے، آپ کو ایک چشمہ ملے گا جو چٹان میں سے پھوٹتا ہے اسے عین صلوان کہتے ہیں۔ چشمے کے ہر طرف بہت سے مکانات بنے ہوئے ہیں اور چشمہ ان میں سے گزرتا ہوا ایک گاؤں تک پہنچتا ہے جہاں بہت سے مکان اور باغ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس پانی میں کوئی سر سے پاؤں تک نہالے تو اسے ہر قسم کے درد سے نجات ملجاتی ہے اور کہنہ امراض بھی دور ہوجاتے ہیں۔ چشمے کے آس پاس بہت سے خیرات خانے ہیں جن کے لئے بڑی بڑی آمدنی کے وقف کئے گئے ہیں۔ خود شہر بیت المقدس میں ایک اعلیٰ درجہ کا بیمارستان ہے (دار الشفا) جس کے لیے زرِ کثیر وقف کیا گیا ہے۔ ہزارہا بیماروں کو یہاں دوا اور غذا دی جاتی ہے، بہت سے باقاعدہ تنخواہ یاب طبیب مقرر ہیں جو بیمارستان میں حاضر رہتے ہیں" (ناصر خسرو - ۲۶ - ا)۔

علی ہروی کی ۱۱۷۳ء کی اطلاع عین صلوان کی نسبت یہ ہے کہ اس کا پانی آبِ زمزم کی مثل ہے۔ یہ قبۃ الصخرٰی کے نیچے سے بہتا اور وادیٔ جہنم میں جو شہر کے باہر ہے بالائے سطح نمودار ہوتا ہے" (نسخۂ اوکسفورڈ - ورق ۳۹)۔

یاقوت نے مقدسی کے مذکورۂ بالا قول کو نقل کرکے اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ میرے زمانے میں موضع صلوان میں آبادی اور باغوں کی خاصی کثرت ہوگئی تھی (جلد سوم - ۴۲۵ و ۴۲۶) صاحب مراصد جس نے سنہ ۱۳۰۰ء کے قریب اپنی کتاب لکھی، بیان کرتا ہے کہ میرے زمانے میں سارے باغ غائب ہوگئے اور عین صلوان کا پانی بھی شیریں نہیں رہا تھا اور گرد و پیش کی عمارات بھی کھنڈر ہوگئی تھیں" (مراصد دوم - ۲۹۶)۔

باب پنجم

بیر ایوبؑ کی نسبت سیوطی نے ایک عجیب کیفیت ایک قدیم تر مصنف سے نقل کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کتاب الانس کے مصنف نے اس کوئیں کی جو حضرت ایوبؑ سے منسوب ہے حسب ذیل کیفیت تحریر کی ہے:۔ کہ میں نے اپنے ابن عم ابو محمدؒ القاسم کے ہاتھ کی ایک تحریر پڑھی اور اس نے مجھے اس کے کام میں لانے کی اجازت دی جس کا مضمون یہ تھا کہ میں (یعنی ابو محمدؒ) نے ایک تاریخ میں پڑھا کہ ایک مرتبہ شہر کے لوگوں میں پانی کا قحط ہوگیا اور وہ اسی ضرورت سے مضافات کے ایک کوئیں پر گئے اور اس میں ۸۰ درع نیچے اترے۔ دہن پر یہ کنواں دس یا کچھ زیادہ درع ضرب ۴ درع تھا۔ اس کے پہلوؤں میں بڑے بڑے پتھروں کی چنائی کی تھی جن میں سے بعض پانچ درع تک لمبے ہوں گے اگرچہ عمق آب میں ایک یا ۲ درع سے زیادہ کے نہ تھے۔ مگر تعجب یہ تھا کہ یہ پتھر کس طرح اپنی جگہ پر جمائے گئے۔ کوئیں کا پانی سرد اور پینے میں خوش ذائقہ تھا اور لوگوں نے اس تمام برس اسی کو استعمال کیا اور وہ ۸۰ درع کی گہرائی پر ملتا تھا۔ لیکن جاڑے آئے تو پانی افراط سے اونچا ہوگیا یہاں تک کہ لبریز ہو کے کناروں سے باہر نکل آیا اور وادی کی ساری سطح پر چھا گیا جس سے (پن) چکیاں چلنے لگیں۔ اب ابو محمدؒ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ پانی کی کمی ہوئی اور عین صلوان میں بھی پانی کم ہوگیا، تو میں چند کاریگروں کو لے کے تہ کھودنے کے لئے نیچے اترا اور میں نے دیکھا کہ پانی ایک چٹان میں سے پھوٹ رہا ہے جس کی چوڑائی دو درع اور اسی قدر بلندی تھی۔ اور اس میں ایک غار تھا جس کا منہ ۳ درع اونچا اور ½ ۱ درع چوڑا تھا۔ اس غار میں سے نہایت سرد و تیز ہوا آرہی تھی جس سے چراغ بجھے جاتے تھے اور میں نے دیکھا کہ غار کی چھت کو چونے سے ہموار کیا گیا ہے۔ غار کے اندر ہم تھوڑی دور بڑھے تھے کہ مشعلیں ہوا کی تیزی سے جو نیچے سے آرہی تھی روشن نہ رہ سکیں۔ یہ کنواں وادی کے پیٹے میں ہے اور غار کوئیں کی تہ میں ہے۔ اور اوپر ہر طرف اونچی چٹانیں کھڑی ہیں جن پر

باب پنجم

آدمی سخت مشقت کے بغیر چڑھ نہیں سکتا۔ یہی وہ چشمہ ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ایوبؑ علیہ السلام سے (قرآن میں) ارشاد فرمایا کہ "ارکض برجلك۔ هذا مغتسل" بارد وشراب (سورۂ ص ع ۴) اس طرح ختم ہوا قول ابو محمد القاسم کا" (سیوطی ۲۷۳)۔

مگر بیر ایوبؑ کے پانی کا کناروں سے اُبل پڑنا، جس کا اوپر ذکر ہوا، تقریباً ہر سال کا مشاہدہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زیر زمین کوئی نہر ہو جو کیڈرون کی گھاٹی کے بالائی حصے کا پانی اس کوئیں میں لاتی ہو۔

غار قارون بیت المقدس کے عجائبات میں سے مقدسی نے ایک بڑے غار کا ذکر کیا ہے جو بظاہر اس کے زمانے میں قارون اور اس کے باغی رفیقوں کی مشہور عام روایت سے منسوب کیا جاتا تھا۔ قرآن شریف میں اس قدیم "کورہ" کا "قارون" کے نام سے ذکر آتا ہے (سورہ قصص۔ ع ۷) مقدسی کی تحریر حسب ذیل ہے:۔

بیت المقدس میں شہر کے باہر ایک بہت بڑا غار ہے اور میں نے جو کچھ اہل علم سے سنا اور خود کتابوں میں پڑھا، اس کے مطابق یہاں سے ایک دروازہ اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کے مقتولین مدفون ہیں۔ لیکن اس بارے میں کچھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ باحوال ظاہر یہ ایک پتھر کی کان ہے جس میں اندر جانے کے راستے بنے ہوئے ہیں اور ان میں مشعل کی مدد سے آدمی آگے تک جا سکتا ہے" (مقدسی ۱۸۵)۔

باب ششم

دمشق

مقدسی کی کیفیت ۹۸۵ء میں ــــ مسجد کبیر ــــ میناکاری ــــ ابواب شہر ــــ دوسرے بیانات ــــ دمشق کی ندیاں ــــ شہر کے گرد کے دیہات ــــ غوطہ دمشق ــــ پانی کی مختلف گزرگاہیں ــــ کوہ عیسیٰ علیہ السلام ــــ شہر اور مسجد کی کیفیت ابن جبیر کی قلم سے، نوشتہ ۱۱۸۴ء میں ــــ بڑے گنبد کی چڑھائی ــــ بن گھڑی کے متعلق دو بیان ــــ ابن بطوطہ کا بیان ۱۳۵۵ء میں ــــ آثار ــــ مضافات ــــ روایات ــــ تیمور کی مسجد سوزی ۔

دمشق جس کو عربی میں دؔ اور مؔ مکسور یا دؔ مکسور اور مؔ مفتوح کے ساتھ لکھتے ہیں، غالباً ملک شام کا سب سے قدیم شہر ہے جس نے ہر زمانے میں اپنا اصلی نام (ڈامس کس) قایم رکھا ہے۔ حملہ آور مسلمانوں کا یرموک کی جنگ کے فوراً بعد ہی، ۶۳۵ء میں اس پر قبضہ ہو گیا اور اسی یرموک (یا رود ہیروماکس) علاقہ حوران (دیکھو صفحہ ۶۴) کی جنگ عظیم نے بائی زنطی سلطنت کے قبضۂ شام کا قصہ چکا دیا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو افواج

باب ششم

اسلامی کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور محاصرۂ دمشق کے وقت ان کا خیمہ مغربی دروازے کے سامنے تھا اور فاتح یرموک حضرت خالدؓ کو سوار فوج کے ساتھ انھوں نے مشرقی دروازے کے روبرو چھوڑ دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے شہر کے اس محلے پر جس کے سامنے ان کا پڑاؤ تھا یورش کی لیکن اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ اہل دمشق ابو عبیدہؓ کی پہلے ہی اطاعت قبول کر چکے ہیں اور وہ مغربی حصے پر بغیر لڑے بھڑے قابض ہو گئے ہیں۔ پس شہر کے ساتھ برتاؤ بھی یہی کیا گیا کہ ایک حصّے کو قبول اطاعت اور دوسرے کو بزور شمشیر مقبوضہ سمجھا گیا۔ چنانچہ اسلامی تسلط کے ابتدائی چند سال میں کنیسہ یوحنا کا مشرقی حصّہ نصاریٰ کے پاس چھوڑ دیا گیا بجالیکہ اس بڑے گرجا کے مغربی نصف کو مسلمانوں نے مسجد بنا لیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم و نصاریٰ اپنی اپنی عبادت گاہوں میں ایک ہی دروازے سے آتے جاتے رہے۔

۶۶۱ء کے قریب خلافت اموی کے بانی امیر معاویہؓ نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور ان کے چوتھے جانشین الولید کے زمانے میں دمشق کی بڑی مسجد کنیسہ یوحنا کے کھنڈروں پر تعمیر ہوئی اور خود یہ کنیسہ اصل میں ایک پرانے بتکدے کے آثار پر بنایا گیا تھا۔ دمشق اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ رہا حتیٰ کہ ۷۵۰ء میں عباسیوں نے اموی خاندان کا تختہ الٹ دیا اور انھوں نے صدی گزرنے سے پہلے بغداد کی بنا ڈالی اور اسلامی دنیا کے مرکز کو شام سے ہٹا کے دجلے کے کنارے عراق عرب میں منتقل کر لیا۔ خلیفہ اور اس کے دربار کے اٹھ جانے سے دمشق کی شان و شوکت لازماً بہت کچھ کم ہو گئی، بایں ہمہ وہاں کی بڑی مسجد کی شان و تجمل میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس بات کو مقدسی نے ذیل کے فقرات میں جو اس کی عبارتوں سے ترجمہ کئے گئے ہیں، بہت خوبی سے بیان کیا ہے:-

باب ششم

"دمشق شام کا صدر مقام ہے اور خاندان امویہ کے بادشاہوں کا پائے تخت تھا۔ ان کے چوب و خشت کے قصور، ان کے محلات اور یادگاریں سب یہیں تھیں۔ شہر کے گرد جو دھس بنائے گئے ہیں ان میں بھی اپنے قیام دمشق کے زمانے میں میں نے دیکھا کہ گلی اینٹیں چنی ہیں۔ اکثر منڈیاں مسقف ہیں لیکن ایک عمدہ بازار جو شہر کے ایک سرے سے دوسرے تک چلا گیا ہے، کھلا ہوا ہے۔ دمشق ایسا شہر ہے جس میں ہر طرف سے ندیاں گزری ہیں اور اشجار سے گھرا ہوا ہے۔ اجناس کی قیمتیں معتدل، میوے اور برف کی کثرت اور گرم و سرد دونوں ملکوں کی پیداواریں یہاں میسّر ہیں۔ ایسے عالیشان حمام، ایسے خوبصورت فوارے اور ایسے قابل تکریم نفوس جیسے یہاں ہیں، کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔

خود شہر بہت خوش گوار جگہ ہے لیکن اس کے عیوب یہ ہیں کہ موسم نہایت گرم اور (عام باشندے متمرد ہیں۔ میوے پھیکے۔ گوشت سخت ہوتا ہے۔ مکان چھوٹے اور کوچہ و بازار تاریک ہیں۔ آخری بات یہ کہ روٹی اچھی قسم کی نہیں ہوتی اور معاش ملنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ شہر کے گرد ہر سمت میں نصف فرسخ تک (غوطہ کا) مسطح میدان پھیلا ہوا ہے۔ میں نے عضد الدولہ کے کتب خانے کی ایک کتاب میں پڑھا کہ دو شہروں کو دنیا کی دلھن کہا گیا ہے:- ایک دمشق اور دوسرا رے اور یحییٰ ابن اکثم بیان کرتا ہے کہ دنیا میں انبساط کامل کے تین مقام ہیں = یعنی وادی سمرقند، غوطہ دمشق اور نہر ابلہ (جو بغداد کے نیچے ہے)"

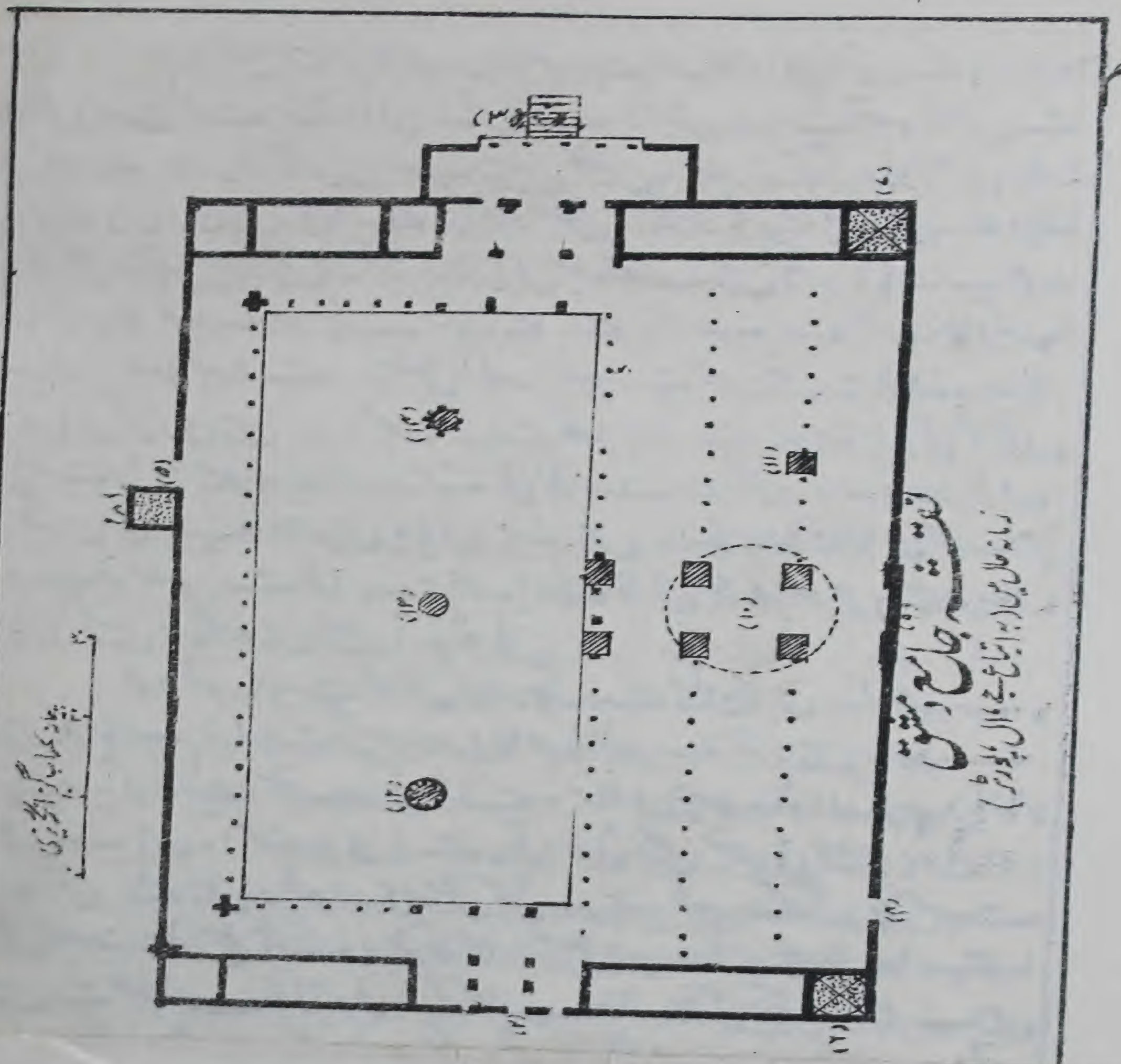

تصریح علامات

۱۔ باب البرید۔
۲۔ باب جیرون، جسے ابن بطوطہ نے باب الساعۃ بھی تحریر کیا ہے۔
۳۔ دروازہ جسے آجکل باب الزیادہ یا باب السر میطیہ جسے مقدسی باب الساعۃ لکھتا ہے۔
۴۔ موجودہ باب العمارہ۔ جسے مقدسی اور ادریسی باب الفرادیس اور ابن جبیر "باب ناطفیین" لکھتا ہے۔
۵۔ ماذنۃ الغربیہ
۶۔ ماذنۃ عیسیٰ۔
۷۔ ماذنۃ العروس۔
۸۔ محراب کبیر، جس کے قریب پرانا دروازہ اور یونانی کتبہ تھا۔ اور اسی سے کنیسۂ یوحنا میں جاتے تھے یہ دروازہ اب بند کر دیا گیا ہے۔
۹۔ قبۃ الرصاص یا النسر۔
۱۰۔ وہ حجرہ جہاں کہا جاتا تھا کہ حضرت یحییٰ کا سر رکھا ہے۔
۱۱۔ قبۃ الخزینہ جو ایک زمانہ میں عائشہ کا گنبد یا مقبرہ کہلاتا تھا۔
۱۲۔ قبۃ الفوارہ یا قفص الماء۔
۱۳۔ قبۃ الساعات یا زین العابدین۔

بنانے میں عجلت کی۔" اس کے ابواب جن کا مجھے علم ہے، یہ ہیں :-
باب الجابیہ، باب الصغیر، باب الکبیر، باب الشرقی، باب طوما (یہ سینٹ ٹامس) باب النہر اور باب المحملیین (یعنی شغدف بنانیوالوں کا دروازہ)۔

جامع دمشق مسلمانوں کی سب سے نفیس مسجد ہے اور اتنے اسباب تجمل کسی جگہ جمع نہیں ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں بڑے بڑے پتھر کے چوکوں سے بنائی گئی ہیں جنھیں کمال صحت اور صفائی سے جمایا ہے اور ان کے اوپر شاندار کنگورے ہیں۔ مسجد کی چھت جن ستونوں پر قایم ہے وہ جلا کئے ہوئے سنگ موسیٰ کے ہیں اور انھیں تین قطاروں میں لیکن خوب فاصلے سے قایم کیا ہے۔ عمارت کے وسط میں یعنی محراب (قبلہ) کے مقابل کی جگہ پر ایک بڑا گنبد ہے۔ صحن مسجد کے باقی تین طرف بھی بلند و بالا دالان ہیں جن کے اوپر قوسی دریچے نکالے ہیں۔ صحن و دالان کا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے۔ مسجد کے اندر کی دیواریں دو قد آدم کی بلندی تک رنگین سنگ مرمر کی ہیں اور اس کے اوپر چھت تک میناکاری اور سونے کا کام کیا ہے جس میں درختوں، شہروں کی تصویریں اور نہایت نفیس و خوشخط کتبات ہیں اور ہر چیز بہترین صناعی کا نمونہ ہے۔ بہت کم درخت اور بلاد مشہورہ میں سے کم کوئی شہر ایسا ہو گا جس کا مرقع ان دیواروں پر منقوش نہ ہو۔ ستون کی سروں پر سونا چڑھا ہوا ہے اور کمانوں کے اندر ہر جگہ میناکاری کی ہے۔ صحن مسجد کے گرد جتنے ستون ہیں وہ سب بے داغ سنگ مرمر کے ہیں اور صحن کو جو دیواریں اور کمانیں احاطہ کئے ہوئے ہیں، نیز ان کے اوپر کے محراب دار دریچے، ان سب کو نفیس نقش و نگار سے مزین و مذہب کیا ہے۔ تمام چھتوں پر سیسے کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں اور منڈیروں پر دونوں طرف میناکاری ہے۔

صحن کے دائیں (یا مغربی[1]) جانب آٹھ ستونوں پر بیت المال کی

---

[1] گویا آنیوالا محراب قبلہ کی طرف منہ کئے کھڑا ہے۔

باب ششم

عمارت بڑے تکلف سے بنائی ہے اور اس کی سب دیواروں پر مینا کیا ہوا ہے محراب کے اندر اور گرد و پیش عقیق و فیروزہ کے بہترین ترشے ہوئے نگ، جیسے کہ انگوٹھیوں میں ہوتے ہیں، جڑ دیئے ہیں۔ اس بڑی محراب کے سوا اس کے بائیں (= مشرق کی) طرف ایک اور محراب خاص سلطان کے واسطے ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یہ بہت شکستہ حالت میں تھی لیکن میں نے سنا ہے کہ حال میں سلطان نے پانچ سو دینار (= ۲۵۰ پونڈ) کے خرچ سے اسے پھر درست اور اپنی اصلی حالت کے مطابق کرا دیا ہے۔ مسجد کے گنبد کے کلس پر ایک نارنگی اور اس کے اوپر ایک انار سونے کا بنا کے چڑھا دیا ہے۔ لیکن یہاں کے عجائبات میں سب سے قابل دید چیز رنگین سنگ مرمر کا جمانا ہے اور یہ کہ کس کمال کے ساتھ ایک کا جوڑ دوسرے کے ساتھ بٹھایا ہے۔ حقیقت میں یہ ایسی صنعت ہے کہ اگر کوئی نقاش سال بھر تک روزانہ بھی آ کے اس کو دیکھتا رہے تو اسے ہمیشہ کوئی نہ کوئی نیا نمونہ اور تازہ نقش ضرور نظر آتا رہیگا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ الولید نے اس نقاشی کے لیئے ایران و ہندوستان، مغرب (افریقہ) اور بائی زنطہ کے مشاق کاریگر بلائے تھے اور سات سال تک ملک شام کے تمام محاصل اور سونے چاندی کے لدے ہوئے اٹھارہ جہاز جو قبرص سے آئے تھے، اسی پر خرچ کر دیئے تھے۔ اور یہ زر کثیر اس مال کے علاوہ ہے جو شہنشاہ بائی زنطہ اور مسلمان امرا نے جواہرات اور مینا کے دوسرے مصالح کی صورت میں بطور ہدیہ خلیفۂ ممدوح کی خدمت میں ارسال کیا۔

مسجد میں چار دروازوں سے داخل ہوتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ باب جیرون، باب الفرادیس، باب البرید اور باب الساعت ان میں باب البرید صحن کے دائیں ہاتھ (یعنی مغرب کی طرف کھلتا ہے یہ بہت بڑا دروازہ ہے اور اس کے دائیں بائیں دو چھتے بھی آنے جانے کے بنے ہوئے ہیں۔ بڑے پھاٹک اور ان دونوں راستوں

باب ششم

کے دہرے کواڑ ہیں جن پر طمع کئے ہوئے تانبے کی تختیاں جڑی ہیں ان تینوں کے اوپر جھروکے بنا دئے ہیں۔ دروازے صحن کے گرد کے وسیع دالانوں میں کھلتے ہیں جن کی چھتیں لداؤ کی ہیں اور دائیں کمان بنا کے سنگ مرمر کے ستونوں پر رکھی ہیں دیواروں کی نسبت پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سرتاپا نقش و نگار سے مزین ہیں۔ اندر کے رخ چھتوں پر بے مثل گلکاری بنائی ہے۔ ان دالانوں میں کاغذ فروش بیٹھتے ہیں اور قاضی کے نائبوں کی کچہری بھی ہے۔ القصہ باب البرید مسجد کی اصلی عمارت اور صحن کے وسط میں واقع ہے اور اس کے بالمقابل مشرق میں باب جیرون اسی کی طرز کا بنا ہوا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے جھروکوں کے عرض میں بھی کمانیں ہیں۔ اس پھاٹک پر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں اور ان سیڑھیوں پر نجومی رمّال وغیرہ اسی قسم کے لوگ نشست رکھتے ہیں۔ باب الساعۃ خود سقف مسجد کے اندر مشرقی گوشے میں[1] کھلتا ہے۔ اس کے کواڑ دہرے ہیں لیکن ان پر کوئی آرائش نہیں ہے اور اوپر سائبان بنایا ہے جہاں وکیل مختار اور اسی قسم کے لوگوں کا جماؤ رہتا ہے۔ چوتھا دروازہ باب الفراديس (یعنی باغوں کا دروازہ) کہلاتا ہے۔ اس کے بھی دہرے کواڑ ہیں یہ محراب کے بالمقابل (صحن کے شمال کی طرف) دالانوں کے اندر کھلتا ہے اور اس کے دائیں بائیں دو زائد دروازے بنے ہوئے ہیں اس کے اوپر ایک مینار ہے جسے حال ہی میں اسی قسم کی میناکاری کے کام کے ساتھ جس کا ذکر اوپر آیا، تعمیر (یا مرمت) کرایا گیا ہے۔ ان چاروں دروازوں کے سامنے چار وضو خانے سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں جن کے حجروں میں آب رواں کا انتظام کیا ہے اور فواروں سے سنگ مرمر کے بڑے بڑے طاسوں میں پانی پہنچایا ہے مسجد میں ایک نہر ایسی ہے جسے سال میں ایک دفعہ کھولتے ہیں تو پانی ابل کر تمام

[1] :- یہ غالباً "مغربی" کے بجائے سہواً مشرقی لکھا گیا ہے۔

باب ششم

صحن میں ایک درع گہرا پھیل جاتا ہے اور اس کی دیواریں اور تمام فرش صاف ہو جاتے ہیں۔ پھر لوگ ایک دوسری بدرو کھولتے ہیں اور اس کے راستے سب پانی باہر نکل جاتا ہے۔ سلطان کے محل موسوم بہ الخضرا سے جو مسجد کے عقب میں ہے، مقصورہ (یعنی سلطان کی نماز گاہ) تک آنے کے لئے علیحدہ دروازے ہیں جن پر سونے کے تختیاں جڑی ہیں۔

کہتے ہیں اموی خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز نے ایک بار اس مسجد کو گرا کے اس کی قیمتی اشیا کو مسلمانوں کے عام رفاہی کاموں میں لگا دینے کا قصد کیا تھا۔ لیکن لوگوں کے کہنے سننے سے بالآخر باز رہا۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ اس مسجد پر اٹھارہ خروار سونے کے ہم قیمت روپیہ خرچ ہوا ہے (مقدسی۔ صفحہ ۱۵۶ تا ۱۶۰۔ لیکن ترجمے میں فقروں کی ترتیب ہم نے بعض جگہ سے بدل دی ہے۔)

میناکاری کے متعلق، جس کے بعض حصے ابھی تک مسجد کی دیواروں پر نظر آتے ہیں، ذیل کا حاشیہ جو مقدسی کے ایک قلمی نسخے میں تحریر ہے، قابل ترجمہ کرنے کے ہے:-

"میناکی تیاری میں سونے کے ڈلے ڈالتے ہیں جس طرح کہ وزن کے واسطے جو سکے تیار کئے جاتے ہیں، ان میں ڈالا جاتا ہے۔ لیکن مینا، زرد، سبز، سیاہ، سرخ، مدھم یا چمکیلا، غرض سطح پر سونا لگانے سے مختلف رنگ کا ہو جاتا ہے اور پھر اس کے پتروں پر باریک شیشے کی تہ چڑھا دیتے ہیں۔ دیواروں پر پہلے صمغ عربی کا صندلا کیا جاتا ہے اور اس پر میناکاری کے پترے اس طرح جماتے ہیں کہ ان سے مختلف نقش و نگار بن جاتے ہیں تو بعض اوقات ساری سطح پر سونے کا میناکر دیا جاتا ہے جس سے پوری دیوار طلائے خالص کی بنی ہوئی نظر آتی ہے" میناکے لئے عربی لفظ "فسیفسا" اصل میں ایک یونانی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے کیونکہ مسلمان اکثر دوسری صنعتوں کی طرح اس میں بھی بائی زنطیوں کے شاگرد تھے اور انہی کی یونانی اصطلاح کو انھوں نے

اختیار کیا۔

مسجد کے دو بڑے دروازے، باب جیرون اور باب البرید کہ ایک مشرق اور دوسرا مغرب میں کھلتا ہے، آج کل بھی اسی نام سے موسوم ہیں، جس سے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں یاد کئے جاتے تھے لیکن مقدسی کے باب الساعۃ اور باب الفرادیس کے بارے میں کچھ غلط بحث ہوگیا ہے۔ ہم نے مسجد کا جو نقشہ گذشتہ صفحے میں دیا ہے وہ پادری پورٹر صاحب کی کتاب "فایو ایرز ان ڈیمس کس" (مطبوعہ لندن ۱۸۵۵ء) سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوگا کہ اس وقت مسجد کے مشرقی گوشے کے اندر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ البتہ جنوبی دیوار کے مغربی حصے میں وہ دروازہ ہے جس کے فون کریمیر نے (ٹوپوگرافی اوف ڈیمس کس میں، جلد پنجم "زیسرٹ شریفیٹ ..... مطبوعہ ۱۸۵۴ء) تین نام بتائے ہیں: باب السریطیہ یا الزیادہ یا الساعۃ۔ ان میں سے آج کل عام طور پر "باب الزیادہ" ہی کا نام مروج ہے مگر یہ وہ دروازہ نہیں ہوسکتا جسے مقدسی باب الفرادیس کہتا ہے اور جو اس کی تحریر کے موافق صدر محراب کے بالمقابل واقع اور دو زائد راستوں کے ساتھ دالانوں کے اندر کھلتا ہے۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ مقدسی کے لفظ "زیادتین" سے "باب الزیادہ" کو صریحی مناسبت ہے مگر مجموعی طور پر دیکھئے تو موضع کے لحاظ سے باب الفرادیس کا موجودہ جانشین باب العمارۃ ہونا چاہئے جو شمال میں کھلتا ہے اور اس زمانے کے ماذنۃ العروس کے قریب ہی مشرق میں بنا ہوا ہے۔ بظاہر یہی ماذنۃ وہ مینار ہے جو مقدسی کی تصنیف کے قریبی زمانے میں تیار ہوا تھا۔ مگر یہاں ایک اور شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد کا سب سے قدیم مینار ہے جو خلیفہ الولید کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا سو اس کی تاویل یوں ہوسکتی ہے کہ عربی کے لفظ "تعمیر" سے ہم صرف "مرمت" کے معنی لیں جو لئے جاسکتے ہیں۔ مزید براں مقدسی کا باب الفرادیس جو شمال میں رودِ بردا کے کنارے

باب ششم

تھا، ابن جبیر کے باب الناطفیین (= حلوائی) کے بالکل مطابق ہے (جیسا کہ آگے آئے گا) اور یہ مصنف مقدسی کے باب الساعۃ کو بھی ہر جگہ باب الزیادہ موسوم کرتا ہے۔ مسجد کے وہ دروازے جن سے امیر معاویہؓ کے قصر خضرا کو راستہ جاتا تھا، بظاہر کنیسۂ یوحنا کے قدیم جنوبی دروازے کے اندر بنے ہوئے تھے، جو مدت سے بند ہیں لیکن کنکنی کے اوپر یونانی زبان میں یہ مشہور کتبہ آج تک پڑھا جا سکتا ہے کہ "تیری بادشاہی اے مسیح! جاودانی بادشاہی ہے اور تیرا تسلط نسلاً بعد نسلٍ ہمیشہ قائم ہے"[1] کچھ شبہ نہیں کہ خلیفہ ولید کی تعمیر جدید کے وقت تک یہی وہ دروازہ تھا جس سے مسلم و نصاریٰ دونوں اپنی اپنی عبادت گاہوں میں آتے تھے۔

مقدسی کے بیان کردہ شہر کے سات دروازے دو ایک کے سوا آسانی سے پہچانے جا سکتے ہیں۔ باب جابیہ جو اسی نام کی نواحی بستی سے موسوم ہے "سیدھے بازار" کے مغربی سرے پر ہے اور اسی بازار کے مشرقی سرے پر باب الشرقی موجود ہے۔ بلاذری کی روایت کے مطابق حضرت خالدؓ اسی دروازے کے سامنے لشکر آرا ہوئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کی فوج باب جابیہ پر خیمہ زن تھی (بلاذری ۱۲۱) باب الصغیر یعنی "چھوٹا دروازہ" شہر پناہ کے جنوب مغربی گوشے میں ہے مگر آج کل اسے بگاڑ کر بالعموم باب الشاغور کہتے ہیں کہ شاغور اس کے قریب کی ایک بستی کا نام ہے۔ مقدسی کا باب کبیر بظاہر وہ بڑا دروازہ ہے جس کا دوسرا نام قدیم سے اور زمانۂ حاضر میں باب کیسان مشہور ہے۔ یہ شہر پناہ کے جنوب مشرقی گوشے میں کھلتا ہے۔ بلاذری لکھتا ہے کہ اس کے اور باب الصغیر کے درمیان محاصرۂ دمشق کے وقت یزید ابن ابی سفیان صف آرا تھے، باب الشرقی سے گزر کر شمال مشرقی زاویے میں باب طوما آتا ہے اور بڑے محاصرے

[1] مناجات ۱۲۵۔ ع ۱۳ جس میں الفاظ "او مسیح" تحریفاً بڑھا دیئے گئے ہیں۔

کے موقع پر یہاں عرب سپہ سالار عمرو ابن العاص کی فوج تھی، جس نے چند سال بعد ملک مصر فتح کیا۔ باب النہر یقیناً رود بردا کے کنارے ہوگا اور غالباً یہی مقدسی کا باب الفرادیس ہے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ محاصرے کے وقت یہاں شرجبیل کی لشکرگاہ تھی۔ یہ جامع کبیر کے شمال میں بالکل قریب واقع ہے۔ باب المحلیئین (یعنی شغدف بنانے والوں کا دروازہ) غالباً باب الفرج کا دوسرا نام ہے جس کا ابن جبیر نے ذکر کیا ہے اور یا ہمارے زمانے کا باب الحدید ہے جو ابن جبیر کے زمانے میں باب النصر کہلاتا تھا۔ باب السلام یا سلامہ کا سب سے پہلے ادریسی نے ذکر کیا ہے (دیکھو صفحہ ۲۸۷) یہ فصیل کے شمالی پہلو میں، باب طوما اور باب فرادیس کے مابین دریا کے کنارے واقع ہے۔

مقدسی سے ایک صدی پہلے کی کتابوں میں ہمیں دمشق کے متعلق کئی مختصر اطلاعیں ملتی ہیں۔ ان میں ایک قدیم ترین بیان ابن خردادبہ کی کتاب مسالک الممالک کا ہے جو سنہ ۲۶۴ھ میں تصنیف ہوئی۔ اس کا خیال یہ ہے کہ "دمشق وہی "ارم ذات العماد" ہے جس کا پرانے قصوں میں ذکر آتا ہے۔ وہ حضرت نوحؑ کے وقت سے پہلے سے آباد تھا اور حضرت نوحؑ جبل لبنان ہی سے کشتی میں روانہ ہوئے جو کردستان میں کوہ جودی پر جا کر ٹھہری۔ جب حضرت نوحؑ کی اولاد بڑھی تو انھوں نے غاروں کی سکونت چھوڑ دی جنھیں نمرود ابن کنعان نے بنایا تھا اور نمرود دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ تھا جس کی یہودیوں پر کہ اہل کتاب ہیں حکومت رہی" (ابن خردادبہ - ۷۱)

یعقوبی سنہ ۸۹۱ء میں تحریر کرتا ہے:

"دمشق ملک شام کا صدر مقام ہے۔ اس کی ندی بردا ہے۔ ابو عبیدہؓ نے سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں عہد اطاعت لے کے اس شہر پر قبضہ کیا اور باب جابیہ سے داخل ہوئے بحالیکہ حضرت خالدؓ نے حملہ کیا اور باب الشرقی سے شہر میں در آئے۔ دمشق قدیم ملوک غسانیہ

کا پائے تخت تھا۔ ملوک جفنیہ کے بھی یہاں آثار پائے جاتے ہیں۔ پھر امویوں کا دار الخلافت بنا اور حضرت معاویہ کا قصر الخضراء جہاں ان کی خلافت کا مرکز تھا، یہیں ہے۔ جامع دمشق کہ اس سے بہتر و خوبتر مسجد عالم اسلامی میں کہیں نہیں ہے خلیفہ الولید نے تعمیر کی" (یعقوبی، ۱۱۳)

ابن الفقیہ کے خلاصے میں دمشق کی نسبت ذیل کی یادداشتیں ملتی ہیں جن کے مطالب کو اکثر متاخرین نے نقل کیا ہے:

دمشق کے چھ دروازے ہیں: باب جابیہ، باب الصغیر، باب کیسان، باب الشرقی، باب طوما اور باب الفرادیس۔ یہ سب یونانیوں کے وقت سے موجود تھے۔ جب خلیفہ الولید نے جامع دمشق کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا تو شہر کے نصاریٰ کو بلا کے کہا کہ ہم تمہارا گرجا اپنی مسجد میں شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن تمھیں اس کے معاوضہ میں جہاں کہو گے گرجا کے لیئے جگہ دے دیں گے۔ نصاریٰ نے اسکو ٹالنا چاہا اور کہنے لگے کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ جو اس گرجا کو ڈھائیگا وہ گھٹ کے مرجائیگا" مگر الولید چلایا "خیر۔ تو میں وہ شخص ہوں کہ سب سے پہلے اس کو ڈھائیگا" چنانچہ وہ گرجا میں داخل ہوا اور وہاں ایک زرد گنبد تھا، اسے اپنے ہاتھوں سے منہدم کر دیا۔ تب لوگوں نے اس کی تقلید میں دوسرے حصے گرا دئے۔ بعد ازاں اس نے مسجد کو وسعت میں پہلے سے دگنا کر لیا۔ اس طرح گرجا منہدم کر دیا گیا تو روم (ابائی زنطہ) کے بادشاہ نے خلیفہ کو خط لکھا کہ "تحقیق تو نے وہ کلیسا ڈھایا ہے جس کو تیرے باپ نے عمداً محفوظ رکھا تھا۔ اب اگر تو راستی پر ہے تو تیرا باپ غلطی پر تھا اور وہ غلطی پر تھا تو پھر بھی کیا تیرے لیئے زیبا تھا کہ اپنے باپ کے خلاف کام کرنے پر کمر بستہ ہو؟" الولید کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس خط کا معقول جواب کیا دے۔ اس نے لوگوں سے مشورہ لیا حتیٰ کہ عراق تک سے خط بھیج کے مشورہ مانگا۔ تب فرزدق شاعر نے اس سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ قرآن حکیم کے لفظوں میں اس خط کا جواب دیں اور

باب ششم

خدائے عزوجل کا یہ ارشاد لکھ بھیجیں :-
وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم۔ وکنا لحکمھم شاھدین۔ ففھمناھا سلیمان۔ وکلاً آتینا حکماً وعلماً۔
سورۃ الانبیاء۔ ع۔ ۵)

چنانچہ ولید نے یہی آیات شریفہ شاہ روم کو جواب میں لکھ بھیجیں اور پھر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔

ولید نے سلطنت کی سات سال کی مالگزاری جامع دمشق کی تعمیر پر صرف کی اور آٹھ سال میں اسے پورا کیا۔ خرچ کے حسابات اٹھارہ اونٹوں پر لاد کے اس کے حضور میں لائے گئے تھے مگر اس نے حکم دیا کہ ان کو جلا دیا جائے۔ مسجد میں بیس ہزار نمازیوں کی جگہ ہے اور فانوس لٹکانے کے لیے ۶ سو سونے کی زنجیریں ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ زید ابن واقد نے، جسے خلیفہ نے جامع دمشق کا میر عمارت مقرر کیا تھا وہاں ایک غار دیکھا اور ولید کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی۔ تب رات کے وقت خلیفہ اس کے اندر اترا اور یہ دیکھ کے حیران رہ گیا کہ وہ ۳۰ درع لمبا اور اسی قدر چوڑا ایک خوشنما حجرہ ہے اور وہاں ایک صندوق کے اندر بند ٹوٹ کرے پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "یہ یحییٰ ابن زکریا کا سر ہے" اسے اچھی طرح جانچنے کے بعد ولید نے حکم دیا کہ یہ مسجد کے ایک خاص ستون کی بنیاد کے نیچے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے جو ستون بتایا اسی کے نیچے وہ صندوق دفن کر دیا گیا اور یہ مشرقی طرف کے ستونوں میں چوتھا ہے جسے "عمود السکسک" یعنی مسکینی کا ستون کہتے ہیں۔ جس زمانے میں کہ سر یہاں رکھا تھا، زید موصوف بیان کرتا ہے کہ میں نے بھی اسے دیکھا اور اس کے گوشت پوست یا بالوں میں کسی قسم کی خرابی نہ آئی تھی۔

جامع دمشق کے مانذ نے اصل میں یونانیوں کے زمانے کے دیدبان تھے اور کنیسۂ یوحنا میں داخل تھے۔ خلیفہ ولید نے گرجا کو توڑا اور سارا رقبہ

مسجد میں داخل کیا تو ان میناروں کو اسی حالت میں رہنے دیا۔

دمشق میں قصر خضرا انھوں نے تعمیر کیا جو بعد میں خلیفہ معاویہؓ ہوئے یہ تعمیر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی جب کہ خود امیر معاویہؓ شام کے والی تھے (ابن الفقیہ ۱۰۶ - ۱۰۸)۔

مسعودی کی بڑی تاریخ مروج الذہب سے جو ۹۴۳ھ کی تصنیف ہے، دمشق کے متعلق بعض دلچسپ حواشی التقاط کئے جا سکتے ہیں:-

"خلیفہ معاویہؓ اس دروازے کے قریب مدفون ہیں جو باب الصغیر کہلاتا ہے۔ اس مقبرے پر آج کے دن یعنی ۳۳۲ھ تک زائرین کا ہجوم رہتا ہے اس کے اوپر ایک عمارت ہے جو ہر پیر اور جمعرات کے دن کھولی جاتی ہے" (جلد پنجم ۱۴)۔

"۸۷ھ (۷۰۶ء) میں خلیفہ الولید نے دمشق کی جامع کبیر کی تعمیر شروع کی۔ کام کا آغاز ہونے کے بعد صحن سے پتھر کی ایک لوح برآمد ہوئی جس پر یونانی زبان میں کتبہ کندہ تھا کہ اسے علما میں سے کوئی نہ پڑھ سکا تا آنکہ وہ وہب ابن منبہ کے پاس لایا گیا۔ اور اس نے بتایا کہ یہ سلیمانؑ ابن داؤدؑ کے زمانے کی تحریر ہے۔ وہب نے اسے پڑھ لیا، اور خلیفہ نے حکم دیا کہ عقیق پر سونے کے حروف میں یہ کتبہ کندہ کر کے صحن مسجد میں نصب کر دیا جائے: "ہمارا مالک صرف اللہ ہے اور ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اللہ کے ناچیز خادم الولید امیر المومنین نے اس مسجد کی تعمیر اور اس کنیسہ کے جو پہلے زمانے میں یہاں موجود تھا انہدام کا حکم دیا۔ نصب کردہ ذوالحجہ ۸۶ھ[1]"

یہ الفاظ سونے سے لکھے ہوئے، اس زمانے یعنی ۳۳۲ھ میں بھی جامع دمشق کے اندر بجنسہ موجود اور پڑھے جا سکتے ہیں" (مسعودی پنجم - ۳۶۱)۔

[1] آج کل اس کتبے کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ وہب ابن منبہ کی نسبت ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۱ (مترجم صاحب)

باب ششم

جیرون کی نسبت جس سے جامع دمشق کا پانچواں دروازہ موسوم ہے مسعودی ذیل کی اطلاع بہم پہنچاتا ہے ؎

"جیرون، سعد ابن عاد کا بیٹا تھا جس نے دمشق آکے اسے اپنا پائے تخت بنایا وہ یہاں سنگ مرمر اور سنگ رخام کی بہت سے ستون لایا اور ان سے ایک شاہانہ عمارت بنائی جسے "ارم ذات العمود" کا نام دیا۔ ہمارے زمانے، یعنی سنہ ۳۳۲ھ تک یہ عمارت جامع کبیر کے ایک دروازے موسوم بہ باب جیرون کے باہر بازار میں موجود ہے۔ یہ محل عجیب و غریب عمارت تھا۔ اس کے کواڑ پیتل کے تھے۔ اس کا صرف ایک حصہ ابھی سلامت ہے اور باقی عمارت مسجد میں شامل کر لی گئی" (مسعودی سوم۔ ۲۷۱) ؎

جغرافیہ نویس اصطخری جس کی کتاب کو ابن حوقل نے سنہ ۹۷۸ء میں از سر نو مرتب کیا، دمشق کے حسب ذیل حالات قلمبند کرتا ہے۔ واضح رہے کہ ابن حوقل کی تصنیف کا زمانہ قریب قریب وہی ہے جب کہ مقدسی نے وہ تفصیلی حالات لکھے جنھیں ہم پہلے ہی نقل کر آئے ہیں ؎

"دمشق صوبے کا نام ہے اور اس کا صدر مقام جو اسی نام سے شہرۂ آفاق ہے، شام کا سب سے شاندار شہر ہے۔ یہ ایک وسیع میدان میں جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں واقع ہے اور پانی کی ہر طرف کثرت ہے اور جدھر دیکھئے ہرے بھرے درخت اور کھیت لہلہاتے ہیں۔ یہ میدان غوطہ کہلاتا ہے اور ایک منزل عریض اور دو منزل طویل ہے اور اس سے بڑھ کر دلکشا اور فرحت فزا مقام سارے شام میں نہیں پایا جاتا۔ دمشق کی ندیاں ایک مقام سے جو کنیسہ الفیجہ کے نیچے واقع ہے، اور جس جگہ عین بردا، جبل سنیر سے نکل کر آگرا ہے، آگے چڑھتی ہیں اور اس چشمے کے کنارے سے اور بہت سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ الفیجہ پر اس کا پانی ایک بانس چوڑا اور ایک ذرع گہرا ہے۔ لیکن اسی جگہ کے نیچے خلیفہ یزید ابن معاویہؓ نے ایک بڑی نہر کھدوائی تھی جو

باب ششم

اتنی گہری ہے کہ آدمی اس میں غوطہ لگا سکتا ہے۔ آگے چل کے دو اور نہریں نکالی گئی ہیں: ایک نہر المزہ اور دوسری نہر القنات (یا قنوات) ندی کی اصلی دھار مقامِ نیرآب پر پہاڑیوں سے باہر میدان میں نکلتی ہے اور قرآن شریف میں جو ارشاد ہے کہ "وجعلنا ابن مریم وامہ آیۃ وآویناھما الی ربوۃٍ ذات قرار ومعین" (المومنون۔ آیہ ۵۲) اس سے کہا جاتا ہے کہ یہی مقام مراد ہے۔ بہرحال النیرآب کی گھاٹی کے نیچے اصلی بردانی بہتی ہے اور دمشق کے وسط شہر میں اس پر پل باندھا ہے کیونکہ وہاں اس کا پاٹ چوڑا اور پانی اتنا گہرا ہے کہ گھوڑے کا سوار بھی اس کو عبور نہیں کر سکتا پھر یہ کہ شہر سے آگے نکل کے بھی یہی ندی غوطہ کے سارے دیہات کو سیراب کرتی ہے حالانکہ خود شہر میں سارے مکانات، حمام اور گلی کوچوں میں اسی کا پانی لیا جاتا ہے۔

رہی جامع دمشق، تو اسلامی دنیا میں اس کا مثل نہیں ہے اور نہ کسی دوسری مسجد پر اس قدر روپیہ خرچ ہوا ہے۔ گنبد اور دیواریں جو مقصورہ کے قریب محرابِ قبلہ کے اوپر بنی ہوئی ہیں، قدیم صابئین کی بنائی ہوئی ہے جن کا یہیں معبد تھا۔ پھر یونانیوں کے قبضے میں آیا اور انھوں نے اسے اپنی عبادت گاہ بنایا۔ ان سے یہودیوں اور نیز بت پرست بادشاہوں کے پاس منتقل ہوا۔ یحییٰؑ ابن زکریاؑ انہی لوگوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور انھوں نے آنحضرت کے سر کو مسجد کے دروازے پر جسے باب جیرون کہتے ہیں رکھدیا اس کے بعد نصاریٰ نے شہر فتح کیا اور ان کے زمانے میں یہاں گرجا تیار ہوا جس میں یہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں اسلام کا دور آیا اور یہ جگہ مسلمانوں کے قبضے میں آئی تو انھوں نے اسے مسجد بنا لیا اور باب جیرون کے اوپر ٹھیک اسی جگہ جہاں حضرت یحییٰؑ کا سر رکھا گیا تھا نبیرۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حسینؓ ابن علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سر رکھا گیا۔ جب ولید ابن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے

باب ششم

مسجد از سرِ نو بنائی۔ سنگ مرمر کا فرش بنوایا۔ دیواروں میں رنگین مرمر لگایا اور رنگ برنگ کے مرمریں پتھروں کے ستون تیار کیے۔ ستونوں کی سردلوں اور کیلی کے پتھروں پر سونا چڑھوایا اور محراب قبلہ پر بھی ہر رنگ مینا کاری کرائی اور جواہرات جڑوا دیے۔ چھت کے شہتیروں پر بھی چھت کے رخ سونے چاندی سے رنگ پھیرا گیا اور اس کے پورے حاشیہ پر سونے کی سیاہ زمین تیار کرا کے کتبہ لکھا گیا جو مسجد کی تمام چار دیواری پر مسلسل چلا جاتا ہے۔

کہتے ہیں اس مسجد پر ملک شام کی پوری دو سال[1] کی مالگزاری خرچ ہوئی۔ مسجد کی چھتیں اوپر سے سیسے کی چادروں کی ہیں مسجد کو جب صاف کرنا چاہتے ہیں تو پانی چھوڑ دیتے ہیں جو تمام فرش پر پھیل جاتا ہے اور خارج کرنے سے پہلے ہر گوشے میں پہنچ جاتا ہے کیونکہ پورا رقبہ بالکل ہموار و مسطح ہے۔ اموّیوں کے عہد میں شام کی مالگزاری ۱۲ لاکھ دینار تھی۔ (ایک نسخے میں ۱۸ لاکھ درج ہے۔ یہ رقوم علی الترتیب ۶ لاکھ اور ۹ لاکھ پونڈ کے برابر ہوئیں) اہل دمشق کی سرکشی اور تمرّدان کے ستارۂ بخت کے باعث ہے جو برج اسد میں ہے کہ جب یہ اوج پر ہوتا ہے تو اس قسم کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اہل دمشق ہمیشہ اپنے حاکموں کے خلاف بغاوت کرتے رہتے ہیں۔ اور طبعاً غدار و بے وفا ہیں سمرقند اور اردبیل، مکہ معظمہ اور پلرمو کے ستارے بھی اسی برج اسد میں رہتے ہیں" (اصطخری ۵۹، ۶۰ - ابن حوقل، ۱۱۴، ۱۱۶ - ابوالفدا نے اسے جزاً نقل کیا ہے۔ ۲۳۰)۔

ادریسی ۱۱۵۴ء میں گھر آئے والے سیاحوں یا کتابوں کے بیان کی بنا پر دمشق اور اس کے وسیع میدان کا نہایت ستائش کے الفاظ میں حال لکھتا ہے (جیسا کہ شروع میں ہم لکھ چکے ہیں)، اس بات کا کوئی

[1]: دوسرے نسخوں میں "پانچ یا سات" سال کا لفظ ہے۔

باب ششم

قرینہ نہیں ہے کہ وہ خود شام میں آیا ہو) اور وہ یہ ہے:-
"دمشق شام کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔ اس کا محل وقوع بہترین، آب و ہوا معتدل ترین، زمین سیراب ترین، میوے گوناگوں تریں اور ترکاریاں سب سے زیادہ افراط کے ساتھ ہوتی ہیں۔ زمین کا زیادہ حصہ ثمر دار اور اس سے بھی زیادہ زرخیز ہے ہر طرف مسطح میدان نظر آتا ہے اور مکانات بہت بلند بنے ہوئے ہیں۔ دمشق میں پہاڑیاں اور کھیت ہیں اور کھیت غوطہ کے میدان میں ہیں۔ غوطہ دو منزل طول اور ایک منزل عرض میں ہے۔ اس کے مزرعے اس شان کے ہیں کہ بجائے خود قصبے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے المزہ، داریا، برزہ، پرستا کو کبا، بلاس، کفر سوسیہ اور بیت الہیا، آخر الذکر میں ایک مسجد قریب قریب جامع دمشق کے برابر بڑی بنی ہوئی ہے۔ شہر کے مغربی دروازے سے وادی بقسج (= بنفشہ) شروع ہوتی ہے جو ۱۲ میل لمبی اور ۳ میل چوڑی ہے اس میں ہر جگہ مختلف قسم کے ثمر دار درخت نصب ہیں۔ اس کے بیچ سے پانچ نالے بہتے ہیں اور ہر ایک کے حلقے میں ہزارہا دو ہزار نفوس کی بستی ہے۔ غوطہ میں بھی اسی طرح ندیاں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گزرتی ہیں اور پانی شاخ در شاخ ہو کے تمام کھیتوں اور باغوں میں، جن کی کثرت ہے، پہنچ جاتا ہے۔ ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں کہ ذہن ان کی اقسام کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ نہ مقابلہ کرنے سے یہاں کی میوہ خیزی اور خوبی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کیونکہ دمشق دنیا بھر میں خدا کی بنائی ہوئی بہترین بستی ہے، غوطہ کی بعض ندیاں عین فیجہ سے نکل کر آتی ہیں، جو سامنے کے پہاڑوں کا ایک چشمہ ہے۔ یہ پانی پہاڑوں کے دامن سے پھوٹ کر ایک بڑے دریا کی طرح بڑے جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھتا ہے جس کا شور آپ دور دور سے سن سکتے ہیں، وہاں سے بہ کر یہ پانی موضع آبیل آتا ہے اور پھر شہر کے قریب پہنچ کر کئی مشہور نہروں میں بٹ جاتا ہے جیسے نہر یزید، نہر توزہ

باب ششم

نہر بردا، نہر قنات المزہ، نہر باناس، نہر سقط، نہر یشکور اور نہر عادیہ۔ دمشق کی ندی کا یہ پانی پینے کے کام میں نہیں آتا کیونکہ اس میں وہ سب موریاں گرتی ہیں جن کے ذریعے شہر کا میل کچیل دھو کر بہا دیتے ہیں اور اسی طرح گاذر خانوں کے نلوں اور نالیوں کا پانی بھی اس میں آ ملتا ہے ندی کی شاخیں سارے شہر میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی بڑی دھار پر ایک پل ہے جس پر سے لوگ آتے جاتے ہیں اور اسی طرح جن نہروں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان پر پل بنے ہوئے ہیں بازار اور منڈیاں ندی کے کنارے کنارے چلی جاتی ہیں اور شہر کے ہر حصے تک اس کا پانی منڈیوں، باغوں، حماموں اور گھروں میں پہنچا دیا گیا ہے۔

دمشق ہی میں وہ جامع مسجد ہے جس کی مثل کوئی عمارت دنیا میں موجود نہیں۔ نہ تناسب کے اعتبار سے اتنی خوبصورت، نہ مضبوطی کے لحاظ سے اتنی پختہ، نہ اتنی مستحکم لداؤ کی، نہ ایسے عجیب نقشے کی، نہ میناکاری، چینی کے چوکوں اور جلا کئے ہوئے مرمر سے ایسی آراستہ پیراستہ۔ یہ شہر کے محلۂ المیزاب میں ہے جو کوئی اس میں باب جیرون کی طرف سے داخل ہو، وہ سنگ مرمر کی نہایت عریض و طویل تیس سیڑھیاں چڑھ کر اندر پہنچتا ہے لیکن باب البرید، الخضرا کے چھتے یا قصر شاہی یا حجر الذہب یا باب الفرادیس سے آئے تو زمین مسطح ہے، سیڑھیاں چڑھنی نہیں پڑتیں۔ مسجد میں عہد ماضی کے بہت سے آثار، جیسے در و دیوار اور گنبد جو مقصورہ کے قریب محراب کے اوپر ہے، موجود ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گنبد صابئین کا تعمیر کردہ ہے کہ وہ یہیں اپنی نمازیں پڑھتے تھے۔ ان سے یونانیوں کے قبضے میں پہنچا جنھوں نے اپنی مذہبی رسوم ادا کیں اور پھر بعض بت پرستوں کے ہاتھ میں آیا تو انھوں نے اسے اپنا بتخانہ بنا لیا۔ ان سے یہودیوں کے قبضے میں منتقل ہوا اور انہی کے زمانے میں حضرت یحییٰ ابن زکریا شہید کئے گئے اور ان کا سر بریدہ مسجد کے پھاٹک پر جسے باب جیرون کہتے ہیں، رکھا گیا۔ یہودیوں سے شہر نصاریٰ نے چھینا

باب ششم

اور ان کے قبضے کے زمانے میں یہ عمارت کنیسہ بنالی گئی جہاں وہ اپنی (نماز) جماعت کرنے لگے۔ سب کے آخر میں اسلام کا دور آیا اور شہر فتح ہوا تو مسلمانوں نے اس عمارت کو اپنی جامع مسجد بنا لیا۔ پھر جب خلیفہ الولید ابن عبدالملک اموی کا عہد آیا تو اس نے مسجد (نئے سرے سے) بنائی۔ سنگ مرمر کا فرش تیار کرایا، کمانوں اور پایوں پر جلا کرائی اور مذہب محراب بنوا کے اس میں مختلف قسم کے جواہرات جڑوا دیئے۔ چھت کے نیچے کنگنی میں کتبہ تحریر کیا گیا جس کے خوبصورت اور کمال ہنرمندی سے لکھے ہوئے حروف ساری مسجد کی چار دیواری کی زیب و زینت ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ اس خلیفہ نے چھتوں کے اوپر سیسے کی تختیاں چڑھوا دیں تھیں جو نہایت پائدار اور مضبوطی سے جڑی ہوئی تھیں۔ مسجد میں پانی سیسے کی موریوں کے ذریعہ آتا تھا اور جب مسجد کو صاف کرنے کی ضرورت ہوتی تو پانی کے نلکے کھول کر سارے صحن کو بھر لیتے اور بہت آسانی سے دھو کر صاف کر لیتے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس خلیفہ (ولید) نے پورے دو سال کی شام کی مالگزاری اس مسجد کی تعمیر و تزئین میں خرچ کی تھی۔

شہر دمشق بھی مسلمانوں کے عہد میں از سر نو بنا ہے پہلے اس کا محل وقوع بھی دوسرا تھا اور جہاں اب دمشق ہے وہاں ایک اور ہی بستی الجابیہ آباد تھی۔ یہ عہد جاہلیت کا ذکر ہے اور دمشق بعد میں اسی الجابیہ کے مقام پر آباد کیا گیا۔ اب شہر کے دروازوں میں سے ایک باب الجابیہ بھی ہے۔ اس کے اندر داخل ہوں تو ۶ میل تک طول اور ۳ میل تک عرض میں وسیع قطعات، اشجار سے معمور ہیں جن میں پانی شاخ در شاخ ہو کے گھومتا ہے اور ہر جگہ مکانات مسکونہ بنے ہوئے ہیں۔ شہر کے دوسرے دروازے باب طوما، باب السلامہ، باب الفرادیس اور آخر میں باب الصغیر ہے۔ باب الفرادیس کے روبرو وہ خانقاہ بنی ہوئی ہے جسے دیر مران کہتے ہیں۔

باب ششم

دمشق میں ہر قسم کی اچھی چیزیں مہیا ہیں۔ بازاروں میں ہر صنعت کے کاریگر اور نادر سے نادر اشیاء، ہمہ قسم کے ریشم و زربفت کے سوداگر ہیں کہ اس کثرت سے دوسری کسی جگہ نہیں ہیں۔ یہاں جو چیزیں بنتی ہیں وہ جہازوں یا قافلوں کے ذریعے اطراف و اکناف عالم کے ہر بڑے شہر میں دستاور جاتی ہیں۔ دمشقی زربفت کی ساخت حیرت انگیز صنعت ہے۔ یہ کسیقدر بہترین یونانی زربفت سے ملتی ہے اور ایران کے دستواسے مشابہ ہوتی ہے۔ اصفہان کے ساختہ پارچہ کا مقابلہ کرتی ہے اور کچھ ریشم کے سادہ تانے کی خوبی کے اعتبار سے نیشاپور کی کمخواب سے بہتر مانی جاتی ہے۔ مصریوں کے بہترین پارچہ سے جو طنس سے آتا ہے، دمشقی کام بہتر ہے اور یہاں کے لیس و کلابتون کا نہایت قیمتی اور خوبصورت مصنوعات میں شمار ہے۔ آپ ان کا مثل نہیں ڈھونڈ سکتے نہ مقابلہ میں ایسی کوئی دوسری چیز پیش کر سکتے ہیں۔

شہر کے اندر ندی پر بہت سی پن چکیاں ہیں، جن میں نہایت عمدہ قسم کا آٹا پستا ہے۔ طرح طرح کے میوے ملتے ہیں جن کا شیرینی میں جواب نہیں مل سکتا۔ ان کی کثرت و خوبی، ان کا رسیلا پن اور ذائقہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اہل دمشق کے پاس وسائل معاش اور ضروریات زندگی کی افراط ہے۔ شہر کے کاریگر دور دور شہرت رکھتے ہیں اور یہاں کی اشیاء دنیا بھر کی منڈیوں میں شوق سے خریدی جاتی ہیں بحالیکہ خود شہر، شام کے سب سے دلاویز شہروں میں ہے اور خوبصورتی و خوشنمائی میں کامل ہے۔" (اوریسی ۱۲-۱۵)

علی ہروی اپنی ۱۱۷۳ء کی تصنیف میں دمشق کے قابل دید مقامات میں جبل قاسیون[1]

[1]:- دمشق کے شمال کی پہاڑیوں کا یہ نام "قاسیون" "مونس کاسیوس" کی بگڑی ہوئی صورت بتایا جاتا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ قدیم (یونانی و لاطینی) جغرافیوں میں تو دمشق کے قریب اس نام "کاسیوس" کی پہاڑی کا کہیں نام نہیں ملتا۔

باب ششم

کے قریب کی اس پہاڑی (ربوہ) کا ذکر کرتا ہے جہاں حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام رہا کرتے تھے۔ نیز وہ "کہف الدمؑ" جس میں قابیل نے ہابیل کا خون گرایا؛ اس تمام بیان کو یاقوت نے (جیسا کہ آگے آتا ہے) نقل کر دیا ہے۔ دمشق کے جنوب میں ایک مقام مشہد الاقدم میں ایک مقدس نقش پا دکھایا جاتا ہے اور اسی کے قریب مزار موسیٰ علیہ السلام ہے جامع دمشق کے صحن میں وہ چھوٹی سی عمارت جسے "بیت المال"، کہتے ہیں علی ہروی کے وقت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی قبر کہی جاتی تھی۔ (ملاحظہ ہو نسخۂ اوکسفورڈ ورق ۱۶ و ۴۴)۔

۱۱۸۴ء میں اندلسی عرب ابن جبیر دمشق کی سیاحت کو آیا۔ اس نے اپنے سفر نامہ کا ایک بڑا حصہ اس شہر کے عجائبات کی نذر کیا ہے جنھیں اپنے قیام کے زمانے میں اس نے باقاعدہ جا کے دیکھا تھا۔ ان کی تعداد اور کیفیت لکھنے میں اس نے وہی لفاظی اور انشا پردازی صرف کی ہے جو اس زمانے کے تصنع پسند مصنفین کی خصوصیت ہو گئی تھی۔ اس کے سفر نامے کے ان حصوں کا پورا ترجمہ کرنا تکلیف دہ اور بہت طویل ہو جائیگا چنانچہ ذیل کے اقتباس میں ہم نے اصل عبارت کے تکلفات اور لفاظیوں کو چھوڑ کر صرف مطالب کو لے لیا ہے مگر امید ہے کہ اس تصرف سے کوئی قابل ذکر بات چھوٹنے نہیں پائے گی اور بیجا طوالت بھی نہ ہوگی؛ وہ کاروان جس میں ابن جبیر ۲۴ ربیع الثانی ۵۸۰ھ مطابق جولائی ۱۱۸۴ء کو دمشق پہنچا، مقام دارالحدیث میں ٹھیرا جو جامع مسجد کے مغرب میں واقع تھا۔ شہر کے دلکشا باغ، عمدہ آب و ہوا اور اسی قسم کے دوسرے اسباب کی ضمن میں جن کے باعث دمشق "عروس البلاد" کہلانے کا مستحق قرار پایا، ابن جبیر لکھتا ہے کہ مشرق کی طرف سرسبز و پر فضا میدان غوطہ پھیلا ہوا ہے جس کے گرد کی تمام سرزمین جنت کی پوری شان رکھتی ہے؛ جامع دمشق کی کیفیت اس نے ذیل کے الفاظ میں تحریر کی ہے:-

باب ششم

"جامع دمشق کے عجائبات میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ کوئی مکڑی اس میں جالا نہیں تنتی اور کوئی پرند ابابیل کی قسم کا اس میں نہیں آتا۔ مسجد کی بنا خلیفہ الولید نے ڈالی اور یونان کے بادشاہ سے استدعا کی کہ وہاں کے بارہ ہزار کاریگر بھیجدیئے جائیں۔ اسی کے ساتھ دھمکی بھی دی تھی کہ دیر لگائی تو سزا پائے گا۔ لیکن شاہ یونان نے اس فرمائش کو انکسار و تواضع کے ساتھ پورا کیا اور ادھر سے اُدھر کئی سفارتیں آئیں گئیں جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ تب خلیفہ نے تعمیر شروع کی اور اسے تکمیل کو پہنچایا۔ اس کی تمام دیواروں پر مینا کاری کی گئی جسے "الفسیفسا" کہتے ہیں۔ اسی کے سلسلے میں انھوں نے طرح طرح کی رنگین تصاویر و نقوش سے دیواروں کو آراستہ کیا مثلاً ایسے درخت جن کی شاخیں لہلہا رہی ہیں باقاعدہ اور مسلسل نقش کی شکل میں بنائے ہیں۔ رنگین بیلیں جو ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی دکھائی ہیں۔ ان کے اندر عجیب و غریب اشیا اور مناظر کے مرقع ہیں جنھیں دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس چمک دمک اور تجمل پر نگاہ نہیں ٹھیرتی اور عجب نہیں کہ بہت سے لوگ آنکھیں چھپا لیتے ہوں۔ ابن المغلی الاسدی نے تعمیر مسجد کی کیفیت جس کتاب میں لکھی ہے، اس کی رو سے تعمیر کا خرچ چار سو صندوق ہوا۔ ہر صندوق میں ۲۸ ہزار دینار ہوتے ہیں۔ گویا کل خرچ ایک کرور بارہ لاکھ دینار ہوا[1]

اسی تعمیر کے سلسلے میں خلیفہ الولید نے قدیم مسجد کا وہ قطعہ بھی جو نصاریٰ کے پاس تھا لے لیا اور دونوں کو ملا کر یہ مسجد بنائی۔ کیونکہ واضح ہو کہ پہلے اسکے برابر کے دو حصے تھے۔ ایک یعنی مشرقی نصف تو مسلمانوں کے پاس تھا اور دوسرا یعنی مغربی حصہ نصاریٰ کے قبضے میں تھا۔ اس کا سبب یہ کہ

[1]:- یعنی ۴۵ لاکھ پونڈ سے کچھ اوپر۔ یہ رقم یقیناً خیالی ہے اور قلمی نسخوں میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

باب ششم

ابو عبیدہؓ ابن الجراح شہر میں (محاصرے کے بعد) مغرب کی طرف داخل ہوئے اور قدیم کنیسہ کے مغربی قطعے میں پہنچ چکے تھے جب کہ نصاریٰ نے ہتیار ڈال دیئے اور صلح کر لی۔ برخلاف اس کے خالدؓ ابن ولید نے شہر کا مشرقی حصہ یورش کر کے فتح کیا اور اس طرف سے کنیسہ کی مشرقی دیوار تک پہنچ گئے۔ اس طرح کنیسہ کا مشرقی حصہ بروے فتح مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور انھوں نے اس سے مسجد کا کام لیا لیکن مغربی نصف جہاں کہ قبول اطاعت کے عہد و پیمان ہوئے تھے، نصاریٰ ہی کے پاس رہا یہاں تک کہ الولید کے زمانے میں اسے بھی خلیفہ نے لے لیا۔ وہ اس کی بجائے دوسرا کنیسہ انھیں دینے پر آمادہ تھا لیکن مسیحیوں نے قبول نہ کیا اور خلیفہ کے اس فعل پر نکتہ چینی کی اور اسے مجبور کیا کہ جبراً یہ عمارت چھین لے۔ چنانچہ اس کا انہدام خلیفہ نے اپنے ہاتھوں سے شروع کیا۔ سنا ہے یہ مشہور تھا کہ جو اس کنیسہ کو ڈھائیگا وہ پاگل ہو جائے گا۔ لیکن الولید نے ایک نہ مانی اور چلایا کہ "اچھا، میں پاگل ہی ہو جاؤں۔ ہاں! خدا کے کام میں پاگل ہی ہو جاؤں!" اور کمال عجلت سے اپنے ہاتھ سے دیواریں توڑنی شروع کر دیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان مدد کو دوڑے اور تھوڑی ہی دیر میں ساری عمارت منہدم کر دی گئی۔ ایک مدت بعد جب عمر ابن عبدالعزیز کا دور آیا تو نصاریٰ نے خلیفہ کی خدمت میں عرضی دی اور وہ عہد نامہ جو ان کے پاس تھا پیش کیا جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا تھا کہ کنیسہ کا مغربی حصہ کلیتاً نصاریٰ کے ہاتھ میں رہے گا۔ عمر ابن عبدالعزیز آمادہ ہو گئے کہ مسجد کو واپس نصاریٰ کے حوالے کر دیں لیکن مسلمانوں نے بالاتفاق روکا آخر خلیفہ نے ایک رقم کثیر اس کے معاوضہ میں نصاریٰ کو دی کہ وہ خوشی سے مسجد کو مسلمانوں کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ اور وہ یہ روپے لے کر خوش خوش واپس ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر سب سے پہلے قبلے کی دیوار جس نے بنائی وہ حضرت ہود علیہ السلام تھے۔

باب ششم

کم سے کم ابن المغلی کی روایت یہی ہے۔ محدث سفیان الثوری کی سند سے بیان کیا گیا ہے کہ اس مسجد میں ایک بار نماز ادا کرنا، ثواب میں دوسری جگہ کی تیس ہزار نمازوں کے مساوی ہے ؛

اب ہم مسجد کا طول و عرض اس کے دروازوں اور دریچوں وغیرہ کا شمار لکھنا شروع کرتے ہیں۔ یہ شرقاً غرباً طول میں دو سو قدم (خطوہ) ہے جو تین سو درع کے برابر ہوا۔ اور عرض محراب قبلہ سے لے کے (شمالی دیوار کے) وسط تک ۱۳۵ قدم یعنی دو سو درع ہے۔ اس کا رقبہ مغربی مرجع[1] کی رو سے ۲۴ مرجع ہے اور یہی مسجد نبوی (علی صاحبہا صلواۃ) کی پیمائش ہے۔ بجز اس فرق کے کہ وہاں طول، جامع دمشق کے برخلاف، شمالاً جنوباً ہے ؛ اندر کے بغلی دالانوں کی چوڑائی ۱۰ قدم (ہر قدم ½ ادع کا محسوب کیا گیا ہے) اور ہر دالان کے ستونوں کی تعداد ۶۸ ہے۔ ان میں سے ۴۵ سنگین، آٹھ چونے کے اور دو سنگ مرمر کے باہر کے رخ ہیں جہاں سے صحن شروع ہوتا ہے۔ رہے باقی چار، یہ بہترین سنگ مرمر کے ہیں جن پر ایسے قیمتی نگوں کے نقش و نگار تیار کرائے ہیں کہ ان میں سے ہر نگ کو انگوٹھی میں جڑنے کا لالچ پیدا ہوتا ہے۔ بعض محرابیں اور بڑی سے بڑی کمانوں کے اندر کی عمارتوں کو بھی کمال خوبصورتی کے ساتھ منقش و مزین کیا ہے اور ان میں بہت ہی عمدہ تناسب رکھا ہے۔ مثلاً سیسے کے گنبد اور صدر محراب کے اوپر والے گنبد میں ان کے نیچے کے پائے ۱۶، ۱۶ بالشت (= شبر) چوڑے اور ۲۰، ۲۰ بالشت وتر میں ہیں اور ان پایوں کے درمیان ۱۷ قدم لمبی اور ۱۳ قدم چوڑی جگہ

---

[1] :- تمام اندلس اور مغربی ممالک میں زمین کی پیمائش اسی مرجع کے ذریعے ہوتی تھی اور وہ تقریباً سات* مرغ گز (کھیت) رقبے کے برابر ہوتا تھا ؛

* اس میں مصنف انگریزی کا سہو معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر ایک مرجع سات کی بجائے سات سو (۷۰۰) مربع گز کا ہوتا تھا ورنہ اوپر کی عبارت سے اس پیمائش کی کوئی مناسبت اور مطابقت نہ ہوگی ؛ مترجم

باب ششم

چھٹی ہوئی ہے۔ ہر پائے کا مجموعۂ اضلاع ۷۲ بالشت ہے ہو

صحن کے تینوں طرف بغلی دالان (بلاط) بنے ہوئے ہیں۔ مشرق، مغرب اور شمال کی جانب ہر دالان کی چوڑائی ۱۰ قدم اور ستونوں کا شمار ۴۷ ہے اور ان میں چودہ پر محمد لا اور باقی خالی رکھے ہیں۔ صحن کا عرض، جنوب و شمال کے مسقف قطعات کو چھوڑ کر ایک سو قدم ہے۔ مسجد کی تمام چھتیں اوپر سے سیسے کی چادروں سے ڈھکی ہوئی ہیں اور مسجد بھر میں سب سے شاندار قابل دید چیز وہ سیسے کا گنبد (قبۃ الرصاص) ہے جو عمارت کی وسطی محراب کے اوپر بنایا ہے۔ اس کی چھتری بہت اونچی اٹھی ہوئی اور حیرت انگیز محیط کی ہے۔ اس کے نیچے کا کمانچہ محراب سے صحن تک وسیع ہے۔ اس کے ادھر ادھر اور دو گنبد ملے ہوئے ہیں لیکن قبۃ الرصاص سب سے بلند اور الگ خاموش کھڑا نظر آتا اور قریب آنے والے پر عجیب اثر ڈالتا ہے۔ لوگوں نے پوری عمارت کو اڑتے ہوئے نسر (= عقاب) سے تشبیہ دی ہے اور چھتری کو اس کا سر، اور بغلی دالانوں کو اس کے پر اور وسطی دالان کو جو گنبد کے نیچے ہے، اس کا سینہ قرار دیا ہے۔ اس وسطی دالان کا صحن تک عرض ۳۰ قدم ہے اور مسجد کے اس حصے کو مذکورہ مشابہت کی بنا پر لوگ اکثر النسر کے نام سے یاد کرتے ہیں جس رُخ سے شہر دمشق میں آئیے، آپ کو یہ گنبد سب سے بلند اور گویا ہوا میں معلق نظر آئے گا۔ مسجد شہر کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ اس میں جلادار و رنگین شیشوں کے دریچے (شمسیہ) چوہتر ہیں۔ سیسے کے گنبد کے نیچے کی طرف جو اندرونی گنبد بنا ہوا ہے اس میں دس دریچے اور محراب کے برابر والے گنبد اور متصلہ دیوار میں چودہ اسی قسم کی کھڑکیاں ہیں اسی طرح محراب کے دائیں بائیں جانب پوری دیوار میں ۴۴ اور صحن کی دیوار سے ملے ہوئے گنبد میں ۶ اور صحن کے رخ

۱:۔ یہ گنبد کلاں آج کے دن بھی قبۃ النسر کے نام سے مشہور ہے۔

کی دیوار کی پشت کی جانب ۴۷ دریچے ہیں[۱]۔

مسجد میں تین مقصورے (یعنی کٹہرے سے محدود کئے ہوئے حصے) ہیں مقصورۂ صحابہؓ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) تاریخ اسلام کا سب سے پہلا مقصورہ تھا جسے امیر معاویہؓ نے بنوایا۔ محراب کے مقابل اور قبلہ رو کھڑے ہوں تو دائیں ہاتھ پر باب الحدید (= آہنی دروازہ) ہے جس سے گزر کے امیر معاویہؓ محراب قبلہ تک آیا کرتے تھے۔ دائیں طرف محراب کے سامنے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصلّٰی کی جگہ ہے اور مقصورہ کے عقب میں حضرت معاویہؓ کی جگہ تھی جہاں آج کل مس گروں کا بڑا بازار مسجد کی قبلہ رخ دیوار سے ملا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس بازار سے زیادہ خوبصورت اور طویل و عریض تر بازار دوسرا نہ ہوگا۔ اس بازار کے عقب میں قریب ہی دار الخیل اسی قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے لیکن آج کل اسے کرایہ پر دے دیا ہے اور اسی جگہ پارچہ باف کام کرتے ہیں۔

مسجد میں صحابہؓ کا مقصورہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا، ۴۴ بالشت لمبا اور چوڑائی میں اس کا نصف ہے۔ اس کے نزدیک ہی جانب مغرب مسجد کے وسط میں مقصورۂ جدید ہے جو اس وقت بنایا گیا جب کہ کنیسہ کی عمارت مسجد میں شامل کی گئی جس کا ہم اوپر حال بیان کر چکے ہیں جمعے کے خطبے کا منبر اور نماز جماعت کے پیش امام کی محراب یہیں ہے محراب صحابیؓ ابتداءً اس حصۂ مسجد کے وسط میں تھی جو گرجا کے شامل ہونے سے قبل مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا اور مسجد و کنیسہ کے درمیان میں ایک دیوار کھینچ دی گئی تھی۔ بعد میں کنیسہ کو مسجد میں لیا گیا تو موجودہ محراب اسی دیوار کی جگہ قائم کی گئی اور جدید مقصورہ بھی یہیں تعمیر ہوا۔ اس طرح یہ جدید مقصورہ اور محراب تو اب مسجد کے وسط میں آگئے لیکن مقصورہ

[۱]: - اس طرح کل تعداد ۴۷ کی بجائے ۱۲۱ ہوتی ہے لیکن قرینہ کہتا ہے کہ ان آخری ۴۷ کو مسجد میں شامل اور شمار نہیں کیا۔

باب ششم

صحابیؓ، ایک طرف مشرقی گوشے میں رہ گیا۔ جدید مقصورہ صحابیؓ کے مقصورہ سے وسعت میں بھی زیادہ ہے اور مغرب کی طرف آگے بڑھ کے ایک اور مقصورہ بھی بنا دیا گیا ہے جس کا رخ دیوار کی جانب ہے۔ اسے "الحنفیہ" موسوم کرتے ہیں، اور حنفی فرقے کے لوگ درس کے لیے یہاں جمع ہوتے ہیں اور یہیں ان کی جماعت ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل ایک زاویہ چوبی جالی سے گھرا ہوا بنایا ہے کہ وہ بھی ایک چھوٹا سا مقصورہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی کے جواب میں مشرق میں ایک زاویہ مقصورہ سے مشابہ ہے جسے سلطنت کے کسی ترکی امیر نے نماز کے لیئے تیار کرایا تھا۔ یہ مشرقی دیوار سے قریب ہی واقع ہے۔ مسجد میں اس قسم کے اور بھی بہت سے زاویئے جا بجا بنے ہوئے ہیں جن میں طلبہ بیٹھ کر قرآن شریف کی کتابت کرتے ہیں۔ یا درس، یا مخصوص جلسوں کا ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح طلبہ کو اس مسجد میں جو فوائد حاصل ہیں، انہی میں ایک ان زاویوں کا ہونا ہے۔

مسجد کے صدر دالان کی جو دیوار صحن کی طرف ہے اور جس کے ہر طرف بغلی دالان بنے ہوئے ہیں، اس میں صحن کے جنوب کی طرف، ۲۰ دروازے ایک دوسرے سے ملے ہوئے بنائے ہیں۔ ان کے بالائی حصوں پر چونے سے ابھرے ہوئے نقش و نگار ہیں اور اسی وضع کا کام دریچوں میں کیا ہے۔ ان دروازوں کی مسلسل قطار دیکھنے والے کو بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، رہے وہ بغلی دالان جو صحن کے باقی تین جانب (یعنی مشرق مغرب اور شمال) میں ہیں تو یہ سب ستونوں پر قائم ہیں اور ان پر کمانیں بنا کے پھر چھوٹے چھوٹے ستونوں پر کمانوں کو اتارا ہے اور عمارت کی یہی وضع تمام صحن کے گرد چلی گئی ہے۔ غرض یہ صحن مسجد نفیس ترین منظر پیش کرتا ہے۔ شہر والوں کا ہر وقت یہاں مجمع رہتا ہے کیونکہ وہ آپس میں یہاں ایک دوسرے سے ملتے اور شام کے وقت لطف صحبت اٹھاتے ہیں۔ آپ انھیں ادھر سے ادھر باب جیرون

باب ششم

سے باب البرید تک برابر آتے جاتے بات چیت کرتے اور چلتے پھرتے دیکھیں گے۔

مسجد کے تین مینار ہیں۔ ایک (جنوب) مغربی سمت میں بلند برج کی مثل بنا ہوا ہے۔ اس کی وسیع عمارت کئی حجروں میں منقسم ہے۔ یہ مقفل رہتے ہیں کیونکہ اس مینار میں مغربی (تارک الدنیا) درویشوں کی سکونت ہے۔ اس کے سب سے اوپر کے حجرے میں ابو حامد الغزالی معتکف رہے ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ اور آج کل ابو عبداللہ زاہد رہتے ہیں۔ دوسرا مینار (جنوب) مشرقی[1] پہلو پر ہے اور سابق الذکر کی مثل ہے۔ تیسرا مینار شمال میں باب الناطفیین کے اوپر اٹھا ہوا ہے۔ صحن میں تین گنبد بھی ہیں جنمیں مغربی سمت کا گنبد سب سے بڑا ہے۔ یہ سنگ مرمر کے آٹھ ستونوں پر گرجے کی طرح بنایا گیا ہے اور طرح طرح کے خوشرنگ پتھروں اور مینا کاری سے ایسا سجایا ہے کہ باغ کا پھول معلوم ہوتا ہے۔ اس کے اوپر سیسے کا گنبد ایک بڑے تنور کی وضع کا بنایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابتدا میں یہ مسجد کا بیت المال تھا کیونکہ واضح رہے کہ مسجد کے قبضے میں بڑی دولت ہے بہت سی مختلف پیداوار کی اراضی ہیں۔ اور ان کا لگان جیسا کہ مجھ سے کہا گیا، آٹھ ہزار شامی دینار (= ۴ ہزار پونڈ) سالانہ کے قریب ہوتا ہے جو مومنیہ دینار میں کم و بیش ۱۵ ہزار کے برابر ہوا۔ دوسرا گنبد چھوٹا اور صحن مسجد کے وسط میں ہے۔ اسے اندر سے خلا چھوڑ کے ہشت پہلو تعمیر کیا ہے اور سنگ مرمر کی ڈالیں حیرت انگیز خوبی کے ساتھ ایک دوسرے میں بٹھائی ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے چار ستونوں کے اوپر قائم ہے اور نیچے لوہے کی جالی بنا دی ہے جس کے بیچ میں تانبے کا فوارہ اس طرح پانی اوپر اچھالتا ہے کہ ایک چاندی کے عصا کی صورت بن جاتی ہے۔ لوگ عام طور پر اس کے پہلو پہ منہ لگا کے پانی پی لیتے ہیں

[1] قلمی نسخے میں سہواً "مغربی" لکھا ہے۔

یہ نہایت خوبصورت چیز ہے اور اسے "قفص الماء" کہتے ہیں؛ تیسرا گنبد مشرقی سمت میں، مغربی گنبد کی وضع کا ہے۔ لیکن اس سے چھوٹا ہے؛

صحن کے شمالی جانب ایک چھتے سے ایک دوسری مسجد میں راستہ جاتا ہے کہ اس مسجد کے وسط میں بھی کھلا ہوا صحن ہے۔ اسی میں سنگ مرمر کا ایک بڑا حوض بنا ہے جس میں ہمیشہ پانی رواں رہتا ہے۔ سنگ مرمر کا ایک ہشت پہل طاس وسط حوض میں منقش ستونوں پر قائم کیا ہے اور حوض سے پانی اسی طاس میں آتا ہے۔ اس مسجد کا نام الکلاسہ ہے[1]۔ (جامع کبیر کے صحن کے مشرقی پہلو سے ایک اور چھتہ اس مسجد میں لے جاتا ہے جو حسن و خوبی میں نظیر نہیں رکھتی اور نہایت شاندار پیمانے پر اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ شیعہ لوگ اسے حضرت علیؓ کی درگاہ (= یا مشہد) بتاتے ہیں۔ مگر یہ ان کی مخترعات میں سب سے عجیب جھوٹ ہے؛

یہاں کے عجیب افسانوں میں سے ایک وہ ہے جو صحن مسجد کے مغربی حصے کے ایک زاویے کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ وہ کونا جہاں شمالی دالان مغربی دالان سے آکر ملتا ہے، اس میں ایک زاویہ نقاب سے مستور رہتا ہے اور اس کے سامنے بھی پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نشست گاہ ہے جہاں وہ بیٹھ کر حدیث سنا کرتی تھیں۔ اس طرح حضرت علیؓ کی مثل حضرت عائشہؓ کے آثار بھی دمشق میں آپ کو مل جائیں گے! اب سیدنا

---

[1]: کلاسہ اصل میں مسجد کے شمال میں ایک چونے کی بھٹی یا گھڑیا کا گڑھا تھا جس میں عمارت کے لیے چونا پھونکا جاتا تھا۔ ۵۵۵ھ (= ۱۱۶۰ء) میں سلطان نورالدین زنگی نے اس جگہ ایک مدرسہ بنایا اور اسے الکلاسہ ہی موسوم کر دیا۔ مگر ۵۷۰ھ (۱۱۷۴ء) میں مسجد کے مینار مأذنۃ العروس کے ساتھ جو اس کے قریب ہی تھا، یہ عمارت بھی جل گئی اور پھر اسے صلاح الدینؒ نے بنوایا اور خود بھی اسی عمارت کے شمال کی جانب دفن ہوا جہاں اس کا مقبرہ ابھی تک سلامت ہے؛ ملاحظہ ہو "سلطانز ملوکس" دوم ۲۸۷؛

باب ششم

حضرت علیؓ سے اس قسم کی نسبت دینا تو ممکن ہے کسی حد تک جائز بھی ہو کیونکہ کہا جاتا ہے کہ کسی نے خواب میں آنحضرتؐ کو خاص اس مقام پر نماز پڑھتے دیکھا تھا جہاں شیعہ فرقے کے لوگوں نے مذکورۂ بالا درگاہ بنا دی ہے، لیکن وہ زاویہ جو حضرت صدیقہؓ سے منسوب کرتے ہیں اس کی کوئی سند نہیں ہو سکتی اور میں نے ان باتوں کو محض اس لیے نقل کر دیا کہ جامع دمشق کے حالات میں یہ زبان زد عام روایات بھی داخل ہیں۔ القصہ مسجد کلاسہ واقع ہیں اندر اور باہر سے نہایت خوبصورت مسجد ہے اور اس طرز سے جس کا پہلے ذکر ہوا یہاں سونے کا مینا کیا ہوا ہے اس کی چھت تین گنبدوں کی ہے جو برابر برابر بنے ہوئے ہیں۔ محراب قبلہ اوپر سے نیچے تک مذہّب اور ایسی خوشنما بنائی ہے کہ اسلامی دنیا کے نوادر میں اس کا شمار ہے۔ مسجد کے وسطی حصے کی دیوار میں اور بھی کئی چھوٹی محرابیں ہیں ان کو چھوٹے چھوٹے ستونوں کے گرد چنا ہے اور ان ستونوں میں ایسے بل بنائے ہیں کہ گویا کسی پیچ میں رکھ کر کھینچ دیا ہے غرض ان سے بڑھ کر خوبصورت و خوشنما چیز دوسری نہ ہوگی ان میں بعض سرخ، مرجان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ باقی محراب قبلہ، مسجد کے گنبد اور نیز دریچوں کی جو مذہّب ہیں، شہرت، بیان اور توصیف سے مستغنی ہے۔

لیکن اب پھر مسجد جامع کی طرف آیئے صدر محراب کے سامنے جدید مقصورے کے مشرقی گوشے میں ایک بڑا سا خانہ بنا ہوا ہے اور اس کے اندر حضرت عثمانؓ کے نقل کرائے ہوئے قرآن کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ یہ وہی نسخہ ہے جو آنحضرتؐ کی شہادت کے موقع پر امیر معاویہؓ کو شام بھیجا گیا تھا۔ روزانہ نماز کے وقت یہ خانہ کھول دیا جاتا ہے اور لوگ اس نسخۂ قرآن شریف کو چھو کر یا دیکھکر برکت حاصل کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اسی غرض سے یہاں آتے ہیں۔

جامع دمشق کے چار دروازے ہیں۔ جنوبی دروازہ

باب ششم

باب الزیادہ[1] موسوم ہے۔ اس سے ایک وسیع و فراخ ایوان میں جو عالیشان ستونوں پر قائم ہے راستہ جاتا ہے اس کے اندر تسبیح فروشوں اور اسی قسم کے تاجروں کی دکانیں ہیں۔ اور یہ قابل دید عمارت ہے۔ یہاں سے آپ دار الخیل میں پہنچتے ہیں اور دروازے سے نکل کر بائیں کو مس گروں کا بازار پڑتا ہے۔ قدیم زمانے میں یہی حضرت معاویہؓ کا محل الخضرا تھا۔ مسجد کا مشرقی دروازہ سب سے بڑا اور باب جیرون کہلاتا ہے۔ مغربی دروازے کا نام باب البرید شمالی کا باب الناطفیین (= حلوائیوں کا دروازہ) ہے۔ ان دروازوں کے مشرق، مغرب اور شمال میں فراخ ایوان (یا لنگر خانے) ہیں اور ہر ایک سے ان چھتوں میں راستہ نکلتا ہے جو قدیم زمانے میں کنیسہ میں جانے کا راستہ تھے۔ اور یہ ایوان یا بڑے کھرے اب تک سلامت ہیں۔ ان میں سب سے خوبصورت ایوان وہ ہے جو باب جیرون (یا مسجد کے مشرقی دروازے) سے ملا ہوا ہے۔ دروازے سے نکلو تو ایک طویل و عریض کمانچہ ملتا ہے جس میں پانچ محرابیں، ۶ بلند ستونوں پر قائم ہیں۔ بائیں ہاتھ کو ایک وسیع اور خوشنما کمان مشہد حسینؓ کی بنی ہوئی ہے جہاں امام ممدوح کا سر بریدہ قاہرہ لے جانے سے قبل رکھا رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی مسجد خلیفہ عمر ابن عبد العزیز سے منسوب ہے۔ مشہد حسینؓ کے اندر آب روان بھی موجود ہے۔ باب جیرون کے پیش کمانچے میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن سے اتر کر آپ ایک کھرے میں پہنچتے ہیں جو ایک بڑی خندق کی مثل ہے اور جس سے ایک دوسری ڈیوڑھی میں راستہ جاتا ہے۔ اس ڈیوڑھی کی کرسی بہت بلند اور پہلو بغیر دیوار کے ہیں۔ لیکن دیواروں کی بجائے اس میں ہر طرف تاڑ کے برابر اونچے اونچے اور پہاڑوں کی مانند مضبوط ستون بنے ہوئے ہیں۔ اس

[1] آج کل اس کا محل وقوع دوسرا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۲۷۸) کو

باب ششم

ایوان کے دونوں جانب سائبان ہیں جن میں عطر فروش اور اسی قسم کے تاجروں کی دکانوں کی قطار ہے اور آگے بڑھئے تو دکانوں اور کرائے کے حجروں کی ایک دوسری قطار ہے جہاں سے ڈیوڑھی کا بڑا ایوان گویا نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ ان سب کے اوپر ہر طرف کھلی ہوئی چھتیں ہیں جن پر دکانوں یا حجروں کے رہنے والے (گرمیوں میں) رات کو جا کے سوتے ہیں۔ ایوان کے وسط میں ایک بڑا حوض ہے جس کا کنارہ سنگِ مرمر کا بنایا ہے اور عین اس کے اوپر سنگِ مرمر کے ستونوں پر ایک گنبد قائم کیا ہے۔ لیکن یہ گنبد اوپر سے کھلا ہوا ہے اور اس کے گرد سیسے کی ایک چوڑی پٹی چلی گئی ہے۔ گنبد کے نیچے حوض میں پیتل کا ایک فوارہ بڑے زور سے آدمی کے قد کے برابر اونچا پانی اچھالتا ہے۔ اسکے گرد چھوٹے چھوٹے کئی فوارے اور بھی ہیں جن سے پانی اچھلتا رہتا ہے اور یہ سب مل کر ایک چاندی کے درخت کی خوبصورت شاخیں معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔

باب جیرون کے باہر دائیں طرف پیش کمانچے کی دیوار میں ایک غلام گردش بنائی ہے جس کی صورت ایک محراب دار مسقف کی سی ہے اور اس کے گرد پیتل کی کمانیں ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے دروازے تعداد میں دن کے گھنٹوں کے برابر رکھے ہیں۔ جس وقت ایک گھنٹہ گزرتا ہے تو ایک کل کے چلانے سے دو پیتل کے گولے نیچے گرتے ہیں۔ یہ گولے دو پیتل کے ڈھلے ہوئے بازوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو دو برجی پیالوں پر استادہ بنائے گئے ہیں ایک باز پہلے دروازے کے نیچے قائم ہے اور دوسرے کی جگہ آخری دروازہ کے نیچے ہے جن پیالوں کے اوپر یہ باز کھڑے ہیں، ان میں سوراخ بنے ہوئے ہیں اور گولا گرتے ہی ان سوراخوں کے ذریعے غلام گردش کی دیوار میں آجاتا ہے۔ جس وقت گولا منہ میں ہو تو باز گردن بڑھائے اور آگے کو جھکے ہوئے رہتے ہیں اور اس پھرتی سے گولا اگلتے ہیں کہ آدمی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے اور اسے جادو کا کرشمہ

باب ششم

سمجھتا ہے۔ پیالوں میں گولے گرنے سے گھنٹہ بجنے کی طرح ٹھنا کا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ایک دروازے کے جو اس گزرنے والے گھنٹے سے متعلق تھا، برنجی کواڑ بھی بند ہو جاتے ہیں۔ دن کے ہر گھنٹے کے ساتھ یہی ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا دن گزرنے کے ساتھ سب دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور اسی کے ساتھ وہ کل اپنی پہلی حالت پر آجاتی ہے۔ رات کے گھنٹوں کے واسطے ان کے پاس ایک دوسری کل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بڑی کمان کی محراب میں، جو مذکورۂ بالا پیتل کی سب کمانوں کے اوپر بنی ہوئی ہے، پیتل کے بارہ گول روشندان بنا دیے ہیں اور ہر روشندان پر شیشے کی تختی جڑی ہوئی ہے یہ ان برنجی دروازوں کے جو دن کا گھنٹہ بتاتے ہیں، عقب میں ہیں۔ اور ہر شیشے کی تختی کے پیچھے ایک فانوس ہے جس میں اتنا پانی رہتا ہے جو ایک گھنٹے تک بھرا رہے جس وقت گھنٹا پورا ہو جاتا ہے تو چراغ کی بتی نیچے اترتے اترتے شیشے پر روشنی ڈالتی ہے اور شعاعیں چھن کر روشندان سے باہر آتی ہیں اور وہ گول منفذ ایک سرخ دائرہ نظر آنے لگتا ہے۔ نوبت بہ نوبت ہر روشندان کا شیشہ اسی طرح سرخ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رات کے تمام گھنٹے گزر جانے پر سارے دائرے سرخ روشنی سے روشن دکھائی دینے لگتے ہیں۔ (مسجد کے خدام میں) گیارہ کاریگر اسی غلام گردش کے لیے مقرر ہیں جن کا کام یہ ہے کہ ان کلوں کو ٹھیک اور برنجی کواڑوں کے کھلنے اور گولوں کے دوبارہ اپنی جگہ آجانے کا خیال رکھیں۔ اس کل کو یہاں کے لوگ "میکانیہ"[ا] کہتے ہیں۔

مسجد کے غربی دروازے (= باب البرید) کے روبرو جو لنگر خانہ ہے اس میں سبزی فروش اور عطر فروشوں کی دکانیں ہیں اور اسی کے اندر

ا۔ یہ لفظ ٹھیک پڑھا نہیں جاتا لیکن غالباً یونانی لفظ "ما کانے" (یہ منین یا کل) کی مسخ شدہ عربی صورت ہے۔

باب ششم

ایک منڈی ہیں پھول بکتے ہیں۔ شمال میں اس کے سرے پر ایک بڑا پھاٹک ہے جس پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھنا پڑتا ہے اور پھاٹک کے ستون میناروں کی طرح بلند ہیں۔ سیڑھیوں کے نیچے دائیں بائیں دو مدوّر حوض ہیں اور ہر ایک حوض میں پانچ پانچ ٹوٹیوں سے پانی نکل کے سنگ مرمر کی ایک کشتی میں گرتا رہتا ہے۔ شمالی دروازے (= باب الناطفیئین) سے ملے ہوئے ایوان میں چبوترہ دے کے ایک حجرہ یا زاویہ بنایا ہے اور اس کے گرد کٹہرہ ہے۔ یہ مکتب کے استادوں کے رہنے کے کام آتا ہے۔ ایوان سے باہر نکلتے میں دائیں طرف صوفیوں کے واسطے ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے اور اس کے وسط میں چھوٹا سا حوض ہے لوگوں کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کا محل یہی خانقاہ تھی لیکن اس بارے میں ہم آگے چل کے گفتگو کریں گے۔ خانقاہ کے حوض میں آب رواں موجود ہے اور اس مکان میں بیوت الخلا کے اندر بھی بہتے پانی کا انتظام کیا ہے۔ باب البرید کے باہر دائیں ہاتھ پہ مدرسہ شوافع کی عمارت ہے اور اس کے وسط میں بھی حوض اور پیخانوں میں اسی طرح آب رواں کا انتظام ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ صحن مسجد میں جن گنبدوں کا پہلے ذکر ہوا ان کے درمیان دو مینار کچھ فاصلے سے بنائے ہیں، اور ان کے اوپر کانی وزنی پیتل کی بہت خوبصورت جالی لگائی ہے۔ ماہ شعبان کی چودھویں رات کو ان کے اندر چراغ جلاتے ہیں اور جھلملیوں سے ان کی روشنی دونوں طرف عقد ثریا کا نظارہ دکھاتی ہے۔ اس رات لوگوں کا یہاں اتنا مجمع ہوتا ہے کہ رمضان کی آخری شب کو بھی اتنا نہیں ہوتا۔

مسجد کے چار طرف ایک ایک حوض ہے اور ہر حوض ایک بڑے محل کی مثل بنایا گیا ہے جس کے گرد بیوت الخلا ہیں اور ان میں آب رواں موجود ہے۔ صحن کی لمبائی میں بھی ایک پتھر کا حوض ہے جس کے طول میں (کنارے کنارے) بہت سی ٹوٹیاں (وضو کے لئے) لگی ہوئی ہیں۔ مذکورۂ بالا

باب ششم

حوضوں میں سے ایک حوض باب جیرون کے ایوان میں ہے اور یہ چاروں میں سب سے بڑا ہے۔ اور اس کے گرد تیس سے بھی زیادہ طہارت خانے ہیں۔ اس حوض کے علاوہ دو بڑے بڑے چرَ ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا محیط ۴۰ بالشت کے قریب ہے اور دونوں میں پانی کی ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ دوسرا بڑا حوض باب الناطفیین کے ایوان میں مدرسۂ شوافع کے سامنے ہے۔ تیسرا حوض باب البرید سے باہر جاتے میں بائیں ہاتھ کو ملتا ہے اور چوتھا باب الزیادہ کے باہر دائیں طرف۔ یہ سب مسافروں کے لیے نہایت کارآمد ہیں۔ شہر کے دوسرے حصّوں میں بھی، ہر گلی کوچے میں پانی کے حوض لوگوں کی سہولت کے لیئے بنے ہوئے ہیں تو دمشق کے آثار و مشاہد میں ایک مشہور درگاہ "ستر یحییٰؑ ابن زکریاؑ" کی بھی ہے۔ یہ سر مسجد کے جنوبی دالان میں، جو مقصورۂ صحابیؓ کے دائیں گوشے کے سامنے ہے مدفون ہے۔ اس مقام کے اوپر ادھر اُدھر ستون دے کے ایک چوبی کشتی دھری ہے اور اوپر ایک بلوّری فانوس، ہانڈی کے ڈھکنے کی طرح مدوّر و مجوّف لٹکا ہوا ہے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ بلوّر عراق کا ہے یا صور کا یا شاید اور کسی جگہ کا ہو۔

دمشق کے متبرک مقامات میں مولد ابراہیم علیہ السلام بھی ہے اسے جبل قاسیون کے پہلو کے گاؤں برزہ میں بتاتے ہیں۔ جو بہت عمدہ موضع ہے اور خود یہ پہاڑ ہمیشہ سے متبرک ہے کہ جتنے پیغمبر (یہاں) ہوئے سب نے اس پر چڑھ کر دعا کی ہے۔ یہ پہاڑ شہر کے شمال میں تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ مولد ابراہیمؑ ایک تنگ و طویل غار ہے اور اس پر لوگوں نے ایک مسجد اور بلند مینار تعمیر کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم اس غار میں سے ستارے اور چاند اور سورج دیکھا کرتے تھے جیسا کہ قرآن شریف (سورۂ انعام - ۷۶ تا ۷۸ آیہ) میں مذکور ہے۔ اس مقام پر ستر ہزار انبیاء (علیہم السلام) کی قبریں ہیں اور ہر طرف قبرستان

باب ششم

پھیلا ہوا ہے جبل قاسیون میں اور اسی مولد ابراہیمؑ کے مغرب کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلے سے ایک غار "کہف الدم" کہلاتا ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے اوپر پہاڑ میں ہابیل کا خون نظر آتا ہے جسے اسکے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔ خون کا یہ نشان آدھے پہاڑ تک ایک سُرخ لکیر کی شکل میں چلا آتا ہے اور پہاڑ کے دامن میں ایک پک ڈنڈی کی مثل دکھائی دیتا ہے۔ یہاں بھی ایک مسجد ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قابیل بھائی کی تلاش میں اسے قتل کرنے کے لیے چلا اور بعد میں اس کی لاش اس غار میں اٹھا کے لایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، لوط اور ایوب (علیہم السلام) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب نے نماز ادا کی۔ اس مقام کے اوپر اب ایک نفیس مسجد تعمیر کرا دی گئی ہے جس پر سیڑھیوں سے چڑھ کر پہنچتے ہیں۔ یہ غلام گردش کی مانند ہے اور اسکے گرد جعفری لگی ہوئی ہے آنے والوں کے ٹھیرنے کے لیئے اندر حجرے ہیں۔ اسے اور نیز غار کو ہر جمعرات کے دن روشن کرتے اور کھولتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور غار حضرت آدم سے منسوب ہے اور یہاں بھی ایک عمارت بنا دی ہے۔ ایک اور غار پہاڑ کے نیچے "کہف القحط" کہلاتا ہے کہ (حسب روایت عام) اس جگہ ستر پیغمبر بھوک سے ہلاک ہوئے۔ کہتے ہیں صرف ایک روٹی ان کے پاس تھی اور وہ اسے ایک دوسرے کو دیتے رہے اور خود کسی نے نہ کھائی۔ اس جگہ بھی ایک مسجد بنا دی گئی ہے۔

پہاڑ کی چوٹی پر اور شہر کے مغرب میں تمام باغوں سے اوپر وہ پہاڑی (ربوہ) ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ وہاں رہتی تھیں یہ بہت ہی دلکش مقام ہے اور ایک قصر بلند سے ملتا ہے جس پر آپ سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں حضرت مریمؑ کے رہنے کی جگہ ایک چھوٹا غار، حجرے کی مانند ہے۔ اسی کے سامنے حضرت خضرؑ کی نماز کا مقام بتاتے ہیں یہاں چھوٹے چھوٹے آہنی کواڑ لگا دیئے ہیں اور مسجد اور نہایت خوشنما حوض بنا ہوا ہے جس کا پانی نیچے گرتا ہے (مسجد کی) دیوار میں پن چکی لگی ہے اور پانی اس پہ بہ کر نیچے سنگ مرمر

باب ششم

کے ایک خوبصورت طاس میں آتا ہے۔ عقب میں بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں جن میں بہتا ہوا پانی موجود ہے۔ یہ پہاڑی ان باغوں کے اوپر واقع ہے جنکا ہم نے پہلے ذکر کیا اور اس کا پانی شاخ در شاخ ہو کے انہی باغوں سے گزرتا ہے۔ پانی کی سات شاخوں میں سب سے بڑی نورا کہلاتی ہے یہ پہاڑی کے بالائی حصے سے چلتی ہے اور سخت چٹان کو کاٹ کاٹ کر اسنے سرنگ کی مثل اپنی گزرگاہ بنالی ہے۔ ایک اچھا پیراک اوپر غوطہ لگا کے (پانی کے اندر ہی اندر) پہاڑی کے نیچے تک پیرتا ہوا آسکتا ہے لیکن ایسا کرنا بہت خطرناک ہے۔ پہاڑی کے نیچے کے جن باغوں کا ہم نے ذکر کیا وہ شہر کے مغرب میں ہیں اور بہت نظر فریب ہیں۔ شہر کے اسی (مغربی) طرف ایک قبرستان ہے جس میں بہت سے صحابی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دوسرے نامی گرامی لوگ آسودہ ہیں۔ حضرت علیؓ سے جو مشہد منسوب ہے وہ یہیں ہے۔

خلفائے بنی امیہ کی قبور، شہر کے دروازے باب الصغیر کے سامنے بتائی جاتی ہیں، جو مذکورۂ بالا قبرستان سے متصل ہیں، ان کے اوپر ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ جس میں مسافر و سیاح آکر اترتے ہیں۔ مشہور آثار میں مسجد الاقدام (= نقوش پا کی مسجد) بھی داخل ہے۔ یہ شہر سے دو میل کے فاصلے پر جانب جنوب حجاز و مصر کی شارع عام کے برابر واقع ہے اس مسجد کے ایک چھوٹے سے حجرے میں یہ کتبہ کندہ ہے کہ کسی صحابیؓ نے یہاں خواب میں حضور انور (صلعم) کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت موسیٰ کے بھائی کی قبر ہے۔ اس مقام سے وہ سرخ ریت کا ٹیلہ کچھ دور نہیں ہے جو سڑک کے کنارے موضع غالیہ اور غویلیہ کے مابین ہے اور جس کی نسبت مشہور ہے کہ مذکورۂ بالا قبر کے اس متبرک مقام سے روشنی کبھی زائل نہیں ہوتی نور ہے پاؤں کے نشانات تو یہ سڑک کے پتھروں پر نقش ہیں اور ایک ایک پتھر پر ایک ایک نشان پایا جاتا ہے اور اس کی جگہ بتانے کے لیے جھنڈی لگا دی ہے۔ ان نقوش پا کی تعداد نو ہے اور انھیں حضرت

باب ششم

موسیٰ علیہ السلام کے نقوش پا کہا جاتا ہے۔ ولکن اللہ اعلم بالصواب ؛

شہر دمشق کے دروازے آٹھ ہیں :- (۱) مشرقی دروازہ 'باب شرقی' جس کے برابر وہ سفید مینار یا برج ہے جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں فتح و کامرانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے تو اسی برج پر نزول فرمائیں گے کیونکہ بروایت صحیح ان کا دمشق کے مشرق میں سفید برج سے ظاہر ہونا مقرر ہے (۲) باب شرقی کے بعد باب طوما شہر کے اسی مشرقی حصے میں ہے (۳) باب السلامہ اس کے بعد ہے (۴) باب الفرادیس شمال کی طرف ہے اور اس کے بعد (۵) باب الفرج آتا ہے (۶) باب النصر مغرب کے رخ ہے اور اسی طرف (۷) باب الجابیہ ہے (۸) باب الصغیر جنوب مغرب میں کھلتا ہے ؛ دمشق کی جامع کبیر شہر کے کسی قدر شمالی حصے میں واقع ہے۔ اردگرد مختلف محلے دور تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ بجز شمال اور جنوب کے، کہ ان سمتوں میں مکانات تھوڑے رقبے میں ہیں ؛ شہر لمبوتری صورت کا ہے۔ اس کے بازار تنگ اور تاریک ہیں بہت سے گھر مٹی اور پھونس کے بنے ہوئے ہیں اور ایک کے اوپر دوسری منزل بنی ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہاں آگ بہت تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ سب مکان تین منزل کے ہیں اور آبادی کی کثرت کے باعث ایسا کرنا پڑا ہے کیونکہ دمشق میں گویا تین شہروں کی آبادی بھری ہوئی ہے۔ اور یہ دنیا کا سب سے آباد شہر ہے۔ اس کی خوشنمائی سب ظاہری ہے، باطنی نہیں ہے ؛ شہر میں یونانیوں کا ایک بڑا گرجا ہے جس کی وہ بہت حرمت کرتے ہیں یہ کنیسۂ مریمؑ کہلاتا ہے اور سوائے بیت المقدس کے گرجا کے اور کوئی کنیسہ ان کی نظر میں اس دمشق کے کنیسۂ مریمؑ سے زیادہ محترم نہیں ہے۔ یہ بہت اچھی عمارت ہے اور اس میں بہت سی نادر تصویریں ہیں۔ عمارت یونانیوں کے قبضہ میں ہے اور انھیں کوئی نہیں چھیڑتا ؛

دمشق میں تقریباً بیس مدرسے (= کالج) اور ایک نیا اور ایک پرانا دو ہسپتال ہیں، ان میں نیا شفاخانہ زیادہ وسیع اور بہتر بنا ہوا ہے۔ اس کے

باب ششم

وقف کی آمدنی تقریباً پندرہ دینار (۷½ پونڈ) یومیہ ہے۔ بیماروں کو دیکھنے کے لیئے اطباء مقرر ہیں اور غذا و دوا کے سرکاری طور پر بہم پہنچانے کا انتظام ہے۔ پرانے شفاخانہ کا بھی اسی قسم کا انتظام ہے لیکن نئے میں زیادہ لوگ جاتے ہیں۔ پرانا شفاخانہ مسجد (کبیر) کے مغرب میں واقع ہے۔ دمشق کا مدرسۂ نورالدین رحمہ اللہ تعالیٰ دنیا کی بہترین درسگاہوں میں ہے، یہیں بانی کی قبر ہے نورہ اللہ تعالیٰ۔ یہ ایک شاندار محل ہے، یہاں پانی کی نہر جاری ہے جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا ہے۔ شہر میں صوفیہ کی بھی متعدد خانقاہیں ہیں ان میں سب سے بڑی جسے ہم نے دیکھا القصر ہے جو بہت بلند و خوشنما بنی ہوئی ہے۔ دمشق میں ایک قلعہ ہے جو شہر کے کو تعمیر علاقے میں سب مکانات سے علیحدہ واقع ہے اور یہاں سلطان رہتا ہے یہ شہر کے باب الفرج کے بالمقابل اور قریب ہی ہے اور اس کے اندر مسجد سلطانی بنی ہوئی ہے۔ قلعے کے قریب یعنی شہر کے باہر مغرب کی طرف گھڑ ڈور کے دو میدان ہیں جو اپنی سرسبزی اور خوبی کے باعث ریشم کے کھلے ہوئے تھان معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں سلطان آ کے چوگان (السوالجہ) کھیلا کرتا ہے اور گھوڑے دوڑاتا ہے اور اس کو دیکھنے سے زیادہ پرلطف سیر مشکل سے کوئی ہوگی۔ ہر شام سلطان کے فرزند بھی تیر چلانے گھوڑے دوڑانے اور چوگان کھیلنے یہاں آتے ہیں۔ دمشق اور مضافات میں حماموں کی تعداد بھی سو کے قریب ہوگی۔ اور چالیس مکان طہارت کے لیئے مخصوص ہیں جن میں بہتے پانی کا انتظام ہے۔ مختصر یہ کہ مسافر کے لیے اس قدر آرام دہ کوئی دوسرا شہر نہیں جس قدر دمشق ہے۔

دمشق کی منڈیاں حسن انتظام اور خوبی میں دنیا کی بہترین منڈیاں ہیں خاص کر قیساریات[۱] جو مسافر خانوں کی طرح بہت اونچی بنائی جاتی ہیں اور

[۱]:- قیساریہ سوداگروں کے بازار یا کاروان سرائے کی طرح، گودام خانوں کے معنی میں بولتے تھے یہ یونانی لفظ "کیزاریہ" سے لیا گیا ہے کہ اس کے معنی بھی منڈی کے ہو گئے تھے یہ عربی لفظ اہی ملکوں

باب ششم

قلعوں کی مثل ان کے دروازے لوہے کے ہوتے ہیں۔ ہر قیساریہ دوسروں سے علیحدہ ہوتی ہے اور رات کے وقت بند کر دی جاتی ہے۔ دمشق میں ایک اور بازار بڑی منڈی کہلاتا ہے اور "سیدھے بازار" کے ساتھ ساتھ باب الجابیہ سے باب الشرقی تک چلا گیا ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا مکان نماز و عبادت کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کیونکہ اس کے جنوبی حصے میں ایک پتھر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو اسی پتھر کے اوپر رکھ کر توڑا جو آنحضرتؑ کا باپ منڈی میں بیچنے کے واسطے لایا تھا۔ "عمرؒ" ابن عبدالعزیز کا محل آج کل صوفیوں کی خانقاہ بن گیا ہے، یہ بڑی مسجد کے شمالی دروازے یعنی باب الناطفیین کے ایوان یا لنگر خانے کے قریب واقع ہے۔ عمرؒ ابن عبدالعزیز نے زمین کو خرید کر یہ مکان بنوایا اور حکم دیا تھا کہ مجھے وہیں دفن کیا جائے اور وہاں لوگ نماز و فاتحہ پڑھیں۔

اب جامع کبیر کے بڑے گنبد کا، جو مسجد کے وسط میں سیدھا اور سب سے اونچا بنا ہوا ہے، حال سنئے۔ بیرونی اور اندرونی گنبد کا، جو کلاں ترگنبد کے اندر اس طرح رکھا ہے جیسے گولے کے اندر گولا ہوتا ہے، مسجد ہی کے اندر سے اوپر جانے کا راستہ ہے۔ میں اس پر کئی دوستوں کے ساتھ، ۱۸ جمادی الاول دوشنبہ کی صبح کو چڑھا۔ صحن کے گرد کے مغربی دالان کے ایک زینے کے ذریعے ہم چھت کے اوپر پہنچے۔ اس جگہ پہلے زمانے میں ایک برج بنا ہوا تھا مگر اب زینہ لگا دیا ہے۔ مسجد کی چھت چپٹی اور سیسے کی بڑی بڑی چادروں سے جیسا کہ پہلے بیان ہوا، پٹی ہوئی ہے۔ ہر چادر چار بالشت لمبی اور ۳ بالشت چوڑی ہے۔ سطح چھتوں کو طے کر کے ہم گنبد کے قریب پہنچے اور وہاں بھی چوبی زینہ لگا ہوا دیکھا۔ اس سے جب ہم اوپر چڑھے تو قریب قریب ہر شخص کو چکر آ گیا۔ گنبد کے باہر کے رُخ جو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- میں استعمال ہوتا تھا جو پہلے بائی زنطہ کے ماتحت تھے، جیسے مصر و شام یا مراکش، ورنہ آگے مشرقی ممالک جیسے عراق یا ایران میں یہ لفظ نہیں بولا جاتا تھا۔

باب ششم

چھجا بنا ہوا ہے وہ سیسے کا ہے اور اس کی چوڑائی ۶ بالشت سے زیادہ نہیں ہم اس پر کھڑے نہ رہ سکے کہ گرنے کا خوف ہوتا تھا بلکہ جلدی سے گنبد کے اندر گھس گئے اور ایک سلاخدار کھڑکی سے جو سیسا چڑھے پہلو کے اندر کھولی گئی ہے، داخل ہوئے۔ اندر ایک عجیب منظر ہمارے سامنے تھا۔ اندر کے گنبد میں بڑے بڑے شہتیروں پر تختے جڑے ہوئے ہیں جن کے اوپر سے ہم گزرے۔ اسی چھت میں دو دریچے اندر کے رخ کھول دیئے ہیں جن میں سے نیچے مسجد کی محراب و منبر وغیرہ نظر آتے ہیں، اور نیچے کے لوگ ایسے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں جیسے بچے۔ گنبد بالکل کرے کی مثل گول ہے اور اس کا ڈھانچہ لکڑی کے تختوں سے تیار کیا ہے جس کے پہلو میں لوہے کی پٹیوں سے کڑیاں جڑ کر مضبوطی کر دی ہے۔ یہ پہلو گولائی لیئے ہوئے بنائے ہیں کہ چوٹی پر ان کی کڑیاں ایک دائرے کی صورت میں ایک دوسرے سے آ ملتی ہیں۔ چھتری کا زیرین حصہ جو مسجد کے اندر سے نظر آتا ہے اس میں چوبی تختے جڑ کے نقش و نگار بنائے ہیں ان سب پر بہت ہی دلفریب جلا کی ہے اور پھر طرح طرح کے رنگ اور منبت کاری سے زیب و زینت بڑھائی ہے۔ ان چوبی تختوں کا طول ۶ بالشت اور عرض ۴ بالشت سے کم نہ ہوگا لیکن نیچے سے دیکھئے تو نقطوں کی طرح چمکتے ہیں اور بلندی اور دوری کے باعث مشکل سے ایک دو بالشت کے نظر آتے ہیں۔ اس چھوٹے اور اندرونی گنبد کے اوپر، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، بڑا سیسے کا گنبد چڑھا ہوا ہے۔ اس کو بھی بڑی بڑی چوبی کمانیوں سے جو لوہے کی پٹیوں سے جڑی ہوئی ہیں مضبوط کیا ہے۔ کمانیوں کی تعداد ۴۸ اور ایک دوسرے سے فاصلہ ۴ بالشت رکھا ہے اور پوری ترتیب قابل دید ہے۔ کمانیاں اوپر جا کے ایک چوبی دائرے میں جڑ جاتی ہیں اور اس بیرونی گنبد کا محیط ۸۰ قدم یعنی ۲۶۰ بالشت ہے۔ یہ دونوں گنبدوں کے نیچے وہ بغلی دالان نکالا ہے جس کو الفسر کہتے ہیں اور جو مقصورہ تک پھیلا ہوا ہے اس حصے کے نیچے ایک اور چھت بنا کے استرکاری کر دی ہے اور اس چھت میں بہت سے

شہتیر لگائے ہیں اور اسے نیچے کی کمانوں پر قائم کیا ہے۔ گنبد کے پائے دیواروں کے اندر تک آ گئے ہیں اور ان دیواروں میں جو زبردست چوکے لگائے ہیں ان میں سے ہر ایک کا وزن ایک قنطار (= تقریباً ۴ من) سے کم نہ ہوگا کہ انھیں ہاتھی جنبش نہیں دے سکتے۔ سب سے حیرت کے قابل بات یہ ہے کہ انھیں صرف انسانی قوت سے اس قدر بلندی پر کیونکر پہنچایا گیا جہاں وہ اب لگے ہوئے ہیں۔ بڑے دہرے گنبد کی بنیاد گول اور بڑی بڑی چٹانوں سے تیار کی ہے جن کے اوپر چوڑے چوڑے مستطیل ستون اٹھائے ہیں اور یہ بھی بڑے بڑے، بہت ہی سخت قسم کے پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ ہر دو ستون کے درمیان کھڑکی چھوڑی ہے اور اس طرح گنبد کے نیچے بھی پورے دَور میں کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔ نیچے سے دیکھنے والے کو یہ دہرا گنبد ایک ہی نظر آتا ہے کیونکہ زیرین گنبد اوپر والے کے نیچے ہے اور سیسے کی چھت صرف بالائی گنبد کے اوپر بنائی ہے۔ اس مقام کے عجائبات سے ایک یہ بات بھی ہے کہ ہمیں ان گنبدوں میں کہیں مکڑی نظر نہیں آئی اور لوگ کہتے ہیں کہ ان میں ہوتی ہی نہیں۔ علیٰ ہذا ابابیل کی قسم کا کوئی جانور مسجد میں نہیں داخل ہوتا۔ مجموعی طور پر جامع دمشق کا یہ گنبد دنیا میں سب سے زیادہ شاندار ہے۔ بجز اس کے کہ ممکن ہے کہ بیت المقدس کے قبۃ الصخرہ سے دوسرے درجے پر ہو جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے خوبصورت گنبد ہے۔ (ابن جبیر۔ ۲۶۲ تا ۲۹۷) افسوس ہے کہ ابن جبیر نے بیت المقدس کی سیاحت نہیں کی۔

یاقوت نے ۱۲۲۵ء میں اپنی جغرافی قاموس بزرگ میں دمشق کے حالات کے لیے کئی صفحے وقف کئے ہیں۔ خاص دمشق کے عنوان کے علاوہ، جہاں کہیں حروف تہجی کی ترتیب کے حساب سے دمشق کے کسی دروازے، یا مسجد یا اور کسی مشہور مقام کا نام آجاتا ہے، وہاں وہ اس کے متعلق علیحدہ کچھ نہ کچھ تحریر کر دیتا ہے اور اس طرح اس ضخیم

باب ششم

کتاب میں صدہا عنوانات کے تحت میں دمشق کے متعلق حالات منتشر ہیں۔ انکا زیادہ حصہ قدیم ترجغرافیہ نویسوں کی تحریروں سے نقل کیا گیا ہے لیکن جو کچھ نیا مواد ملتا ہے۔ اس کو ہم آئندہ صفحات میں یکجا کئے دیتے ہیں۔ یاقوت لکھتا ہے کہ:۔

"دمس کس" جسے دِمشق یا دِمَشق کہتے ہیں، شام کا صدر مقام اور کرۂ ارض کا باغ ہے۔ بعض لوگ اس کی وجہ تسمیہ "دمشقوا" بتاتے ہیں جس کے معنی ہیں کہ "انھوں نے جلدی کی" (شہر کو بنانے میں) شعر کی زبان میں اسے بعض اوقات "جلِق" بھی کہا گیا ہے، جو بعض کے نزدیک غوطہ کے سب پرگنوں کا مجموعی نام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ غوطہ کے کسی ایک گانوں کا نام ہے جہاں ایک عورت کا بت نصب تھا اور اس سے پانی جاری رہتا تھا۔ لیکن آخری ایک قول یہ بھی ہے کہ خود شہر دمشق کا نام "جلِق" تھا۔" (یاقوت۔ دوم ۱۰۴؛ مراصد، اول، ۲۶۱)۔

"دمشق کی بنا سام ابن نوح کے پروتے قانی کے بیٹے دمشق نے یا ایک روایت کے بموجب بیوتاسف نے ڈالی تھی۔ یہ سنہ آفرینش ۳۱۴۵ کے آخری حصے کا واقعہ ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے؛ غرض، دمشق کی بنا کے پانچ سال بعد حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلواۃ والسلام پیدا ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دمشق کو جیرون ابن سعد ابن عاد نے جو سام کا پوتا تھا، آباد کیا اور ارم ذات العمود اس کا نام رکھا۔ حضرت ھود پیغمبرؑ اس شہر میں رہے اور انھوں نے جامع مسجد کی جنوبی دیوار بنائی؛ ایک اور روایت یہ ہے کہ دمشق کی بنا العذر نے ڈالی جو حضرت ابراہیمؑ کے نوکر تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دمشق، فلسطین، ایلیا، حمص اور الاردن یہ پانچوں ارم ابن سام ابن نوح کے بیٹوں کے نام تھے؛

کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ بیت انات اور حضرت حوّا بیت لحیا میں سکونت رکھتی تھیں۔ ہابیل اور اس کے ریوڑ مقرا میں اور قابیل اپنے کھیتوں میں بمقام قینہ رہتا تھا۔ یہ سب مواضع دمشق کی نواح میں ہیں۔

باب ششم

جامع مسجد میں اس جگہ جہاں آج کل باب الساعۃ کی عمارت ہے، ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ قابیل و ہابیل اس پر اپنے چڑھاوے لا کے رکھتے تھے۔ اور جو نذر (خدا کے ہاں) مقبول ہوتی اسے ایک آگ آسمان سے ظاہر ہو کے جلا دیتی لیکن قبول نہ ہوتی تو وہ چیز یونہی پڑی رہ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ہابیل اپنے ریوڑ کا موٹا دُنبہ لایا اور اسے پتھر پر رکھ دیا۔ آگ ظاہر ہوئی اور اسے جلا دیا۔ اس کے بعد قابیل آیا اور اپنی کھیتی کے گیہوں لا کے پتھر کے اوپر رکھے لیکن وہ قبول نہ ہوئے اور یونہی دھرے رہ گئے۔ اسی پر قابیل کو بھائی سے حسد ہوا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے ان پہاڑیوں تک آیا جو میدان دمشق کے گرد چھائی ہوئی ہیں اور آج کل جبل قاسیون کہلاتی ہیں۔ وہ بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن نہیں جانتا تھا کہ یہ کام کس طرح انجام دے۔ تب ابلیس اس کے سامنے آیا اور پتھر اٹھا کے اپنے سر پر مارنے لگا۔ جب قابیل نے یہ دیکھا تو اس نے بھی پتھر اٹھا کے ہابیل کے سر پر مارا اور اس طرح جبل قاسیون پر اسے قتل کر دیا۔ خود میں (= یاقوت) نے اس مقام پر ایک پتھر دیکھا جس پر خون کا سا نشان تھا اور اہل شام کا بیان ہے کہ اسی پتھر سے قابیل نے ہابیل کو مارا اور یہ سُرخ نشان اسی مقتول کے خون کا ہے۔ اس پتھر کے سامنے ایک غار زیارت کے قابل ہے۔ اسے کہف الدم اسی لیئے کہتے ہیں اور میں جبل قاسیون کی ڈھلان پر اس جگہ کئی مرتبہ جا چکا ہوں۔ بعض لوگوں کے نزدیک دمشق حضرت نوحؑ کا مقام سکونت تھا اور انھوں نے اپنی کشتی جبل لبنان کی لکڑی سے تیار کی۔ نیز یہ کہ وہ بقاع کے ضلع میں اس مقام سے کشتی میں بیٹھے جسے عین الجر کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ غوطۂ دمشق کے ایک گاؤں برزہ میں جو جبل قاسیون کی حدود میں ہے، پیدا ہوئے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام دمشق کے مشرقی منارہ سفید پر (قیامت کے قریب) نزول فرمائیں گے جو بڑی مسجد کے باب الشرقی کے قریب بنا ہوا ہے۔

باب ششم

دمشق میں آب رسانی کا بے مثل انتظام کیا ہے اور عام حوض اور نلوں کی کثرت ہے شہر پناہ کے باہر جو محلے یا مضافات آباد ہیں وہ وسعت میں خود شہر کے برابر ہیں۔ دمشق (مسلمانوں کے ہاتھ سے) ۱۴ھ کے ماہ رجب میں فتح ہوا۔ حضرت خالدؓ نے حملہ کر کے مشرقی دروازہ چھین لیا اور اندر داخل اور حضرت ابو عبیدہؓ سے شہر کے اندر ملاقی ہوئے جو اہل شہر سے اطاعت کا عہد لے کے دوسرے سپہ سالاروں کے ہمراہ شہر کے تین مغربی دروازوں سے اندر آ گئے تھے۔ دمشق کی مسجد فی الواقع دنیا کی سب سے خوبصورت عمارت ہے اسے خلیفہ ولید ابن عبد الملک نے تعمیر کیا جو مسجدیں بنانے کا بہت شوق رکھتا تھا۔ ۸۶ھ یا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں ۸۸ھ میں تعمیر کا آغاز ہوا۔ اسی وقت جب ولید نے یہ ارادہ کیا تھا اس نے دمشق کے نصاریٰ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ ہم تمہارے گرجا یعنی کنیسہ یوحنا کو لے کر مسجد کی توسیع کرنی چاہتے ہیں اور اس کے عوض میں جہاں کہو تمہیں گرجا بنا دیں گے اور یا جو کچھ زمین کی قیمت ہو اس سے دگنی ہم تمہیں ادا کر دیں گے۔ لیکن عیسائیوں نے نہ مانا اور خالد ابن ولید کا عہدنامہ لے کر آئے اور ان کے قول و قرار (یاد دلائے) اور کہنے لگے کہ یقین جانیئے ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی اس کنیسہ کو توڑے گا تو وہ گھٹ کر مر جائے گا۔ اس پر خلیفہ نے چلا کے کہا "اچھا تو پہلا آدمی جو اسے توڑے گا میں ہوں۔" پھر اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس زرد گنبد کو جس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا توڑنا شروع کیا اور گرد و پیش کے مسلمانوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس طرح خلیفہ نے حسب منشا مسجد میں توسیع کر لی اور عمارت کے لیے اس کثرت سے سامان جمع کیا کہ اس سب سے کام لینا بھی دشوار تھا۔ اور اس طرح زر نقد کا خرچ ہلکا ہو گیا۔ مسجد کے چار دروازے بنوائے: مشرق میں باب جیرون۔ مغرب میں باب البرید۔ جنوب میں باب الزیادہ اور اس کے عین مقابل میں باب الناطفیین۔ اور باب الفرادیس جنوبی پہلو کے پچھلے حصے میں تھا۔

غیث ابن علی الامنازی روایت کرتا ہے کہ الولید نے لوگوں کو

باب ششم

حکم دیا کہ خندق میں اصلی عمارت کی قدیم نیو ڈھونڈیں۔ اور جب اسے کھودا جارہا تھا تو ایک پختہ دیوار ملی جو خندق کی طرف اور اس کے برابر بنی ہوئی تھی لوگوں نے الولید کو اس کی خبر کی اور اس دیوار کے استحکام کا حال کہا اور اجازت لی کہ اسی پر عمارت اٹھائیں۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں اس کی اجازت صرف اسی صورت میں دے سکتا ہوں کہ ان دیواروں کی مضبوطی اور پختگی کا مجھے پورا اطمینان ہو جائے۔ اور اس دیوار کی مضبوطی کا یقین اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ تم اوپر سے کھودتے ہوئے چوے تک پہنچ جاؤ۔ اور اگر وہاں بھی وہ ایسی ہی پختہ نکلے تو میں اس کے اوپر عمارت بنانے پر رضامند ہوں ورنہ اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔" تب وہ دیوار کے سامنے کے رخ سے کھودتے رہے انھیں نیچے ایک دروازہ ملا جس پر ایک سنگ سماق کی لوح تھی اور اس پر کتبہ کندہ تھا۔ اسے پڑھوانے کی کوشش کی گئی تا آنکہ ایک شخص نے انھیں بتایا کہ وہ یونانی زبان کی تحریر ہے۔ پھر اس تحریر کے جو معنی بتائے گئے وہ حسب ذیل ہیں:-

"آئندہ کے نشان ظاہر کئے جا چکے ہیں اور ضروری ہے کہ ہر چیز پھر نئی ہو جائے جیسا کہ ان لوگوں تک سے پیش گوئی کر دی گئی ہے جو سن رسیدہ اور کہر خمیدہ ہو چکے ہیں۔ پھر جب دنیا دوبارہ جوان ہو جائے گی۔ اور خالق مخلوقات کی عبادت کا یہاں اہتمام ہوگا اور جب گھوڑوں کا چاہنے والا حکم دے کہ خود اس کے سکون سے اس ہیکل کی تعمیر کی جائے۔ اور یہ بات اہل استوان کے زمانے کے سات ہزار نو سو برس گزرنے کے بعد واقع ہوگی اور اگر بنانے والا اس میں داخل ہونے کے لیے زندہ رہے تو یہ عمارت اس کا بہترین کارنامہ مانی جائے گی۔ پس سلامتی ہو تم سب پر!"

واضح ہو کہ اہل استوان قدیم فلاسفہ کا ایک فرقہ تھا جو گزشتہ زمانے میں شہر بعلبک میں رہتے تھے۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ الولید نے (مسجد کی) تعمیر پر اپنی سلطنت کی سات سال کی مالگزاری خرچ کی۔ اور جب ان اخراجات کا حساب

باب ششم

دس اونٹوں کی پیٹھ پر لاد کر اس کے حضور میں لائے تو اس نے حکم دیا کہ ان سب (کتابوں) کو جلا دیا جائے اور ایک نظر بھی ان پر ڈالنی پسند نہ کی اور یہ کہا کہ "ہم نے یہ سب رقوم خدا کے واسطے لگائی ہیں۔ اور یقین جانو کہ ہم اس کا کوئی حساب نہیں لینگے" مسجد کے عجائبات میں سے ایک یہ بات بھی بیان کی جا سکتی ہے کہ اگر سو برس تک کوئی شخص یہاں رہے اور روزانہ جو کچھ دیکھا ہے اس پر غور کرے تو اسے ہر روز کوئی نہ کوئی چیز ایسی نظر آئے گی جو اس سے پہلے نظر سے نہ گزری تھی یعنی حسن صنعت یا آرائش و زیبائش کی کوئی چیز جو اس کثرت سے یہاں فراہم کی گئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ تعمیر کے زمانے میں ۶ ہزار دینار (= ۳ ہزار پونڈ) کی تو صرف گو بھی یہاں کے کاریگروں نے کھالی اور جب ایک مرتبہ لوگوں نے دبی زبان سے خلیفہ کے اس قدر روپیہ خرچ کیے جانے پر حرف گیری شروع کی کہ وہ ایسے کام پر بے دریغ مسلمانوں کا روپیہ اٹھا رہا ہے جو اتنے خرچ کے قابل نہیں ہے تو خلیفہ مسجد کے منبر پر چڑھا اور لوگوں کو یہ خطبہ دیا کہ "مجھے خبر ملی ہے کہ تم ایسی ایسی باتیں کہتے ہو۔ اب تم سنو کہ بالتحقیق تمہارے بیت المال میں ایک رقم کثیر اٹھارہ سال کی مالگزاری کے برابر دھری ہے۔ جس میں تم نے ایک حبہ بھی (بطور محصول) نہیں دیا ہے" تب لوگ خاموش ہو گئے اور پھر انھوں نے کوئی قیل و قال نہیں کی۔ کہتے ہیں تعمیر کا کام نو برس میں ختم ہوا اور اس عرصے میں ۷ ہزار آدمی روزانہ سنگ مرمر تراشنے کا کام کرتے رہے (مسجد میں) ۶ سو زنجیریں سونے کی تھیں۔ اور جب سب کام ختم ہو گیا تو الولید نے حکم دیا کہ چھتوں پر سیسہ چڑھا دیا جائے۔ اس غرض کے لیے ملک ملک سے سیسا مہیا کیا گیا لیکن آخر میں چھت کا ایک حصہ رہ گیا جس کے لیئے سیسہ کہیں نہ مل سکا بجز اس کے کہ ایک عورت کے پاس تھا جو اسے سونے کے مول دیتی تھی ورنہ بیچنے سے انکار کرتی تھی لیکن خلیفہ نے حکم دیا کہ خواہ وہ سونے کے تول سے بھی دگنی تول کی قیمت طلب کرے، اسے ضرور خرید لیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر جب قیمت اس کے حوالے کی جانے لگی تو اس (عورت) نے

باب ششم

کہا "واللہ میں سمجھتی تھی کہ ہمارا بادشاہ اس عمارت کی تکمیل میں جبر و ناانصافی سے کام لے رہا ہے۔ لیکن اب میں نے اس کا انصاف دیکھ لیا اور میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر تمھیں اس کی گواہی دیتی ہوں۔" پھر اس نے وہ قیمت واپس کر دی۔ خلیفہ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ اس کی دی ہوئی (سیسے کی) چادروں پر یہ لفظ کندہ کر دیے جائیں کہ "یہ مال خدا کا ہے" اور ہدایت کی کہ انھیں ان چادروں کے ساتھ جوڑا بھی نہ جائے جن پر خود خلیفہ کا نام کندہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد کی قبلہ رُخ دیوار پر ہی انگور کی بیل بنانے میں ستر ہزار دینار (= ۳۵ ہزار پونڈ) خرچ ہوئے۔

موسیٰ ابن حماد البربری بیان کرتا ہے کہ میں نے جامع دمشق میں (کھڑکی کے) شیشے پر سونے سے پوری سورۂ تکاثر لکھی ہوئی دیکھی۔ اور اس کی پہلی آیت کے الفاظ "حتیٰ زرتم المقابر" کے حرف قٓ کے اندر ایک یاقوت جڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جواہر الولید کی ایک بیٹی کی ملکیت تھا جو انتقال کر گئی اور اس کی ماں نے حکم دیا کہ یہ جواہر بھی اسی کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جائے۔ مگر خلیفہ کے فرمان سے یہ سورۂ مذکورہ کے حرف قٓ میں یہاں جڑ دیا گیا۔ پھر خلیفہ نے مرحومہ کی ماں کو یقین دلایا کہ اسے "قبر" ہی میں رکھوا دیا گیا ہے اور جب ماں کو اصل حال معلوم ہوا تو وہ حیران اور خاموش ہو کے رہ گئی۔

قدیم زمانے کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ ابتداءً مسجد میں سنگ مرمر کے ستونوں کی دو قطاریں تھیں، ایک نیچے کے رُخ، جس کے ستون بڑے تھے اور ایک اوپر کو جس کے ستون چھوٹے رکھے تھے اور ان کے درمیان کی جگہ میں سنہری، سبز اور زرد مینا کاری تھی جس میں ہر شہر اور ہر درخت کی تصویر بنا دی تھی۔ مسجد کے قبلے کی سمت کے پہلو پر وہ گنبد ہے جسے قبۃ النسر کہتے ہیں اور دمشق بھر میں اس سے زیادہ خوبصورت اور بلند عمارت دوسری نہیں ہے۔ ہم نے اس مسجد کی جو کیفیت اور شان و خوبی بیان کی، یہ ۴۶۱ھ (۱۰۶۹ء) تک کی کیفیت ہے کہ اسی سال وہاں آتش زدگی ہوئی جس سے اس کی خوبصورتی کے بہت سے اسباب و لوازم

باب ششم

غارت ہو گئے۔[۴]

شروع زمانے ہی میں جب عمر ابن عبد العزیز (۷۱۷ء میں) خلیفہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ "مسجد دمشق میں اس قدر مال اور قیمتی ساز و سامان کا ہونا میرے نزدیک غیر ضروری ہے اور مناسب ہوگا کہ اس کو دوسرے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ فی الواقع جو کچھ بچ سکے یا واپس ہاتھ آجائے وہ بیت المال کا حق ہے۔ اب میں یہ سنگ مرمر اور میناکاری اتروائے دیتا ہوں اور طلائی زنجیروں کی بجائے بھی رسیاں لٹکوادی جائینگی" یہ سنکر اہل دمشق بہت پریشان ہوئے اور اتفاق سے اسی زمانے میں شاہ یونان کے دس سفیر دمشق آئے جنھوں نے مسجد میں آنے اور اس کے دیکھنے کی اجازت مانگی۔ انھیں اجازت دی گئی کہ باب البرید سے داخل ہوں اور ایک ملازم جو انکی زبان جانتا تھا، ساتھ کر دیا گیا کہ جو کچھ ان کی باتیں سنے اس کی اطلاع عمر کو دے اور خود ان سفیروں کو یہ خبر ہونے نہ پائے غرض سفراء صحن سے گزر کر قبلے کے پہلو کے سامنے تک پہنچے اور انھوں نے مسجد کو دیکھنے کے لیئے نظر اٹھائی تب ان کے سردار نے گردن جھکالی اور اس کا رنگ زرد ہوگیا۔ پھر جب ساتھیوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ "دراصل میں رومیہ (= بائی زنطہ) والوں کے جلسوں میں یہ کہتا رہا ہوں کہ عرب اور ان کا تسلط چند روزہ ہے اور زیادہ رہنے والا نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، اب اسے میں دیکھتا ہوں تو یقین ہوتا ہے کہ ان کی سلطنت عرصۂ دراز تک رہے گی" یہ خبر جب عمر ابن عبد العزیز کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا "میں دیکھتا ہوں کہ یہ تمھاری مسجد تو کفار کے غیظ و حسد کا موجب ہے" اور جو کچھ انھوں نے ارادہ کیا تھا اس سے باز رہے۔ اس واقعہ سے قبل بھی عمر نے محراب قبلہ میں نہایت بیش قیمت نگ جڑوائے تھے اور بعد میں انھوں نے یہاں سونے اور چاندی کے فانوس آویزاں کرادئے۔[۵]

جامع دمشق میں حضرت خضر کا زاویہ، حضرت یحییٰ ابن زکریا کا سر مبارک اور حضرت عثمان غنی کا قرآن شریف بھی محفوظ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ

حضرت ہودؑ یہاں مدفون ہیں مگر اس میں کلام ہے۔ قبۃ النسر کے بڑے گنبد کے نیچے دو ستون رنگین سنگ مرمر کے نصب ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ بلقیس ملکۂ سبا کے کھمبے ہیں۔ ولکن اللہ اعلم بالصواب۔ مسجد کا مغربی برج وہ ہے جہاں امام غزالیؒ عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ برج قدیم زمانے میں آتشکدہ تھا جس کے اندر سے آگ نکل کے اوپر جاتی تھی۔ حوران کے قدیم باشندے یہاں آتش پرستی کیا کرتے تھے۔ مسجد کے مشرقی برج یا مینار کو "منارۃ البیضا" (= سفید مینار) کہتے ہیں اور لوگوں کا قول ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ (قیامت کے قریب) اسی پر نزول فرمائیں گے[1]۔ اس جگہ ایک پتھر بھی دکھاتے ہیں اور اس کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے جس چٹان پر عصا مارا اور بارہ چشمے جاری ہوئے، اسی چٹان کا یہ ٹکڑا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت مسیحؑ کا جس مینار پر نزول ہوگا وہ دمشق کے کنیسہ مریمؑ کے قریب کا مینار ہے۔ صحن مسجد کا مغربی گنبد بیت المال کہلاتا ہے اور اسکی نسبت بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقبرہ ہے۔ لیکن فی الواقع ان کی قبر (مدینہ شریف کے قبرستان) البقیع میں ہے۔ جامع دمشق کے جنوبی دروازے یعنی باب الزیادہ میں ایک برچھے کا پھل لٹکا ہوا ہے جسے حضرت خالد ابن ولید کا برچھا بتاتے ہیں۔ دمشق ہی میں محمود ابن زنگی کی قبر ہے نیز سلطان صلاح الدین کی جامع مسجد کے قریب کی مسجد کلاسہ کے اندر قبر موجود ہے۔" (اسی طرح اور مشاہیر کی قبریں ہیں جن کا نام لکھنا طوالت کا موجب ہوگا) (یاقوت دوم ۵۸۷ تا ۵۹۷) دمشق کے نصاریٰ کے خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے سامنے فریاد لانے کی روایت (جیسا کہ اوپر ہماری نظر سے گزرا۔ صفحہ ۲۹۲) ابن اثیر کی تاریخ

[1] یہ وہی روایت ہے جو مسجد کی بجائے شہر دمشق کے مشرقی دروازے کے مینار سے بھی منسوب کی جاتی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۰۷)

باب ششم

کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"جب عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو نصاریٰ نے فریاد کی کہ ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ لیکن خلیفہ نے فوراً جواب دیا کہ شہر کے باہر جو کچھ تھا اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اسے حملہ کر کے فتح کیا گیا تھا اور پھر بھی ہم نے تمھیں وہاں کا ایک گرجا واپس دے دیا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ کنیسہ طوما مسمار کر کے یہاں بھی مسجد نہ بنا دی جائے۔ کیونکہ کیا یہ گرجا بزور شمشیر نہیں لیا گیا؟ اس پر نصاریٰ نے جواب دیا کہ نہیں، اس ڈر میں ہم کو یہ منظور ہے کہ بڑی مسجد کے متعلق کوئی دعویٰ نہ کریں اور آپ ہمیں امن کے ساتھ کنیسہ طوما پر قابض رہنے دیں" (ابن اثیر۔ پنجم۔ ۵)

دمشقی نے سنہ ۱۳۰۰ء کے قریب زمانے میں حسب ذیل کیفیت قلمبند کی ہے:-

"دمشق کو جلق، الخضرا اور ذات العمود بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہاں کی مسجد جامع عجائبات عالم میں سے ہے۔ وسط شعبان کی رات اس میں بارہ ہزار چراغ روشن ہوتے ہیں اور پچاس قنطار دمشقی کے ہموزن روغن زیتون جلتا ہے۔ اور اس میں دوسری عمارتوں کا جیسے مساجد، مدارس، مقابر، خانقاہیں، زاویے، شفاخانے وغیرہ ہیں، ان کا خرچ شامل نہیں ہے تو مسجد کی دیواروں پر کمال حسن و خوبی کے ساتھ سنگ مرمر لگایا ہے اور اس کی اوپر رنگین شیشوں اور سونے چاندی سے مینا کاری کی ہے۔ مسجد کا طول شرقاً غرباً ۲۸۲ ذرع اور عرض ۲۲۰ (یا ۲۱۰) ذرع ہے۔ چھت پر سیسے کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ شہر دمشق دراصل تین بستیوں پر مشتمل ہے۔ اول تو غوطہ کے نخلستان، باغ اور محلات ہیں جو بطور خود ایک شہر کے برابر ہیں۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس کے اندر زمین دوز نہریں ہیں اور تیسرا شہر خاص کا حصہ۔ دمشق کے باغوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۱ ہزار ہے۔ ان سب کو ایک ہی ندی سیراب کرتی ہے جو الزبدانی کی نواح اور وادی بردا سے نکلی ہے۔ اسی وادی کی چوٹیوں سے نالے آتے ہیں اور عین فیجہ کے ساتھ مل کر ایک ندی

باب ششم

بردا ابن جاتے ہیں جو نیچے جاکر سات نہروں میں بٹ گئی ہے اور ہر ایک نہر اپنے جداگانہ نام سے معروف ہے۔ ان میں پہلی نہر یزید ہے جسے خلیفہ یزید ابن معاویہ نے کھدوایا تھا اور اسی کے نام سے موسوم ہوئی۔ دوسری نہر تورہ ہے جسے اسی نام کے ایک یونانی بادشاہ نے کھدوایا تھا۔ تیسری نہر بلیناس (یا باناس) ہے جسے یونانی حکیم بلنیاس (=بلینی) نے کھدوایا تھا اور اس کے نام سے موسوم ہے۔ چوتھی نہر قنوات (= موریوں کی نہر) کہلاتی ہے اور یہ آخر الذکر دو نہریں شہر کے بیرونی حصہ میں گزرتی اور وہاں چھوٹی چھوٹی موریوں اور زمین دوز نالیوں میں تقسیم ہو کر حماموں اور طہارت خانوں کے کام آتی ہیں۔ پانچویں نہر موضع المزہ کے نام پر نہر مزہ کہلاتی ہے اس گاؤں کو المنزہ (= پاک) بھی کہتے ہیں کہ اس کا پانی بہت پاک صاف ہوا صحت بخش، محلات بہت خوبصورت، میوے نہایت نفیس اور گلاب اور دوسرے پھول کثرت سے ہوتے ہیں۔ دمشق کا مشہور عرق گلاب یہیں تیار ہوتا ہے اور یہاں سے جنوبی ممالک جیسے حجاز اور آگے ہندوستان و چین تک دسا در جاتا ہے۔ منڈی میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ بیان کرنے کے لیے یہ قصہ سناتے ہیں کہ حنفیوں کے صدر قاضی کے پاس اپنے بھائی الحریری کی شرکت میں ایک قطعہ زمین تھا جسے شور الزہر (= پھولوں کی مالا) کہتے تھے اور جو ۱۰ اقدم ضرب ۷۵ قدم کا تھا۔ ۶۶۵ھ (۱۲۶۷ء) میں انھوں نے اس کی فصل کو جو ۲۰ قنطار وزن میں ہوئی ۲۲ ہزار درہم میں فروخت کیا۔ (یعنی تقریباً اسی من پھول ۱۳ ہزار روپے میں بکے) لیکن اسکے بعد کوئی ایسی مثال (اتنی پیداوار کی) نہیں سنی گئی۔

چھٹی نہر دُرّیا ہے۔ اس کا بالائی حصہ بردا کی شاخ ہے اور نیچے آکے یہ اس سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اصیل میں دُرّیا ایک گاؤں ہے جہاں کی اراضی نہایت زرخیز اور فصلیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔ یہاں ابو مسلم الخولانی اور ابو سلیمان الدارانی کے مقبرے ہیں۔ ساتویں نہر خود بردا ہے جو وادی کی اصلی اور بڑی دھار کا نام ہے۔ بالائی حصے میں کئی ندی نالے اس میں ملے ہیں اور نیچے پہنچ کے وہ چھ نہریں جن کا اوپر ذکر ہوا، اس میں سے

باب ششم

کٹتی ہیں۔ اور پھر خود ان نہروں کی نالوں اور رج بہون میں تقسیم ہو گئی ہے جن کے ذریعے تمام غوطہ کی اراضی کو پانی پہنچتا ہے اور کوئی قطعۂ زمین ایسا نہیں ہے جو اس سے محروم رہ جاتا ہو۔ آب پاشی کا یہ سلسلہ دن رات جاری رہتا ہے اور مقررہ پیمائش اور اندازے سے پانی کی مقدار نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ بردا کی اصلی دھار شہر کے مشرق میں دیہات اور افتادہ و سرسبز ہر قسم کی اراضی کو پانی پہنچاتی ہوئی چلی جاتی ہے یہاں تک عذرا کے ضلع میں، جہاں نرسلوں کا بن ہے، ایک جھیل میں جا ملتی ہے۔ دمشق کی ایک اور ندی العوج کہلاتی ہے اور وہ بھی اسی جھیل میں آ ملتی ہے۔ برف کے پگھلنے کے زمانے میں یہ ایک بڑی ندی بن جاتی ہے کیونکہ اس وقت بہت سے چشموں اور نالوں کا پانی اس میں آ آ کے ملتا ہے۔" (دمشقی۔ ۱۹۳ تا ۱۹۸)

ابوالفدا جس نے دمشقی کے چند سال بعد کتاب لکھی ہے دمشق کے مشرق کی اس جھیل کا جس میں یہ ندیاں آ کے گرتی ہیں، حسب ذیل حال تحریر کرتا ہے:-

"بحیرۂ دمشق شہر کے مغرب یا کہنا چاہیے کہ شمال مغرب میں غوطہ کے علاقے میں واقع ہے۔ بردا اور دوسری ندیوں کا زائد پانی اس میں آ کے گرتا ہے۔ سردی کے موسم میں یہ جھیل پھیل جاتی ہے اور کنارے کے باشندوں کو رج بہون سے پانی لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن گرمی میں اس کا پانی سمٹ جاتا ہے۔ اس کے نشیبی میدانوں میں کثرت سے جھونڈ پولا ہوتا ہے اور دشمن سے بھاگ کے چھپنے کی یہ ایک مفید و مشہور جگہ ہے۔" (ابوالفدا۔ ۴۰)

یہی مصنف آگے چل کے لکھتا ہے "مہلبی" کا بیان ہے کہ جامع دمشق کے ایک ستون پر یہ کتبہ کندہ ملا: "داماس کیوس نے اس مکان کو خدائے خدایاں زیوش کے نام پر تعمیر کیا" اور راوی نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ داماس کیوس اس بادشاہ کا نام تھا جس نے شہر کی بنا ڈالی

باب ششم

اور زیوش کو عربی میں المشتری ترجمہ کرتے ہیں" (ابوالفدا۔ ۲۳۰)۔

افریقی سیاح ابن بطوطہ نے ۱۳۲۶ء میں چند مہینے اس شہر میں گزارے وہ اپنے سفرنامے میں شہر اور اس کے خاص خاص آثر کی طول طویل کیفیت لکھتا ہے اور اس میں ابن جبیر اور دوسرے متقدمین کی کتابوں سے طویل اقتباسات نقل کرتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کے صرف زیادہ مفید اور ضروری فقروں کا ترجمہ دینگے جن سے ظاہر ہوگا کہ تیموری فتح کی آتش زدگی سے کچھ ہی قبل، جامع دمشق کی چودھویں صدی میں کیا حالت تھی:۔

"جامع دمشق کی بنا الولید ابن عبدالملک نے ڈالی اور بادشاہ روم نے اس کے لیے کاریگر بھیجے تھے۔ اصل میں یہ کنیسہ تھا جسے مسلمانوں نے بزور فتح نصاریٰ سے چھین لیا۔ مسجد کی سونے کی گوناگوں مینا کاری سے تزئین کی ہے جسے "فسیفسا" کہتے ہیں۔ اس کا طول شرقاً غرباً دوسو قدم یعنی ۳۰۰ ذرع ہے اور عرض سمت قبلہ یعنی شمال سے جنوب تک ۱۳۵ قدم یعنی ۲۰۰ ذرع ہے۔ رنگین شیشوں کے چھتر دریچے نظر آتے ہیں۔ صدر عمارت میں شرقاً غرباً تین دالان ہیں اور ہر دالان کی چوڑائی ۱۸ قدم ہے دالان ۴۵ ستونوں پر قائم ہیں اور بیچ میں آٹھ پائے دیئے ہیں جن پر استرکاری کی ہوئی ہے۔ اور چھ پائے سنگ مرمر کے بھی بنائے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور قسم قسم کی محراب ہائے قبلہ کی اشکال ان پر کھچی ہوئی ہیں۔ عمارت کے اوپر قبۃ الرصاص جو محراب کے سامنے ہے بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ اسے قبۃ النسر یعنی عقاب کا گنبد بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے انھوں نے مسجد کا نقشہ اڑتے ہوئے عقاب کی صورت کا تیار کیا تھا اور اس عقاب کا سر گویا یہ گنبد تھا۔ دنیا کی یہ عجیب ترین عمارتوں میں سے ہے۔ شہر میں آپ جس سمت سے بھی داخل ہوں، شہر کے تمام مکانات کے اوپر قبۃ النسر ہوا میں اڑتے ہوئے عقاب کی مثل سب سے پہلے نظر آئیگا۔

صحن مسجد کے گرد تین دالان، مشرق، مغرب اور شمال میں بنے ہوئے

باب ششم

ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی چوڑائی ۱۰ اقدم ہے۔ ہر دالان میں ۳۳ ستون اور ۱۴ پائے ہیں۔ خود صحن کی چوڑائی ۱۰۰ ذرع ہے یہ سیر کے لیے نہایت ہی دلکش مقام ہے اور شہر کے باشندے شام کو ملنے اور بات چیت کرنے کے لیے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ صحن میں تین گنبد ہیں جن میں سب سے بڑا گنبد مغرب کی طرف ہے۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے نام پر قبۂ عائشہ کہلاتا ہے۔ یہ سنگ مرمر کے آٹھ ستونوں پر قائم ہے جنکی مینا سے زینت بڑھائی ہے گنبد کے اوپر سیمامنڈھا ہوا ہے کہتے ہیں مسجد کا روپیہ پہلے یہیں رہا کرتا تھا۔ یہ بھی مجھ سے لوگوں نے بیان کیا کہ غلے کی اراضی اور مسجد کی دوسری املاک سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سالانہ بیس ہزار دینار سُرخ (= دس ہزار پونڈ) تھی۔ دوسرا گنبد صحن کے مشرقی حصے میں ہے۔ یہ پہلے کی مانند، لیکن اس سے چھوٹا ہے۔ اس کے بھی آٹھ سنگ مرمر کے ستون ہیں اور قبۂ زین العابدین رحؒ کہلاتا ہے۔ تیسرا گنبد صحن کے وسط میں ہے۔ یہ چھوٹا اور مثمن شکل کا سنگ مرمر سے بنایا ہے اور دیکھنے کے قابل عمارت ہے اس کے نیچے لوہے کا جنگلا بنا کے بیچ میں پیتل کا فوارہ لگایا ہے جس میں سے پانی عصائے سلیمین کی طرح اٹھ اٹھ کے گرتا رہتا ہے۔ اسے لوگ "قفس الماء" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور شوق سے منہ لگا لگا کے اس فوارے سے پانی پیتے ہیں۔ صحن کے مشرق کی طرف کے ایک دروازے سے ایک خوشنما مسجد کو راستہ جاتا ہے جس کو مشہد علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل جہاں شمالی اور مغربی پہلوؤں کے دالان ملتے ہیں وہ مقام ہے جس کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ احادیث نبوی سنایا کرتی تھیں۔

مسجد کے جنوبی حصے میں مقصورۂ کلاں ہے جس میں شوافع کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ اس کے مشرقی گوشے اور محراب قبلہ کے مقابل میں بیت المال ہے اور یہیں حضرت عثمان رضؓ کا وہ قرآن شریف رکھا ہے جو دمشق بھیجا گیا تھا۔ جمعے کی نماز کے بعد یہ عمارت کھولی جاتی ہے اور

باب ششم

لوگ اس نسخۂ تبرکہ کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے ہیں۔
مقصورہ کے دست چپ کی طرف محراب صحابیؓ ہے اور اہل تاریخ
کہتے ہیں کہ عہد اسلامی کی یہی سب سے پہلی محراب تھی۔ یہاں مالکی فرقے
کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ اس کے جواب کی محراب میں جو مقصورہ
کے دائیں ہاتھ کو ہے، حنفی امام امامت کرتا ہے اور اسی سے
ملی ہوئی حنبلیوں کی محراب ہے جہاں ان کے امام کے پیچھے جماعت
ہوتی ہے۔ مسجد کے تین مینار ہیں مشرق کی طرف جو مینار ہے اسے
دراصل یونانیوں نے تعمیر کیا تھا۔ اس کا راستہ مسجد کے اندر سے
ہے اس کی بنیاد میں طہارت خانے بنے ہوئے ہیں جن سے مسجد کے
متوسلین کام لیتے ہیں۔ دوسرا مینار جو مغرب کی طرف ہے، اسے بھی
یونانیوں نے بنایا تھا۔ لیکن تیسرا شمالی سمت کا مینار مسلمانوں کا بنایا
ہوا ہے۔ مسجد میں ستر موذن نوکر ہیں۔ مشرقی حصے میں ایک بڑا
مقصورہ (یا کٹہرا) بنا دیا ہے جس میں پانی کا حوض ہے۔ یہ ساحل قلزم
کے علاقے زیلع کے باشندوں کا ہے جو حبشی ہیں۔

مسجد کے وسط میں حضرت زکریا علیہ السلام کا مقبرہ ہے۔
اس میں دو ستونوں کے درمیان ایک ترچھا طاق بنایا ہے جس پر
سیاہ ریشم کا کپڑا ڈھکا رہتا ہے اور اس پر سفید کلابتوں سے یہ الفاظ
کڑھے ہوئے ہیں:۔ "یا ذکریا۔ انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ" (سورۂ
مریم۔ آیہ ۷) کہتے ہیں مسجد کی جنوبی دیوار حضرت ہود علیہ السلام نے
بنائی تھی اور ان کی قبر بھی یہاں ہے۔ لیکن میں نے اس (قبر) کو پھر
یمن (عرب) میں بھی دیکھا۔

مسجد کے چار دروازے ہیں۔ جنوبی باب الزیادہ کہلاتا ہے
اور اس کے اوپر برچھے کا وہ ٹکڑا رکھا ہے جس میں حضرت خالدؓ ابن
ولید کا پرچم لٹکا ہوا تھا۔ دروازے کے ساتھ ایک بڑا ایوان چلا گیا
ہے جس میں پرانا لوہے کا سامان بیچنے والے اور کباڑی وغیرہ اسی

باب ششم

قسم کے دکاندار بیٹھتے ہیں۔ وہاں سے آپ دار الخیل میں پہنچتے ہیں پھاٹک (یا باب الزیادہ) کے باہر مس گروں کی دکانیں ہیں یہ ان کا بڑا بازار ہے اور مسجد کی تمام بیرونی جنوبی دیوار کے سہارے سہارے چلا گیا ہے، اور دمشق کے سب سے اچھے بازاروں میں ہے۔ جس مقام پر یہ بازار ہے، پہلے اس جگہ امیر معاویہؓ کا محل اور لوگوں کے مکانات تھے اُس محل کا نام الخضرا تھا۔ عباسیوں نے اسے منہدم کرایا اور اس جگہ بازار بنوا دیا۔ مسجد کا مشرقی دروازہ سب سے بڑا ہے۔ اسے باب جیرون کہتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک لمبا ایوان (لنگر خانہ) ہے جس سے گزر کر ایک شاندار دالان میں پہنچتے ہیں، جس کے پیش میں پانچ بڑی بڑی کمانیں ہیں اور ہر کمان میں پانچ پانچ اونچے ستون ہیں۔ اس دالان کے بائیں طرف ایک بڑا مشہد (یا خطبہ گاہ) ہے جس میں امام حسینؓ کا سر بریدہ رکھا گیا تھا اور اس کے بالمقابل ایک چھوٹی سی مسجد خلیفہ عمرؓ ابن عبد العزیز کے نام سے منسوب ہے اس کے اندر آب رواں ہے۔ دالان کے سامنے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں جن سے اتر کر لنگر خانے میں پہنچتے ہیں۔ یہ خندق کی مثل اندر اترا ہوا ہے جس کے متصل ایک اونچی ڈیوڑھی تاڑ کے تنوں کے برابر لمبے چوڑے ستونوں پر قائم ہے۔ ایوان کے دونوں طرف بھی کھمبے ہیں اور ان کے اوپر پوری عمارت کے گرد غلام گردش بنی ہوئی ہے۔ جس میں بزازوں وغیرہ کی دکانیں ہیں۔ پھر ان کے اوپر ایک اور منزل اسی طرح کی ہے جس میں جوہری، کتب فروش اور شیشے کے عجیب عجیب ظروف بنانے والے بیٹھتے ہیں۔ پہلی کمان سے ملا ہوا جو چوک ہے، اس میں صدر مختاروں کے حجرے ہیں۔ ان میں سے دو شافعیوں کے اور باقی دوسرے تین سنی فرقے کے مختاروں یا وکیلوں کے حجرے ہیں۔ ہر حجرے میں پانچ یا چھ مختار یا وہ لوگ ہوتے ہیں جو قاضی کی طرف سے نکاح باندھنے پر مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی مختار و وکیل ہیں جو شہر کے دوسرے حصوں میں رہتے ہیں۔ اسی چوک کے قریب کاغذگروں کا بازار ہے جہاں کاغذ، قلم، نیزے اور روشنائی بکتی ہے۔ مذکورۂ بالا ایوان کے اندر ایک بڑا مدوّر حوض سنگ مرمر کا ہے جس کے اوپر چھت میں گنبد بنایا ہے اور بیچ سے کھلا چھوڑ دیا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے۔ اس گنبد کو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم کیا ہے۔ حوض کے وسط میں پیتل کی ایک ٹوٹی ہے جس سے آدمی کے قد سے بھی کہیں اونچا پانی اچھل اچھل کے گرتا ہے۔ اسے الفوارہ کہتے ہیں اور اس کا منظر دیکھنے کے قابل ہے۔

باب جیرون (جسے باب الساعۃ بھی کہتے ہیں) کے باہر دائیں طرف چلیے تو ایک غلام گردش ملتی ہے اور یہاں ایک بڑی محراب بنادی ہے جس کے نیچے بہت سی چھوٹی محرابیں، تعداد میں دن کے گھنٹوں کے برابر کھلی ہوئی ہیں۔ ان کے کواڑ اندر سے سبز اور باہر سے زرد رنگ دیئے ہیں۔ جب دن کا گھنٹا گزرتا ہے تو اندر کا سبز رخ پلٹ کے باہر آجاتا ہے اور زرد جو پہلے باہر کی طرف تھا، اندر ہو جاتا ہے کہتے ہیں کہ غلام گردش کے اندر کوئی شخص رہتا ہے اور وہ گھنٹا گزرنے پر ہاتھ سے کواڑوں کو اس طرح الٹا پلٹتا ہے۔

مسجد کا مغربی دروازہ باب البرید کہلاتا ہے اس کے باہر نکلتے ہی دائیں طرف مدرسۂ شوافع ہے۔ اس دروازے کے ساتھ بھی ایک ایوان ہے جس میں فانوس گروں کی دکانیں اور میوہ فروشوں کی الماریاں ہیں اس کے اوپر کے دروازے پر سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں اور دروازے کے سامنے بلند ستون دیئے ہیں۔ سیڑھیوں کے نیچے دائیں بائیں دونوں طرف پانی کے دو مدوّر طاس بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کے شمالی دروازے کو باب الناطفانیین (= حلوائیاں) کہتے ہیں۔ اس سے نکلتے ہی دائیں طرف وہ خانقاہ ہے جو شمیعانیہ

باب ششم

کہلاتی ہے۔ اس کے وسط میں پانی کا حوض اور ایک طرف طہارت خانہ بنا ہوا ہے جس میں آب رواں ہے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ خانقاہ پہلے خلیفہ عمرؓ ابن عبدالعزیز کا محل تھی۔ مسجد کے مذکورۂ بالا چاروں دروازوں کے ساتھ طہارت خانے بنے ہوئے ہیں جن میں تقریباً سو حجرے ہوں گے اور ہر حجرے میں بہتے پانی کی افراط ہے۔

دوسرے قابل ذکر مقامات میں دار الخطابہ ہے جس میں مقصورہ کے سامنے والے آہنی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ یہی دروازہ تھا جس سے حضرت معاویہؓ اپنے محل کو جاتے ہوئے گزرتے تھے۔ آج کل صدر قاضی یہاں رہتا ہے۔ دوسرے مآثر میں ہمیں مشہد علیؓ، مشہد حسینؓ، مسجد کلاسہ اور مشاہد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کا نام لکھنا ضروری ہے۔ خود شہر دمشق کے آٹھ دروازے ہیں جن میں باب الفرادیس باب الجابیہ اور باب الصغیر بھی داخل ہیں ان میں سے آخری دو کے درمیان وہ مقام ہے جہاں صحابی اور بہت سے مشاہیر کے مزار ہیں اور انہی میں حضرت معاویہؓ حضرت بلالؓ اور کعب الحبر کی قبریں ہیں۔ باب جابیہ کے مقابل مشرقی دروازہ ہے اور قبرستان اس کے آگے سے شروع ہوتا ہے۔

ابن بطوطہ نے دوسرے مقامات کا بھی ذکر کیا ہے اور ان میں جبل قاسیون کے دامن میں، شہر کے شمالی مضافات کی بستی صالحیہ بھی ہے نیز مقبرہ حضرت ذوالکفلؑ نبی۔ اور کہف الدم (ہابیل) الربوہ، یعنی جبل قاسیون کے عقب کا وہ ٹیکرا، جہاں حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ سکونت رکھتے تھے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "یہاں سے اور اسی طرح مشہد خضرؑ سے نہایت دل کش منظر نظر آتا ہے۔ موضع النیرب الربوہ کے دامن میں آباد ہے۔ المزہ جسے قبیلۂ کلب ابن وبرہ کے نام پر مزۃ کلب کہتے ہیں، نیرب کے جنوب میں واقع ہے" (ابن بطوطہ۔ اول ۱۹۰ تا ۲۳۶)۔

باب ششم

جامع دمشق کو جیسا کہ یاقوت نے اشارہ کیا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۱۷) ۱۰۶۹ء کی آتش زدگی سے جو فاطمی اور شیعی فرقے کے بلوے کے موقع پر ہوئی تھی، ضرور سخت نقصان پہنچا ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد اس کی درستی کر دی گئی اور اس کے بعد ہی کی کیفیت ہے جو ابن جبیر (۱۱۸۵ء) اور ابن بطوطہ (۱۳۵۵ء) کے سفرناموں سے ہم نے اوپر نقل کی۔ ۱۴۰۰ء میں مشہور فاتح تیمور لنگ نے دمشق پر قبضہ کیا، اور مغلوں کے قیام کے زمانے میں اس جامع کبیر میں وہ آگ لگائی گئی جس نے اسے جلا کے بالکل مسمار ہی کر دیا۔ مورخ ابو المحاسن کا قول ہے کہ آگ لگانے کا درحقیقت خود تیمور نے حکم دیا تھا۔ اس کے برخلاف ابن خلدون ثابت کرتا ہے کہ شہر پر یورش اور فتح کے ہنگامے میں یہ حادثہ ہوا اور صاحب ظفرنامہ نے بھی یقین دلایا ہے کہ آگ محض اتفاقی تھی اور تیمور نے ہر ممکن کوشش کی کہ اسے بجھا دیا جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ انہی دنوں بویریا کا شہرۂ آفاق سیاح شلٹ برگر بھی تیمور کی لشکرگاہ میں آیا ہوا تھا۔ ہیک لوٹ سوسائٹی نے اس کی بحری سیاحتوں کا حال چھاپ دیا ہے۔ اسی میں سے ذیل کا اقتباس جس میں اُس آتش زدگی کا تذکرہ ہے، اس اعتبار سے وزن رکھتا ہے کہ یہ ایک عینی شاہد کا بیان ہے گو اس میں شک نہیں کہ یہ شخص تیمور سے بہت تعصب رکھتا تھا:-

"پھر تیمور لنگ نے شہر (دمشق) پر یورش کی اور بزور اندر داخل ہوا۔ شہر کے فتح ہونے کے بعد ہی گیٹ (= شیخ ؟) جسے اسقف سمجھنا چاہیے۔ تیمور کے پاس آیا اور اس کے قدموں میں گر کر اپنے اور اپنے ساتھی علماء پر رحم کرنے کی التجا کی۔ تیمور نے حکم دیا کہ وہ اپنے علماء کے ساتھ ہیکل (= جامع دمشق) میں چلا جائے۔ چنانچہ یہ علماء اپنی بیوی بچوں اور بہت سے دوسرے لوگوں کو لے کے ہیکل میں چلے آئے کہ وہاں پناہ مل جائے گی اور بڑے چھوٹے ملا کے ان کی کل تعداد

تیس ہزار ہو گئی۔ تب تیمور لنگ نے حکم دیا کہ جب ہیکل پورا بھر جائے تو اس کے اندر لوگ بند کر دیئے جائیں۔ اس پر عمل ہوا پھر ہیکل کے گرد لکڑیاں رکھدی گئیں اور اس نے حکم دیا کہ آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ وہ سب ہیکل ہی میں جل کر ہلاک ہو گئے (اُز غلامی اور سیاحت جوہان شلیٹ برگر" ۱۳۹۶ء تا ۱۴۲۷ء مطبوعات ہیک لوئٹ سوسائٹی)"۔

باب ہفتم

عجائبات و خوارق

ذیلی عنوان :- الرّقیم اور اصحاب کہف ـــــ زغر، بلاد لوط اور بنات لوط کا افسانہ ـــــ القلط اور بیرورقہ ـــــ یورّم اور ہیکل قدیم ـــــ عین الجارہ اور منحر ـــــ بعلبک اور بڑے پتھر ـــــ بیت اللحم اور قسطنطین کی کچہری ـــــ النّاصرہ اور وہاں کا عجیب درخت۔

الرّقیم اور سوتوں کا غار

"اصحاب کہف" کا قصّہ شروع زمانے سے مسلمانوں میں مقبول و دلپسند ثابت ہوا ہے۔ اول اول اس کا سبب غالبًا یہ تھا کہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے، ایفی سوس کے سات سونے والوں کی نسبت جو قصے مشہور تھے ان کا ذکر فرمایا اور قرآن مجید کے قصص میں سے ایک پند آموز سورۂ مقدسہ میں ان کے بعض واقعات بیان

باب ہفتم

کیے گئے۔ نصاریٰ میں یہ افسانہ جس طرح مشہور تھا، وہ تفصیل کے ساتھ "ایکٹا سینگ ٹورم" مورخہ ۲۷ جولائی میں ملے گا۔ (توموس ششم صفحہ ۳۷۵ وغیرہ) خلاصہ اس (مسیحی) روایت کا یہ ہے کہ شہنشاہ دکیوس کے عہد اور ۲۵۰ئہ میں، ایفی سوس میں سات نوجوان بھائی رہتے تھے جو پکے مسیحی اور انجیل شریف کے گردیدہ تھے۔ رومی کتب شہدا میں ان کے نام میکسی می لیانوس، مارکوس، مارٹی نیانوس، ڈیونی سیوس، جون، سراپیون اور کونس ٹین ٹی نوس، بتائے گئے ہیں۔ ان دنوں نصاریٰ پر جو ظلم و تعدی ہو رہی تھی، اس سے بچنے کے لیئے یہ نوجوان کوہ کیلیان کی ایک کھوہ میں آچھپے۔ مگر ان کے ستانے والوں کو پتہ چل گیا اور انھوں نے غار کے منہ پر دیوار چن کر انھیں زندہ درگور کر دیا۔ لیکن ان نوجوانوں کو حکم الٰہی سے نیند آگئی ۔ ۴۷ئہ میں جبکہ تھیوڈوسیوس کا عہد تھا، ان کی نعشیں برآمد ہوئیں اور بالآخر وہ مارسیلز کے گرجا (سینٹ وکٹر) میں منتقل کرلی گئیں، جہاں ابتک مدفون ہیں؛

بظاہر اس قصے کی اصل بنا شامی تھی۔ قرآن شریف کی اٹھارھویں سورت (سورہ کہف) کو اسی قصے سے موسوم کرتے ہیں جس کی آیات ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

"ام حسبت انّ اصحاب الکہف والرّقیم کانوا من اٰیتنا عجبا اذ اوی الفتیۃ الی الکہف فقالوا ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃً وھیّ لنا من امرنا رشدا۔ فضربوا علیٰ اذانھم فی الکہف سنین عددا" (آیہ ۸، ۹، ۱۰)

"وتری الشمس اذا طلعت تزاور عن کہفھم ذات الیمین واذا غربت تقرضھم ذات الشمال وھو فی فجوۃ منہ۔

وتحسبھم ایقاظاً وھم رقود۔ ونقلبّھم ذات الیمین وذات الشمال وکلبھم باسطٌ ذراعیہ بالوصید۔ لو اطلعت علیھم لولّیت منھم فرارا ولملئت منھم رعبا؛

"وکذالک بعثنا ھم لیتساء لو بینھم قال قائل منھم کم

باب ہفتم

لبثتم - قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم - ربکم اعلم بما لبثتم فابعثوا احدکم بورقکم ھذہ الی المدینة فلینظر ایھا ازکیٰ طعاماً فلیاتکم برزقٍ منہ - ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدا؛
"انھم ان یظھروا علیکم یرجموکم او یعیدوکم فی ملتھم ولن تفلحوا اذا ابدا؛
"وکذالک اعثرنا علیھم لیعلموا ان وعد اللّٰہ حقٌ وان الساعة لاریب فیھا.....
"سیقولون ثلاثۃٌ رابعھم کلبھم - ویقولون خمسة سادسھم کلبھم - رجماً بالغیب - ویقولون سبعة وثامنھم کلبھم..."

(آیات ۱۶ تا ۲۱)

"ولبثوا فی کھفھم ثلاثة مائة سنین وازدادوا تسعاً؛ (آیہ ۲۴)

یاقوت کی جغرافی قاموس بزرگ میں ان سات سونے والوں کے متعلق، مختلف عنوانوں کے تحت میں بہت سی عجیب عجیب جزئیات پاشان طور پر ملتی ہیں اور دوسرے مسلمان مصنفوں کی روایات نقل کرنے سے پہلے، جنھوں نے اس غار کی زیارت کی اور حالات جمع کئے، مناسب ہوگا کہ یاقوت کی سب عبارات کو یکجا کر دیا جائے تا کہ آئندہ دوسروں کے بیانات سے مقابلہ کرنے میں سہولت ہو؛

مسلمان مصنف سب سے اول قرآن شریف کی آیہ مبارکہ جس میں "کھف والرقیم" کا ذکر ہے، نقل کرتے ہیں اور انھوں نے پہلے اسی پر غور و فکر کیا ہے کہ لفظ "الرقیم" کا اصلی مفہوم اور خاص منشا کیا سمجھا جائے، ایک قول کے بموجب "الرقیم" ایک سیسے کی لوح تھی جس پر اصحاب کھف کے نام، حالات اور چھپنے کی تاریخ مرقوم تھی؛ (یاقوت:- دوم ۸۰۵) لیکن

لہ :- مسیحی روایت کے بموجب یہ نوجوان شہنشاہ دکیوس کے عہد میں غار میں چھپے اور تھیودوسیوس کے زمانہ میں بیدار ہوئے اور یہ کل ۲۲۰ برس کا زمانہ ہوتا ہے جو قرآن شریف کے ۳۰۹ سال سے مختلف ہوا؛

باب ہفتم

اسی صفحے پر یاقوت مشہور محدث حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی سند سے بیان کرتا ہے کہ الرّقیم اسی غار کا نام تھا اور آگے اس کا محل وقوع "طرسوس سے دس یا گیارہ دن کی مسافت پر عموریہ اور نقیہ (Nicaea) کے درمیان" بتاتا ہے۔ یاقوت نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "لیکن دوسرے ارباب خبر کے نزدیک الرّقیم یا تو اس گاؤں کا نام تھا جہاں یہ نوجوان رہتے تھے اور یا اس پہاڑ کا، جس میں یہ غار واقع ہے۔" ایک اور عنوان کے تحت میں یاقوت نے خود اس غار کا نام جیرام بھی بتایا ہے۔ (جلد دوم، ۱۷۵)

پھر ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں (یاقوت، دوم، ۸۰۵) کہ ان سات سونے والوں کے نام یہ تھے:- "یملیخا (Jamblichus) میکسلمینا (Maximilianus) مثلینا (Marcellus) مرتونوس (Martianus) دیریوس (Diorysius or Demetrius) سربیون (Serapion) اور افستیتیوس (Exustadianus) کتے کا نام قطمیر اور جس بادشاہ سے بھاگے وہ دقیانوس تھا۔" (یہ دکیوس کی بجائے سہواً دکیانوس سمجھکر اسکی تعریب کی گئی ہے) ان کے شہر کا نام بالکل صحیح یعنی افسوس (Ephesus) بتایا گیا ہے اور یہیں الرّقیم اس غار کا اور الرّاس ان نوجوانوں کے گاؤں کا نام لکھا ہے لیکن اس سے پہلے ایک عنوان کے تحت میں (جلد اول ۹۱) اس لفظ کی املا کچھ اور ملتی ہے:- "ابسوس، یونانی علاقے کا ویران شہر ہے، جہاں "اصحاب کہف" تھے۔ اسے دقیانوس کا شہر کہا جاتا ہے اور یہ ابلستین کے قریب واقع ہے۔ یہاں بہت سے عجیب آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں" اسی سلسلے میں دو صفحے آگے چل کے اُبلستین کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ یونانی علاقہ کا مشہور شہر ہے اور الرّقیم اسی کے قریب واقع ہے" (اول ۹۳)

افسس کے قریب کا یہ "اُبلستین" وہ مقام ہے جسے آج کل البستان کہتے ہیں۔ ظاہراً یاقوت نے اُبلستین کا یہ احوال علی ہروی سے

نقل کیا ہے کہ اس کی کتاب میں بھی اسی قسم کی کیفیت درج ہے (دیکھو نسخہ اوکسفورڈ، ورق ۸۶) معجم البلدان کی آخری جلد (صفحہ ۱۰۴۰) میں "اینجلوس" کی نسبت لکھا ہے کہ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں اصحاب کہف کا غار واقع ہے (اینجلوس، صریحاً یونانی نام ہے) لیکن مصنف خود اس پہاڑ کے محل وقوع کی نسبت شک رکھتا ہے۔

نواحِ افی سس کے علاوہ یاقوت اس قصے کے دو قیاسی مقام اور بھی بتاتا ہے: ایک تو ولایت اُردن کے آگے ولایت بلقا میں اور ایک ہسپانیہ میں ہسپانیہ کے پتے کے متعلق لکھتا ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں کہ کہف اور الرقیم مقام جنان الورد، علاقہ اندلسیہ میں واقع ہیں اور طلیطلہ دقیانوس کا شہر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب" (جلد دوم ۱۲۵-۸۰۶) الرقیم کے بلقا میں ہونے کی نسبت مقدسی نے ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے۔ لیکن ہم پہلے اصطخری کا قول نقل کرینگے جو مقدسی سے ایک نسل پہلے کا مصنف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"رقیم یا الرقیم، ولایت بلقا کی سرحد کی بستی ہے۔ یہ چھوٹی سی جگہ ہے اور اس میں تمام مکان چٹان کو تراش کر بنائے ہیں، دیواریں تک چٹانوں سے بنائی ہیں کہ ہر مکان خود ایک ایک بڑی چٹان معلوم ہوتا ہے" اصطخری، ۶۴ جسے ابو الفدا نے نقل کیا ہے۔ ۲۲۷[۱]

[۱]:- اس نظریئے کی بنا پر کہ الرقیم وہی ہے جسے جوزیفس نے "ارکیم" کے نام سے یاد کیا ہے (Antiq. IV..) اکثر حضرات اسے پٹرا یا وادی موسیٰ کے مرادف سمجھتے رہے جو کوہ ہُر کے قریب واقع ہے۔ یہ تشخیص شلٹن نے گذشتہ صدی میں کی تھی (دیکھو اس کی کتاب "Vita Saladini, Index Geog.") اور ہمارے زمانے تک لوگ اسی کو نقل کرتے چلے آتے تھے لیکن رابنسن نے اپنی تحقیقات ("Biblical Researches" جلد دوم، ۶۵۳) سے بخوبی ثابت کر دیا کہ یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ مقدسی کی تحریر سے بھی جس میں الرقیم کو عمان سے تین میل کے فاصلے پر بتایا گیا ہے، رابنسن کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ابن اثیر

مقدسی نے اس غار کا حسبِ ذیل حال تحریر کیا ہے :-

"موضع الرّقیم میں جو عمّان سے تقریبًا ایک فرسخ دور، صحرا کے کنارے واقع ہے، ایک غار ہے جس کے دو راستے ہیں، ایک بڑا ایک چھوٹا۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ بڑے راستے (یا دروازے) سے جو کوئی داخل ہوتا ہے وہ چھوٹے راستے سے باہر نہیں آسکتا بجز اس کے کہ رہنما ساتھ ہو۔ غار میں تین قبریں ہیں جن کے متعلق ابوالفدا ابن منصور نے یہ حدیث نبویؐ مجھ سے بیان کی اور ابوبکر ابن سعید کا حوالہ دیا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ حضرت عبد اللہؓ ابن عمرؓ کی روایت ہے جنھوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا۔ حدیث یہ ہے "ایک بار تین شخص ساتھ جا رہے تھے کہ بارش آگئی اور انھوں نے پہاڑ کی ایک کھو میں پناہ لی۔ یکایک پہاڑ کے اوپر سے ایک چٹان لڑھکی اور کھو کے منہ پر اس طرح آگئی کہ راستہ بند ہوگیا۔ تب ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ "اب جو کوئی نیک عمل تم نے کبھی کیا ہے اسے یاد کرو اور حضورِ قلب کے ساتھ باری تعالیٰ سے التجا کرو کہ شاید اس اچھے عمل کے صلے میں وہ اس چٹان کو ہمارے لیے کھول دے" (اور راستہ نکل آئے) تب ان میں سے ایک نے بآوازِ کہا "اے خدا تو علیم ہے کہ میرے ماں باپ ضعیف و ناتوان ہیں اور اپنے بال بچوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- (جلد نہم، ۲۵۹) بھی لکھتا ہے کہ الرّقیم، دمشق اور قلعۂ کرک کے راستہ پر، کرک کے شمال میں دو دن کی مسافت پر واقع ہے اور ان دونوں بیانات سے ظاہر ہے کہ الرّقیم وادی موسیٰ نہیں ہوسکتا جو بحرِ لوط کے جنوب میں دو دن کی مسافت پر تھا۔ اصل یہ ہے کہ عبرانی میں "رقیم" دو ہیں جیسا کہ تالمود کے حواشی سے ثابت ہوتا ہے (ملاحظہ ہو (Neubauer. " Geog : Talmud ") ایک تو "رقیم گاعیا" اور ایک "رقیم ہگرا" جس سے وادی موسیٰ مراد ہے۔ اور یہ ساری گڑبڑ انہی دو ناموں کے ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔

باب ہفتم

کے ساتھ ان کی غور پرداخت بھی صرف میرے ذمہ ہے۔ اور جب میں گھر آتا ہوں تو دودھ دُوہ کر بچوں کی بجائے پہلے میں اپنے والدین کو پلاتا ہوں۔ اور ایک دن جب کہ میں بیگار میں پکڑ لیا گیا اور رات ہوئے پر دیر سے گھر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ سو گئے ہیں۔ تب حسب معمول میں نے دودھ نکالا اور ان کے پاس لایا لیکن ان کی نیند خراب ہونے کے خوف سے انھیں نہ جگایا اور قریب کھڑا رہا اور بزرگوں کے سامنے رکھنے سے پہلے، یہ جرات بھی نہ کی کہ بچوں کو دودھ پلاتا حالانکہ وہ حقیقت میں بہت بیقرار ہو رہے تھے۔ اور اسی طرح میں صبح ہونے تک انتظار کرتا رہا۔ اے خدا تو جو دلوں کے بھید جانتا ہے، تجھے بخوبی علم ہے کہ یہ کام میں نے صرف لوجہ اللہ کیا تھا، تو اب تو حکم دے کہ یہ چٹان ہمارے سامنے سے ہٹ جائے (یا اس قدر پھٹ جائے) کہ ہم کو آسمان نظر آنے لگے۔" تب اللہ تعالیٰ کے حکم سے چٹان میں ایک درز ہو گئی کہ انھیں آسمان نظر آنے لگا۔ تب دوسرا شخص پکارا کہ "اے خدا، کیا مجھے اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ انتہا درجہ کا عشق نہ تھا۔ اور جب میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا تو مجھ سے انکار کرتی اور کہتی تھی کہ پہلے سو اشرفیاں لیکر آؤ۔ تب میں نے کوشش کی اور سو اشرفیاں جمع کر کے اس کے پاس لے گیا لیکن جب میں پہنچا اور اس پر تصرف کرنا چاہتا تھا تو وہ چلائی اور کہنے لگی کہ "اے خدا کے بندے، خدا سے ڈر اور شرعی صورت کے سوا (غیر شرعی طور پر) مجھے مجبور نہ کر" اور میں اس کے قریب سے ہٹ گیا۔ اب اے خدا، تحقیق تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا صرف تیرے خوف سے کیا۔ اب تو (اس عمل کے بدلے) اس چٹان کے ایک حصے کو ہمارے لیے اور زیادہ کھول دے"، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور کھول دیا۔ پھر آخری شخص پکارا اور کہنے لگا کہ "الٰہی میں نے (کھیتی کے لیے) ایک شخص کو نوکر رکھا تھا اور حسب معمول چاول کی ایک مقدار (اس کا معاوضہ) مقرر کی تھی۔ چنانچہ جب کام ختم ہوا تو وہ مقدار میں نے اسے دینی چاہی لیکن اس نے اسے کم سمجھا اور لینے سے انکار کیا۔ تب میں نے (اس کے حصے کے

ان چاولوں کی کاشت کی اور یہ کھیتی بڑھتی رہی یہاں تک کہ اس کے نفع سے میرے پاس مویشی ہو گئے اور ان کو چرانے کے لیئے ایک غلام بھی (خرید لیا) پھر مدت کے بعد وہی شخص میرے پاس آیا اور بولا "خدا سے ڈر۔ مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق مجھے دے"۔ میں نے کہا "جا اور یہ سب مویشی اور غلام لے لے"۔ اس نے پھر کہا کہ خدا سے ڈر۔ اور میرے ساتھ ہنسی نہ کر" میں نے جواب دیا "یقین جان، میں ہنسی نہیں کرتا۔ جا اور یہ مویشی اور غلام لے جا" اور آخر کار وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اے خدا، تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیرے خوف سے، لوجہ اللہ کیا اب تو حکم دے کہ جس قدر چٹان رہ گئی ہے، وہ بھی ہمارے لیئے کھل جائے (اور راستہ نکل آئے)"۔ اور اللہ تعالیٰ نے چٹان کو پوری طرح ان کے سامنے سے کھول دیا"۔ (مقدسی۔ ۱۷۵) ؏

مذکورۂ بالا روایت صریحاً اصحاب کہف کے قصے کی جیسا کہ وہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ کسی قدر بدلی ہوئی صورت ہے[1]۔ مسعودی ۹۴۳ء کی تحریر میں اصحاب کہف و الرقیم کی تاریخ کے متعلق لکھتا ہے کہ "اصحاب کہف و الرقیم کے بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف رہا ہے۔ بعض اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دونوں کو ایک ہی جماعت سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ انکے نام غار کے دہن پر ایک پتھر کی تختی پر "رقم" تھے اس لیئے وہ "اصحاب رقیم" بھی کہلاتے رہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں کہ نہیں، اصحاب کہف، اصحاب رقیم سے جداگانہ لوگ تھے"۔ (مسعودی۔ سوم، ۳۰۷) ؏

یونانی علاقے میں اصحاب کہف کا جو غار مشہور تھا، اس کی زیارت کے کئی بیان یاقوت اور دوسرے مصنفوں نے نقل کیئے ہیں۔ کہا جاتا ہے

---

[1]:۔ انگریز مصنف کا یہ قیاس غلط ہے۔ مذکورۂ بالا حدیث میں بالکل ایک دوسرا واقعہ بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے۔ اسے اصحاب کہف کے قصے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ مترجم اردو ؏

باب ہفتم

کہ سب سے پہلی مرتبہ غار کی زیارت سنہ ۱۱ھ (سنہ ۶۳۲ء) میں کی گئی اور ترتیب زمانی کے اعتبار سے دوسری زیارت سنہ ۱۰۲ھ (سنہ ۷۲۰ء) کی ہے جس کا مقدسی نے حال لکھا ہے۔ تیسری زیارت کا ذکر یاقوت نے کیا ہے جو خلیفہ الواثق باللہ کے عہد میں سنہ ۸۴۵ء کے قریب کی گئی تھی۔ پہلی زیارت کا حال حسب ذیل ہے:

"عبادہ ابن الصامت فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جس سال وہ خلیفہ ہوئے" (سنہ ۱۱ھ م سنہ ۶۳۲ء) بادشاہ روم (= یونانی) کے پاس بھیجا کہ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں ورنہ جہاد کا اعلان کر دوں۔

عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم چلتے رہے یہاں تک کہ یونانیوں کے ملک میں داخل ہوئے اور جب ہم قسطنطنیہ کے قریب ہو رہے تھے، ہمیں ایک سرخ پہاڑ نظر آیا، جس میں کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف و الرقیم (اسودہ) ہیں۔ لہٰذا ہم ایک خانقاہ میں پلٹ آئے اور لوگوں سے اصحاب کہف کا حال دریافت کیا اور انھوں نے ہمیں پہاڑ میں ایک راستہ دکھایا۔ ہم نے کہا کہ ہم اصحاب کہف کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ہم سے کچھ روپیہ طلب کیا اور ہم نے انھیں دینار دیئے۔ تب وہ پہاڑ کے اندر داخل ہوئے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ پھر ایک آہنی دروازہ ملا جسے انھوں نے کھولا اور ہمیں ایک وسیع حجرے (بیت) میں لائے جسے پہاڑ میں خلا کر کے بنایا تھا اور یہاں تیرہ آدمی دیوار سے کمر لگائے پڑے تھے گویا کہ سو رہے ہیں۔ ان کے اوپر سر سے پاؤں تک خاکی رنگ کے لبادے اور قمیصیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہم نہ معلوم کر سکے کہ یہ کپڑے اون کے تھے یا بالوں کے یا اور کسی چیز کے۔ لیکن وہ زربفت سے زیادہ سخت تھے اور موٹے اور اعلیٰ قسم ہونے کے باعث (تہ پر سے) چٹختے تھے۔ سونے والوں میں سے کئی کو ہم نے بڑے موزے (خفّ) پہنے ہوئے پایا جو وسط پا تک چڑھے ہوئے تھے لیکن بعض کے پاؤں میں

باب ہفتم

صرف کف پائیاں (نعال) اوپر کے رُخ سے سلی ہوئی تھیں ان موزوں اور کف پائیوں کی سلائی بہت اچھی اور چمڑا ایسا تھا کہ میں نے کسی دوسری جگہ نہیں دیکھا۔ ہم نے یکے بعد دیگرے ان سب کے منہ کھولے اور یہ دیکھکر حیران رہ گئے کہ ان سب کے چہروں پر تندرستی اور زندہ اشخاص کی مثل سُرخ خون کا رنگ جھلکتا تھا۔ بعض کے بال سفید ہو چلے تھے اور بعض نوجوان، سیاہ بالوں والے تھے۔ بعض کی زلفیں نیچے لہراتی تھیں اور بعض محلوق تھے۔ قامت معمولی مسلمانوں کے سے تھے جب ہم آخری آدمی تک دیکھتے ہوئے آئے تو ہم نے اس آخری آدمی کو دیکھا کہ اس کا سر تلوار سے کٹا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج ہی کاٹا گیا ہے۔ ہم نے اپنے رہبروں سے دریافت کیا کہ ان سونے والوں کو کس طرح رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ (اصحاب کہف کے) تہوار کے دن معمول ہے کہ گرد و نواح کے لوگ غار کے دروازے پر جمع ہوتے ہیں اور پھر بعض ایام میں وہ ان سونے والوں یا نعشوں کو سیدھا کھڑا کر دیتے ہیں کہ انھیں صاف کر دیں اور ان کے کپڑے جھاڑ دیں۔ نیز ان کے ناخن تراش دیتے اور مونچھیں کتر دیتے ہیں اور اس کے بعد پھر اسی جگہ جس حالت میں ہم نے دیکھا، انھیں لٹا دیا جاتا ہے۔

پھر ہم نے اپنے رہبروں سے دریافت کیا کہ یہ کون اور کس مرتبے کے لوگ تھے اور کتنی مدت سے یہاں رکھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کی بعثت سے چار سو سال پہلے سے یہاں رکھے ہیں اور یہ خود بھی پیغمبر تھے جو کسی خاص مقام کے واسطے مبعوث ہوئے اور اس سے زیادہ ہمیں ان کے حال کی خبر نہیں ہے۔

"خاکسار کاتب عبداللہ (= یاقوت صاحب معجم البلدان) کہتا ہے کہ یہ سب حال میں نے ایک معتبر شخص کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کی صحت کا علم خدا ہی کو بہتر ہے۔" (یاقوت دوم، ۸۰۶)

باب ہفتم

اسی قسم کا ملتا جلتا حال مقدسی نے بھی لکھا ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس کی روایت میں یہ زیارت اس تاریخ سے، جو یاقوت نے لکھی ہے، تقریباً نوے سال بعد کی گئی تھی لہٰذا "راوی" کا نام بھی خواہی نخواہی دوسرا ہے۔ یہ لکھکر کہ طرسوس میرے زمانے (= ۹۸۵ء) میں یونانیوں کی حکومت میں ہے، مقدسی تحریر کرتا ہے کہ: "رہا سات سونے والوں کا غار، تو یہ اسی شہر طرسوس کے علاقے میں ہے۔ مزید برآں یہاں دقیانوس کا مقبرہ اور اس کے قریب پہاڑی کے اوپر وہ مسجد ہے جس کی نسبت کہتے ہیں کہ غار کے اوپر بنائی گئی تھی۔ فقیہ ابو عبداللہ محمد عمر البخاری نے ابوطالب الیمنی کے الفاظ کو مجھ سے نقل کیا اور ابوطالب کو یہ روایت سلسلہ بہ سلسلہ مجاہد ابن یزید سے پہنچی تھی جس نے کہا کہ "میں ان دنوں خالد البریدی کے ساتھ گیا جبکہ وہ ۱۰۲ھ = ۷۲۰ء میں بادشاہ روم کے پاس (قسطنطنیہ) سفیر بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اور ہم دو کے سوائے اور کوئی مسلمان شریک سفر نہ تھا۔ قسطنطنیہ ٹھہرنے کے بعد ہم عموریہ کے راستے واپس ہوئے اور وہاں سے چار رات چل کے لاذقیہ پہنچے جو آگ سے جل گیا تھا۔ یہاں سے ہم طیّہ آئے جو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اور یہاں ہم سے کہا گیا کہ اس جگہ کچھ مردے ہیں۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں مگر ان کی حفاظت کے لیے پاسبان مقرر ہیں۔ پھر لوگ ہمیں ایک سرنگ میں لے چلے جو تقریباً ۵۰ ذرع گہری اور کوئی دو ذرع چوڑی تھی۔ ہمارے ساتھ چراغ تھے۔ ناگہاں وسط سرنگ میں ایک آہنی دروازہ ملا اور یہ وہ جگہ ہے کہ عرب لوگ ان پر یورشیں کرتے تو وہ اپنے بال بچوں کو یہاں چھپا دیتے۔ اس جگہ خاصی وسیع، ویران و شکستہ عمارتیں پڑی تھیں اور بیچ میں زمین کے اندر ایک شگاف کوئی پندرہ ذرع چوڑا، پانی سے بھرا ہوا تھا، اور یہاں سے آسمان دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے کھوخاص پہاڑوں کے پیٹ میں اندر ہی اندر چلی گئی تھی اور ہم اس کے ذریعے خود الہو یہ بستی کے عین نیچے پہنچ گئے جہاں ۲۰ ذرع کے قریب گہرا ایک حجرہ تھا۔ اس میں ایک دوسرے کے پیچھے ۱۳ آدمی پڑے تھے اور ہر ایک پر لبادہ تھا۔ میں یہ نہ معلوم کر سکا کہ

باب ہفتم

یا اون کا کپڑا ہے یا بالوں کا لیکن لبادوں کا رنگ خاکی کپڑے کی مثل مدھم بھورا تھا اور وہ کاغذ کی طرح دبانے سے چڑ چڑاتا تھا۔ ہر ایک کا لبادہ جس پر کنارہ ٹکا ہوا تھا، چہرے اور ہاتھ پاؤں کو چھپائے ہوئے تھا۔ ان میں بعض وسط ساق تک موزے، بعض کف پائیاں اور بعض جوتے پہنے ہوئے تھے۔ لیکن ہر چیز بالکل نئی تھی۔ ایک شخص کا چہرہ میں نے کھول کر دیکھا تو سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل متغیر نہیں ہوئے تھے اور چہرے کی کھال میں چمک اور رخساروں میں خون نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ابھی ابھی لیٹ گئے ہیں اور سب جوان ہیں بجز دو تین کے، جن کے بال سفید ہو چلے تھے۔ طرفہ تر یہ کہ ان میں سے ایک کا سر کٹا ہوا تھا اور جب ہم نے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے ہم سے کہا کہ "جب عربوں نے ہم پر حملہ کیا اور الہویہ پر قابض ہو گئے تو ہم نے ان (مردہ) آدمیوں کا حال انھیں سنایا مگر انھوں نے یقین نہیں کیا اور ایک عرب نے (تلوار) سے اس ایک نعش کا سر اڑا دیا"۔

الہویہ والوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ہر سال کے شروع میں ان کے تہوار کے دن لوگ اس کھوہ میں جمع ہوتے ہیں اور باری باری ہر نعش کو سیدھا کھڑا کر کے غسل دیتے، کپڑے جھاڑتے اور درست کر دیتے ہیں پھر انھیں یوں ہی گرنے نہیں دیا جاتا بلکہ اسی وضع سے بہ احتیاط لٹا دیتے ہیں جس وضع میں ہم نے انھیں دیکھا اور یہ کہ سال میں تین مرتبہ ان کے ناخن تراشے جاتے ہیں جو (ابھی تک) بڑھتے رہتے ہیں۔ تب ہم نے (یعنی مسلمان راوی نے) ان عجیب چیزوں کا سبب اور ان لوگوں کی اصلیت دریافت کی لیکن ہوئیہ والوں نے کہا کہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ البتہ اتنا اضافہ کیا کہ ہم انھیں (یعنی مُردوں کو) پیغمبر کہتے ہیں۔

آگے چل کے مذکورۂ صدر مجاہد اور خالد (راویوں) نے یہ بھی بیان کیا کہ خود ہمارا قیاس یہ ہوا کہ یہ (مُردہ) آدمی ضرور اصحاب کہف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔" (مقدسی۔ ۱۵۴)

باب ہفتم

تیسری روایت یاقوت نے نقل کی ہے۔ یہ زیارت مقدسی کی روا
کردہ سیاحت و زیارت سے ایک صدی سے کچھ اوپر مدت کے بعد
ہونی بیان کی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

"یہ خلیفہ الواثق (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ = ۸۴۲ء تا ۸۴۷ء) کہ اس نے محمد ابن موسیٰ المنجم کو یونان کے ملکوں میں بھیجا کہ اصحاب کہف و الرقیم کا پتا چلائے۔ اس محمد المنجم نے اپنی سیاحت کی حسب ذیل کیفیت لکھی ہے:

"اور ہم یونانیوں کے ملک میں پہنچے تو ناگہاں ایک چھوٹی پہاڑی ہمارے راستے میں آئی جو نیچے سے ایک ہزار ذرع سے زیادہ (محیط میں) نہ ہوگی۔ اس کے پہلو میں ایک راستہ تھا جس سے گزر کے ایک کھوہ میں پہنچتے ہیں اور کھوہ میں اندر ہی اندر تین سو قدم چل کے ایک رواق آتا ہے کہ چٹان تراش کر اس کے ستون بنائے اور ان ستونوں پر اس کے پیش کو قائم کیا ہے۔ چٹانوں میں اور بھی حجرے (بیوت) ترشے ہوئے ہیں اور انہی میں ایک قدآدم اونچے دروازے کا حجرہ ہے جو پتھر کے دروازے سے بند ہوتا ہے۔ وہ مُردہ اشخاص اسی حجرے کے اندر رکھے ہیں۔ ان کی پاسبانی کے واسطے ایک آدمی مع چند خواجہ سراؤں کے موجود تھا۔ پاسبان ہمیں بغیر کچھ دیکھے واپس کر دینا کیونکہ اس نے کہا کہ جو کوئی ان مردوں کو دیکھنے نیچے اتریگا، یقیناً اُسے کوئی جسمانی صدمہ یا تکلیف پہنچے گی۔ لیکن اس بناوٹ سے غالباً اصلی مطلب یہ تھا کہ وہاں کے حالات اس کو (اور اس کے ساتھ والوں ہی کو) معلوم رہیں اور دوسرے کو یہ بات حاصل نہ ہوئے۔ مگر میں نے اس سے کہا کہ "ہمیں ایک نظر دیکھ لینے دو۔ اور تم پر کسی قسم کا الزام نہ ہوگا" چنانچہ ہم بڑی مصیبت سے ایک ناہموار راستے سے چڑھے اور میرے ساتھ کے جوانوں میں سے ایک شخص میرے ہمراہ تھا۔ اور میں نے اُن (مُردہ آدمیوں) کو دیکھا۔ ان کے جسموں پر مصالحے ملے ہوئے تھے۔ بال نرم محسوس ہوتے تھے۔ اعضا پر ایلوے، اُبٹنے (مُر) اور کافور کی مالش کی تھی کہ (گلنے سڑنے سے) محفوظ رہیں۔ ان کی کھال ہڈیوں سے

باب ہفتم

چمٹی ہوئی تھی جسے میں نے ایک کا سینہ ٹٹول کر دیکھا اور وہاں کے بال سخت پائے۔ کپڑے جو وہ پہنے ہوئے تھے سخت چیز کے تھے۔"

جب ہم واپس ہوئے تو پاسبانوں نے کچھ کھانا ہمارے سامنے رکھا اور التجا کی کہ کھائیں۔ لیکن جب ہم نے کھانا چاہا اور چکھا تو متلی ہونے لگی اور جو کچھ کھایا تھا، الٹا نکل گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ ہمارے ساتھ حرمزدگی کرنی چاہتے تھے اور مطلب یہ تھا کہ ہم کو، یا کم از کم چند کو، مار ڈالیں تاکہ بادشاہ کے سامنے جو الفاظ کہے تھے کہ اصحاب الرقیم سے ہم کو صدمہ پہنچے گا، اس حیلہ سازی کی تصدیق ہو جائے۔ تب ہم نے ان پاسبانوں سے کہا کہ "ہمارا خیال تھا کہ وہ زندہ لوگ ہونگے جو مُردہ بن کے پڑ گئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس قسم کے نہیں ہیں" اور ان سے رخصت ہو کے اپنا راستہ لیا"

(یاقوت، دوم، ۸۰۵)لہ

البیرونی جس نے ۳۹۰ھ (= ۱۰۰۰ء) میں اپنی کتاب لکھی، ان سات سونے والوں کے غار کے متعلق جو مختلف روایات مشہور تھیں، ان کا تذکرہ کرتا ہے اور اپنی طرف سے بعض کام کی باتیں لکھتا ہے۔ ذیل میں ہم پروفیسر سخاؤ کے عمدہ ترجمے سے اس کی عبارت کا اقتباس کرتے ہیں، جہاں شامی تقویم کے تہواروں پر جو باب ہے، اس کے ماہ تشرین اول (۱۔ اکتوبر) کی پانچویں تاریخ کے حال میں یہ عبارت تحریر ہے:

یہ اِفی سُس کے سات سونے والوں کی، جن کا قرآن شریف میں ذکر ہے، یادگار کا دن ہے۔ خلیفہ المستعصم نے اپنے سفیر کے ساتھ ایک اور شخص بھی (رُوم) بھیجا تھا جس نے اپنی آنکھ سے ان سات سونے والوں کو دیکھا اور اپنے ہاتھ سے انھیں چھُوا۔ یہ کیفیت سب کو معلوم ہے لیکن یہ جتا دینا ضروری ہے کہ وہ شخص جس نے انھیں ہاتھ لگا کے دیکھا، یعنی محمد ابن موسیٰ ابن شاکر، خود ناظرین کو تردد میں ڈال دیتا ہے کہ آیا یہ واقعی انہی

لہ:۔ ترجمہ انگریزی "آثار الباقیہ" صفحہ ۲۸۵ مطبوعہ ۱۸۷۹ء

سات نوجوانوں کی نعشیں ہیں، یا دوسرے لوگوں کی بالفاظ دیگر کوئی فریب تو نہیں ہے علی ابن یحییٰ المنجم بیان کرتا ہے کہ اپنی سفارت سے واپسی کے وقت وہ خاص ان کے مقام تک پہنچ گیا جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے کہ نیچے اس کے محیط کا قطر ہزار گز سے بھی کچھ کم ہوگا۔ باہر سے ایک زمین دوز نلا نظر آتا ہے جو پہاڑی کے اندر تک پہنچتا اور وہاں تین سو قدم کے فاصلے تک زمین کے ایک گہرے غار سے گزرا ہے۔ پھر پہاڑی کے اندر ایک نیم کشادہ دالان سا بنا ہوا ہے، جہاں یہ نلا ختم ہوتا ہے۔ دالان مسام دار ستونوں پر قائم ہے اور اس کے الگ الگ کئی حجرے یا حصے ہیں۔ یہاں وہ (= علی ابن یحییٰ) کہتا ہے کہ میں نے تیرہ مرد دیکھے، جن میں ایک بے ریش نوجوان بھی تھا، اور یہ سب اونی لبادے اور اونی کپڑے، اور موزے اور جوتے پہنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کے سر کے بال میں نے چھوئے اور انھیں سیدھا لٹانا چاہا مگر وہ سیدھے نہیں ہوئے۔ ان کی تعداد کے سات سے، جو مسلمانوں کی روایت ہے۔ اور آٹھ سے جو نصاریٰ کی روایت ہے، زیادہ ہونے کا سبب یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض راہبوں کو بھی جو اس مقام پر مرے، اِن نعشوں میں شامل کر دیا گیا۔۔۔

ان سونے والوں کے ناموں کی نسبت بھی چند کلمے لکھنے مناسب ہوں گے جن سے ظاہر ہو کہ "ایکٹا سینک ٹورم" جلد ششم اور اسیمانی کی "ببلیوتھی کا۔۔۔" (جلد اول ۔۔۔) کے رواۃ نے ان کے کیا نام بتائے ہیں؟

مغربی کتب میں ان سات سونے والوں کا ذکر سب سے پہلے گریگوری (باشندہ تور) کی کتاب "گلوریا ماریترم" (جلد اول، ۹) ملتا ہے جہاں مصنف نے ان کی تعداد سات اور یہ نام بتلائے ہیں: کلیمنس، پریموس، لی تس، تھیوڈورس، گودنیس، کی ریاکوس، یا کوی ریاکوس اور انوسین تیس۔ رومی "ایکٹا سینگ ٹورم" کی سرکاری فہرست میں ان کے نام لاطینی زبان میں یہ لکھے ہیں: میکسی میانوس، کونس ٹین ٹینوس، مالکوس،

باب ہفتم

سیرآپیون، مارتی نیانوس، ڈایونی سیس اور جوہانیس ۔ یونانی میں پہلے دو ناموں میں خفیف تغیر ہوا ہے اور مالکوس و سیرآپیون کی بجائے ایک کوس تو دیانوس اور جیمبلی کوس تحریر ہیں ۔

اسیمانی اپنی "ببلیو تھی کا" میں، یعقوبی فرقے کے بطریق ڈایونی سیس کی تحریر سے حسب ذیل نام اخذ کرتا ہے، جو تعداد میں بھی آٹھ ہیں:
میکسی می لیانوس، جمبلی کوس، سیرآپیون، مارتی نیانوس، جوہانیس ایکسوس تا دیانوس، ڈایونی سیئس اور انتونی نوس ۔

شہدا کی دو اور فہرستوں سے ذیل کے سات سات نام بھی "ایکٹا سینک ٹورم" میں منقول ہیں ۔

روسی: میکسی می لیانوس، ڈایونی سیئس، آئے ملی کوس، مارتی نوس، انٹونی نس، جوہانیس، مارسیلیس ۔

حبشی: (جیسا کہ جوبوس لوڈلفس نے اپنی حبشی تقویم، صفحہ ۳۶۴ میں دئے ہیں) ارشلیدس، دایومدس، یوجینیئس، دماتھیئس، بروناتھیئس، ستیفس، کی ریاکوس ۔

عرب۔ محدث، ابن عباسؓ کی جو فہرست ہم نے اوپر نقل کی (صفحہ ۳۴۴) اس کے نام بے شبہ کسی قدر مسخ ہو گئے ہیں۔ یوتی کیئس (مدونہ پوکاک، جلد اول صفحہ ۳۹۰، متن) میں ان ناموں کی صورت یہ ہے:۔
میکسی میانوس، املی خس، دیانوس، مرتی نوس، دیونی سیوس، انتینوس، اور یوحنا ۔

کتب شہدا کے مصنفوں کو بھی اس اختلاف اسماء کی توجیہ مناسب نظر آئی۔ ایکتا مین، میڈی کیئن کتب خانہ کے ایک قلمی نسخے کے گمنام یونانی مصنف، نیز بوئی نس میمبری ٹیئس کی رائیں نقل کی ہیں جو اس بارے میں متفق ہیں کہ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ایک فہرست میں تو ان اشخاص کے وہ نام دئے گئے ہیں جو حالت کفر میں تھے اور دوسری میں وہ نام ہیں جو بپتسمہ لینے کے بعد انھوں نے اختیار کئے ۔

زغر[۱] اور بلاد لوط

قدیم عرب مورخوں نے جس زغر کا بار بار تذکرہ کیا ہے، وہ صلیبی وقائع نویسوں کا "سگور" ہے کہ بحرِ لوط کے جنوبی سرے پر واقع تھا۔ توراۃ کے قریۂ زور لوط کا اسی مقام پر ہونا، کسی قدر مشتبہ ہے جس کی اتنی صدیاں گزرنے کے بعد تحقیق و توثیق دشوار ہے اور جب اس بات کو پیش نظر رکھئے کہ "کتاب آفرینش" میں آثار و خطط کے متعلق نہایت اجمال وا بہام سے کام لیا گیا ہے تو یہ دشواری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ بعض صاحبوں نے[۲] لکھا ہے کہ عرب جغرافیہ نویس زغر کا مقام اریحا کے قریب بحر لوط کا شمالی سرا بتاتے ہیں۔ اور اس سند پر انھوں نے "زور لوط" کو تل الشغور قرار دیا ہے، جو اردن کی دلدل کے قریب ہی مشرق میں واقع ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب جغرافیہ نویس زغر کا مقام بحر لوط کا جنوبی سرا بتانے میں بالکل متفق ہیں اور جوزی فس نے جو روایت نقل کی ہے، اس کی گویا تصدیق کرتے ہیں۔ اس روایت کا دوسرے قدیم مسیحی مصنفوں نے بھی اتباع کیا ہے اور بحر لوط کی نسبت لکھا ہے کہ وہ شمال میں اریحا سے لے کے، جنوب میں سگور تک پھیلا ہوا ہے۔

عرب جغرافیوں کے سمجھنے میں غلطی کا سبب یقیناً یہ ہے کہ غور نام کے دو علاقوں میں خلط مبحث ہو گیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ وادی جو بحر لوط کے جنوب میں خلیج عقبہ تک آتی ہے، اسے بھی عرب "غور" ہی کہتے تھے (دیکھو صفحہ ۲۵) اور اس طرح یہ وادی اردن کی ہمنام تھی، جو بحر لوط کے شمال میں "غور اردن" کے نام سے مشہور ہے۔ ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

۱۔ اسے سغر یا صقر بھی املا کرتے ہیں۔

۲۔ خاص کر ڈاکٹر صلاح میرل نے۔ "دا ایسٹ اوف جورڈن ۲۳۲"

باب ہفتم

عہد وسطیٰ کے عرب مصنف حضرت لوط کے شہر زُغر سے ایسی ہی اچھی طرح واقف تھے جیسے یروشلم یا دمشق سے وہ جنوبی شام کا سب سے مشہور تجارتی مرکز اور ولایت الشراۃ کا صدر مقام، اور کاروبار کی وسعت میں بغداد کی بندرگاہ بصرے کا مدمقابل تھا۔ خلاصہ یہ کہ یہ زُغر، بحر لوط کے جنوب میں اریحا سے دو، یروشلم سے تین، معتب (قریب قرق) سے ایک اور خلیج عقبہ سے چار دن کی منزل پر واقع تھا اور ان سب پتوں کے ہوتے ساتھی یہ ممکن نہیں ہے کہ اس سے غور اُردن کے پار اریحا کے مقابل کا کوئی شہر مراد ہو۔

مگر زغر کے صحیح مقام کا تعین کرنے کے لیئے ایک قطعی شہادت ابوالفدا پیش کرتا ہے جس نے اس بستی کا طول بلد لکھدیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ عرب جغرافیہ نویسوں کے طول و عرض بلد کے درجے اور دقیقے ہمیشہ بالکل درست نہیں ہوتے لیکن مقامات کا محل وقوع متعین کرنے میں وہ قابل اعتماد ہوتے ہیں اور پیش نظر معاملے کو حل کرنے کے لیئے بالکل کافی ہیں۔ ذیل کے اعداد سے ثابت ہوگا کہ زُغر بحر لوطؑ کے وسط سے جنوب میں تھا بخلاف اریحا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ اس مقام سے شمال میں بتایا گیا ہے۔ عرب اہل جغرافیہ اپنا عرض بلد ہماری طرح، خط استوا سے شروع کرتے اور شمال سے جنوب کی طرف شمار کرتے تھے۔ اور طول بلد، بحر اوقیانوس کے جزائر فورچونیٹ سے از مغرب بجانب مشرق گنتے تھے۔

ابوالفداء کے تحریر کردہ اعداد یہ ہیں (صفحہ ۳۹ و ۴۸)۔

	عرض بلد شمالی	طول بلد مغربی
زُغر	۳۰° و کسر	۵۷ ۱/۶°
بحر لوطؑ کا خط وسطی	۳۱°	۳۹°
اریحا	۳۱° و کسر	۵۶ ۱/۳°
بیسان	۳۲ ۵/۶°	۵۸°

اس حساب سے زغرؔ، اریحا سے عرض بلد کا ایک درجہ جنوب میں واقع تھا۔

وہ عجیب روایت جو یاقوت نے حضرت لوطؑ کی دو بیٹیوں کی نسبت لکھی ہے (دیکھو آیندہ اوراق) اور ان کا زغر و عمان سے تعلق ظاہر کرتی ہے دراصل ربیّوں کی روایات سے ماخوذ ہے جن میں کتاب آفرینش کے باب نوزدہم کے بیان کو پھیلا دیا ہے۔ اور یہ قدیم بیان اموّن (عمان) اور موآب (= معب) کی تعمیر کے متعلق ہے۔ حضرت لوطؑ کی ان دو بیٹیوں کے نام آرامی خط میں "ربیثہ بزرگ" اور "سعیرتہ خرد" تحریر ہیں جو عربی میں رُبّہ یا رَبّہ اور صغر یا زُغر ہو گئے۔ رُبّہ ایک نکتہ کی غلطی سے کبھی کبھی رِیّہ بھی لکھا گیا ہے لیکن اس کی صحت یاقوت کی معجم البلدان سے ثابت ہے کہ اس میں یہ لفظ "ر، ب" کی تختی کے تحت میں درج ہے نہ کہ "ر، ی" کی۔

رہے میدان کے شہروں کے نام، جس طرح کہ انھیں مسعودی اور یاقوت نے قلمبند کیا ہے[1] تو اس خیال سے کہ آج کل بعض آثار قدیمہ کی بنا پر غلط فہمی نہ پیدا ہو، یہ بات جتا دینے کے لائق ہے کہ گوموره، عاموره کی صورت میں موجود ہے اور اس کا پہلا حرف غ، ع سے بدل گیا ہے۔ اس طرح توراۃ کے قدیم نام کو جو عبرانی میں اموره لکھا جاتا تھا اور پھر مجلس ہفتاد کے یونانی ترجمے کی تقلید میں اہل یورپ اسے گوموره تلفظ کرنے لگے تھے، عربی میں محفوظ رکھا گیا ہے۔

ہر چند زُغر، ارمنۂ وسطیٰ میں ایسا بڑا اور مشہور شہر تھا لیکن آج کل اس کا بظاہر کوئی نشان باقی نہیں ہے، کم سے کم سیاحوں نے جو ہمارے زمانے میں بحر لوط کے جنوبی ساحلوں تک گئے، اس کا کوئی حال تحریر نہیں کیا۔

[1] سگور، سدوم، اور گوموره پر تفصیلی بحث ایم گینو کے مضمون میں ملیگی جو فلسطین کی مجلس تحقیقات کی سہ ماہی کیفیت (بابت سنہ ۱۸۸۶ء، صفحہ ۱۹) میں چھپ چکا ہے۔

باب ہفتم

دوسرے بلادِ لوط کی نسبت بھی جن کا عرب جغرافیہ نویس ذکر کرتے ہیں یہی قول صادق آتا ہے ۔

زغر کا سب سے قدیم احوال جو ہم تک پہنچا، اصطخری اور ابن حوقل نے دسویں صدی کے نصف آخر میں تحریر کیا ہے ۔

"زغر بہت گرم بستی ہے جو صحرا کے بالکل قریب گرم علاقے میں واقع ہے لیکن اس میں بہت سی اچھی چیزیں ہیں ۔ یہاں کے لوگ نیل کی کاشت کرتے ہیں اگرچہ وہ رنگنے میں کابل کے نیل کے برابر نہیں ہوتا ۔ شہر میں بہت کچھ تجارت ہوتی ہے اور اس کی منڈیوں میں بڑی آمد و رفت رہتی ہے ۔ زغر میں تازہ کھجور کی ایک قسم الانقلا[1] کہلاتی ہے کہ حسن صوری اور شیرینی میں اس کی مثل کوئی کھجور عراق میں یا اور کہیں نہیں ملیگی ۔ اس کا رنگ زعفرانی اور قسم نہایت عمدہ ہوتی ہے اور چار کھجوریں ملکر ایک بالشت لمبی ہوجاتی ہیں ۔ (یا) وزن میں ایک رطل نکلتی ہیں"

ابن حوقل ۱۲۲

دیار قوم لوط کو مقلوب یا ملعون سرزمین کہتے ہیں ۔ اس میں نہ کوئی بیج بویا جاتا ہے نہ کسی قسم کی نباتات ہوتی ہے اور نہ شیر و ر مویشی پالے جاتے ہیں ۔ یہ ایک سیاہ میدان ہے جس پر برابر کی جسامت کے پتھر بکھرے ہوئے ہیں ۔ ظاہرا یہی وہ نشان زدہ یا "مسومہ" پتھر ہیں جن کا قرآن شریف میں ذکر آیا ہے (سورۂ ہود آیہ ۸۴) اور جو قوم لوط[2] پر برسائے گئے تھے ۔ اکثر پتھروں پر اس قسم کا نقش سا پڑا ہوا ہے کہ جیسا مہر کرنے سے ہوجاتا ہے اور صورت میں وہ پنیر سے ملتے جلتے ہیں اور اپنی جسامت اور گولائی کے اعتبار سے حیرت انگیز ہیں ۔" (اصطخری، ۴۹ ۔ ابن حوقل ۱۲۴ نقل کردہ ابو الفدا، ۲۲۸) ۔

---

[1] ۔ عجب نہیں کہ قدیم زمانہ میں جس کھجور کو نکولادی کہتے تھے وہ یہی "انقلا" ہو ۔ ملاحظہ ہو مودر، فینیقیا جلد سوم ۔ حصۂ اول ۳۳۴ ۔

باب ہفتم

مسعودی ۹۴۳ء میں رقم کرتا ہے کہ "بلادِ قومِ لوط ولایت فلسطین علاقہ اُردن میں واقع تھے۔ یہ تعداد میں پانچ شہر تھے اور سدوم ان کا صدر مقام تھا۔ ہر ایک کا بادشاہ جو نوبت بہ نوبت تخت نشین ہوا نام بارع تھا، جیسا کہ توراۃ میں تحریر ہے[1]۔" (مسعودی، سوم ۲۲۲)؛

"ان پانچ بلادِ لوطؑ کے نام یہ تھے:- سدوم، عمورہ، غومورہ، ادموطا (= ادمہ) صاعورا (زوغر) اور صابورا (زبوام)" (مسعودی اول، ۵۸)؛

زغر کی نسبت مقدسی نے دسویں صدی میں یہ عبارت لکھی ہے:-

"اس شہر کے ہمسائے میں جو دو ضلعے ہیں، وہاں کے لوگ اسے (یعنی زغر کو) "سقر" (یعنی دوزخ) لکھتے ہیں اور بیت المقدس کا ایک باشندہ یہاں سے اپنے ہموطن دوستوں کو ہمیشہ اس طرح خط لکھا کرتا تھا "از سقرِ اسفل، بخدمت اہلِ فردوس بریں" اور حقیقت میں یہ علاقہ پردیسی کے حق میں بلائے جان ہے کیونکہ اس کا پانی نفرت کے قابل ہوتا ہے اور جسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پاس ملک الموت آنے میں دیر لگا رہا ہے تو وہ یہاں آجائے۔ کیونکہ دنیائے اسلام میں اس سے بدتر آب و ہوا کا مقام میرے علم میں نہیں ہے۔ میں نے اور بھی وبازدہ مقامات دیکھے ہیں لیکن کوئی جگہ، حتیٰ کہ جرجان (ایران) بھی اس سے بدتر نہ ہوگا۔ اس کے باشندوں کی جلد کالی اور موٹی ہے۔ پانی ایسا گرم کہ گویا آتش سقر پر رکھا ہوا ہے۔ لیکن دوسری طرف دیکھئے تو اس میں تجارت کی گرم بازاری ایک حد تک ویسی ہے جیسی بصرے میں اور بیوپار میں بہت نفع ہوتا ہے۔ اس کی آبادی بحرِ لوط کے کنارے پر واقع اور دراصل بلادِ لوطؑ کی باقیات سے ہے۔ یہاں کے باشندے ان بدفعلیوں سے واقف نہ تھے جو (قوم لوط کے) دوسرے شہروں میں کی جاتی تھیں اور اس لئے

[1]: کتاب آفرینش۔ سورہ چہاردہم، ۲ — "انھوں نے براشاہ سدوم سے جنگ کی"؛

باب ہفتم تباہی سے بچ گئے۔ شہر کے قریب ہی پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو آبادی پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔" (مقدسی، ۱۷۸۔ نقل کردہ یاقوت۔ سوم ۳۹۶)

فلسطین و حجاز، یا بالفاظ دیگر رملہ و ویلہ کے درمیان وہ پتھر ملتے ہیں جو قوم لوط پر برسائے گئے تھے۔ یہ جیوں کی شاہ راہ کے کنارے پڑے ہیں۔ ان پر دھاریاں ہیں اور چھوٹے بڑے دونوں قسم کے ہیں۔" (مقدسی، ۱۸۵)

حضرت لوطؑ کی بیٹیوں کی روایت یاقوت نے لکھی اور دو جگہ دہرائی ہے اور عمان کے حال میں بھی اس کا اشارہ کیا ہے (دیکھو حصۂ دوم) مسلمانوں کی بعض اور روایات، یعنی قیامت کے واقعات سے بھی زغر کا تعلق ہے۔

یاقوت کا بیان حسب ذیل ہے:-

"زغر، بحر لوط کے کنارے پر آباد اور شام کے مشرقی اضلاع کا گاؤں ہے اسی کے نام سے جھیل کو بحر زغر کہتے ہیں۔ یہ الفرق کے قریب ہے۔ اصل میں زغر حضرت لوطؑ کی بیٹی کا نام تھا جو اس مقام پر رہتی تھیں اور انہی کے نام پر یہ بستی موسوم ہوئی۔ یہ بیت المقدس سے تین منزل سرحد حجاز پر واقع ہے اور یہاں بہت سی مزروعہ زمین ہے۔ جاسوس کی حدیث میں، جسے الجساسہ کہتے ہیں زغر کا ذکر آتا ہے۔ جساسہ وہ جانور (دابہ) ہے جو سمندر کے جزیروں میں رہتا اور چوری سے خبریں سنکر الدجال کو پہنچاتا ہے۔ اسے "دابۃ الارض" بھی کہتے ہیں۔ اخیر زمانے میں یہاں کا چشمہ عین زغر زمین میں دھنس جائے گا۔ اور یہ قرب قیامت کی ایک نشانی ہوگی۔"

قبیلہ تمیم الداری کا ایک شخص بیان کرتا ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی باد مخالف کے تھپیڑے کھاتے ہوئے، سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے اور وہاں انھیں ایک جانور ملا۔ انھوں نے سوال کیا "تو کون ہے؟"

باب ہفتم

اس نے جواب دیا ''میں وہ ہوں جو جاسوسی کرتی ہے؟'' پھر ہم نے اس سے خبریں دریافت کیں تو اس نے جواب دیا کہ ''اگر تم خبریں چاہتے ہو تو اس خانقاہ میں جاؤ۔ وہاں ایک شخص تم سے ملنا چاہتا ہے'' تب یہ لوگ اس شخص کے پاس گئے اور اس نے ان سے کہا کہ تم پر لازم ہے کہ مجھے آگاہ کرو اور خبریں سناؤ۔ پھر وہ پوچھنے لگا کہ ''طبریہ کی جھیل کیا کرتی ہے؟'' انھوں نے جواب دیا'' وہ اپنے کناروں کے اندر (متحرک) ہے'، اس نے پوچھا'' عمان اور بیسان کا ناریل کیا کرتا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ'' لوگ اس کے پھل چنتے ہیں'' پھر پوچھا وو عین زغر کیا کرتا ہے؟'' انھوں نے کہا'' لوگ اس کا پانی پیتے ہیں۔'' تب اس نے کہا کہ'' اگر وہ خشک ہو جاتا تو میں اپنا عہد توڑ دیتا اور تمام پانی کے مقامات اپنے قدموں سے روند ڈالتا، بجز ان کے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہیں'' اور یہ زغر وہ ہے جو بحر لوط کے بازو میں واقع ہے''۔

اس کے سوا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قوم لوطؑ برباد ہوئی تو حضرت لوطؑ اپنی بیٹیوں کو لے کر فرار ہوئے کہ شام کے ملک میں چلے جائیں لیکن پہلے ان کی بڑی بیٹی ربہ فوت ہوئی اور اس چشمے کے قریب دفن کی گئی جو اس کے نام پر عین ربہ موسوم ہوا۔ پھر چھوٹی بیٹی نے جس کا نام زغر تھا، وفات پائی اور ایک دوسرے چشمے کے قریب دفن کی گئی جو اس کے نام پر عین زغر کہلانے لگا''

یہ وادی (جس میں زغر واقع ہے) نہایت بری آب و ہوا کی جگہ ہے اور یہاں کے باشندے محض وطن ہونے کے باعث اسے چھوڑ کر نہیں جاتے اکثر سنین میں انھیں وبائیں ستاتی ہیں اور ہر وبا ان کی تعداد اکثر کو ہلاک کر دیتی ہے۔'' (یاقوت۔ دوم ۹۲۴، مراصد اول ۵۱۴)''

ان مصنفوں کے قول کے بموجب زغر کی املا صُغر و سُقر بھی کیجاتی

ہے"۔ (یاقوت۔سوم، ۲۹۶؛ مراصد۔دوم، ۱۵۹)۔

یاقوت کے دوسرے بیان کردہ قریئے یہ ہیں:۔

داذوما "قوم لوطؑ کا ایک گاؤں"۔ (یاقوت۔دوم، ۵۱۶، مراصد۔اول، ۳۸۱) ممکن ہے کہ یہ توراۃ کا ادمہ ہو۔

عمورہ (غوموره) کو "عبرانی لفظ اور بلادِ قوم لوط کا ایک قریہ" بتاتا ہے (سوم، ۵۹۴)۔

"سادوم قوم لوط کی ایک بستی ہے۔ لیکن مدائنی اسے ضلع حلب کے شہر سرمین کے مرادف بتاتا ہے جو مشہور و آباد جگہ ہے۔ یہاں ایک قانون نافذ ہے کہ زنا کرنے والے سے (صرف) چار درہم جرمانہ لیا جائے گا"۔ (یاقوت۔سوم، ۵۹؛ مراصد دوم، ۱۸)۔

سبوائیم (سبوآم یا زبوام) قوم لوط کا ایک شہر"۔ (یاقوت سوم، ۳۶۔ مراصد۔دوم، ۱۴۶)۔

آخری جگہ الرَّبہ (یا راے مفتوح کے ساتھ)، کے عنوان سے یاقوت نے حضرت لوطؑ کی بیٹیوں کا قصہ دوبارہ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:"

"الرّبہ، غور کی طرف ایک گاؤں ہے جو ولایت اُردن و ولایت بلقا کی زمینوں کے درمیان واقع ہے۔ ابن عباس کی روایت کے بموجب جس وقت حضرت لوطؑ نے وطن سے ہجرت کی تو دو بیٹیاں آنحضرتؑ کے ساتھ تھیں جن میں سے ایک کا نام ربہ اور دوسری کا صُغر تھا۔ ان میں سے بڑی، یعنی ربہ فوت ہوئی اور ایک چشمے کے قریب دفن کی گئی جسے اس کے نام پر عین ربہ کہنے لگے اور بعد میں وہیں قصبہ ربہ کی بنا پڑی۔ اور زغر یا صُغر (چھوٹی بیٹی) عین زغر کے قریب فوت ہوئی جو اسی طرح اس کے نام سے موسوم کر دیا گیا"۔ (یاقوت۔دوم، ۷۵۲۔ مراصد۔اول، ۴۶۰)۔

زغر کے دوسرے حالات میں سے، صرف دمشقی کا ایک

باب ہفتم

فائدہ جو سنہ ۱۳ء کے قریب لکھا گیا، اس قابل ہے کہ یہاں ترجمہ کر دیا جائے ؎

"زغر، غور کے ضلع الصافیہ میں واقع ہے۔ یہاں ایک قسم کی کھجور ہوتی ہے جو عراق کے البرنی، اور الازاد نامی کھجوروں کے مثل ہے" (دمشقی، ۲۱۳) ؎

"زغر اور قریب کے شہروں کے درمیان کی مسافتیں کچھ اوپر دی جا چکی ہیں، ان کے علاوہ ذیل کے فاصلوں سے اس بات کا ایک اور ثبوت پیش کرنا مقصود ہے کہ یہ بستی، بحر لوط کے جنوبی سرے پر ہی واقع تھی ؎

زغر سے اریحا تک، دو دن (اصطخری، ابن حوقل، ادریسی)
" " جبل الشراۃ تک، ایک دن (" " ")
" " جبل الشراۃ کی آخری حدود تک دو دن (")
" " قادوس تک، نیز آب تک، ایک منزل (مقدسی)
" " ویلہ تک، ۴ منزلیں (")

بیر القلت[1]

یاقوت لکھتا ہے کہ "القلت، شام کا ایک مقام ہے جہاں کا ایک کنواں بیر القلت کہلاتا اور بہت مشہور ہے اس کنوئیں کی روایت حسب ذیل ہے:-

ہشام ابن محمد خبر دیتا ہے کہ اس سے ابن عبد الرحمٰن قریشی نے یہ روایت بیان کی جو خود اس نے شریک ابن حباشۃ النمیری کی بیوی

[1]:- نیز دیکھو صفحہ ۲۳۸) ؎

باب ہفتم

سے سنی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ "جس وقت خلیفہ حضرت عمرؓ بن الخطاب (مدینہ منورہ سے) شام کی طرف چلے تو ہم ان کے ہمرکاب تھے اور ہم ایک جگہ ٹھہرے جو القلت کہلاتی تھی۔ میرا شوہر کنوئیں سے پانی لینے گیا اور وہاں اس کا ڈول (بیر القلت میں) گر پڑا۔ اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے وہ اسے نہ نکال سکا۔ تب کسی نے اس سے کہا کہ رات ہونے تک ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ شام ہو گئی تو وہ اس کنوئیں میں اترا اور پھر واپس نہ آیا۔ دوسرے دن حضرت عمرؓ نے روانگی کا ارادہ کیا لیکن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کے گم ہو جانے کا حال کہا۔ تب وہ تین دن تک وہیں ٹھہرے رہے اور چوتھے دن روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ ناگہاں شریک نمودار ہوا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں چلا گیا تھا مگر اس نے جواب نہ دیا اور سیدھا امیر المومنین کے سامنے چلا آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک پتہ اس طرح مڑا ہوا تھا کہ پشت سامنے تھی اور رو نظر نہ آتی تھی بلکہ (اندر کے رخ) چھپی ہوئی تھی اس نے کہا "اے امیر المومنین، تحقیق (بیر) القلت میں مجھے ایک راستہ اور ایک شخص آتا ہوا ملا اور ایسی سرزمین میں لے گیا کہ آپ کی زمینوں میں اس کی مثل نہیں ہے اور اس میں جو باغ تھے ان کی مثل کوئی باغ اس دنیا میں نہیں ہے اور میں نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ دو لیکن اس نے جواب دیا کہ ایسی باتوں کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ پھر بھی یہ پتہ میں نے لے لیا اور دیکھئے یہ انجیر کے پتے جیسا ہے"۔ تب حضرت عمرؓ نے کعب احبار کو آواز دی اور فرمایا کہ "کیا تم نے یہود کی کتابوں میں نہیں دیکھا ہے کہ ہماری قوم کا ایک شخص فردوس میں داخل ہوگا اور پھر زندہ واپس آجائیگا؟" انھوں نے کہا "ہاں بیشک۔ اور اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو تو میں اسے بتا دونگا"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "وہ انہی میں سے ہے"۔ تب کعب نے ان سب پر نظر ڈالی اور کچھ دیر سوچکر کہا "وہ یہ ہے اور حضرت عمرؓ نے منادی کی کہ بنی نمیر کا لباس آئندہ سے

سبز رہے (جیسا کہ آج تک ہے)؛ ختم ہوئی روایت ہشام ابن محمد کی۔ (یاقوت۔ چہارم، ۱۵۷۔ مراصد دوم۔ ۴۳۹)؛

اورم اور پرانا ہیکل

یاقوت لکھتا ہے کہ "اورم" ولایت حلب کے چار مواضع ہیں جن کا نام اورم الکبریٰ، اورم الصغریٰ، اورم الجوزہ اور اورم البرامکہ ہے؛

اورم الجوز میں ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ یعنی ایک عمارت جو قدیم زمانے میں معبد تھا اور گرد و نواح کے دیہات کے لوگ دیکھا کرتے تھے کہ اس میں ایک سفید آگ کی روشنی چمک رہی ہے۔ لیکن جب وہ اس کے قریب آتے تو یہ روشنی غائب ہو جاتی اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتے۔ حلب کے چند اشخاص نے مجھ سے بیان کیا کہ اس عمارت میں پتھر کی تین لوحوں پر، قدیم تحریریں کتبے بھی کندہ تھے جن کے معنی حسب ذیل تھے۔ پہلی لوح جنوب کے رخ تھی جس پر لکھا تھا کہ:۔

"خدا ایک ہے۔ یہ عمارت مسیحا کے آنے سے تین سو اٹھائیس برس پہلے تکمیل کو پہنچی۔ علیہ السلام"؛

ڈیوڑھی کے اوپر والی لوح پر یہ کندہ تھا:۔

"سلام اس پر جس نے یہ عمارت تکمیل کو پہنچائی"

اور شمال کی طرف کی لوح پر یہ عبارت تھی:۔

"یہ مشرق کا نور، خدا کا محبوب ہے جو البربر کے زمانے میں، فتح مجدّد کے زمانے میں، شاہ اناذوس اور اناس البج کے زمانے میں جو اس مکان میں آئے تھے، ہمارے پاس آیا۔ اور قلاساس، قاصور

باب ہفتم

اور بلا بیا (کے زمانے میں ؟) ماہ ایلول کی ۱۲ تاریخ سنہ مذکورۂ بالا میں (خدا کرے کہ) دنیا کے اخیر و انتہا تک اور عہد صادق و عدل تک امن و سلامتی رہے۔" (یاقوت۔ اول' ۴۰۱۔ مراصد اول' ۱۰۲) ؎

عین الجارہ اور منہر

یاقوت کے بیان کے بموجب عین الجارہ کا علاقہ حلب کے قریب واقع ہے۔ اسی سلسلے میں وہ تحریر کرتا ہے کہ "ابو علی الطنوخی الحسین ابن بنت غلام الببغا نے مجھ سے ذیل کے حالات بیان کیے اور پھر تصدیق مزید کے لیے اپنے ہاتھ سے انھیں لکھ بھی دیا کہ :۔ حلب کی نواح میں ایک علاقہ عین الجارہ کہلاتا تھا اور اس کے اور الحوتہ کے مابین' جسے بعض لوگ الحوتہ بھی کہتے ہیں' ایک پتھر سیدھا استادہ تھا جیسا کہ دو علاقوں کے درمیان حد بندی کی غرض سے لگا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان دو علاقوں کے لوگوں میں کوئی جھگڑا ہوتا تو الحوتہ کے لوگ جاتے اور اس پتھر کو گرا دیا کرتے اور اس کے ساتھ ہی دونوں علاقوں کی عورتیں زر زیور سے آراستہ علانیہ گھروں سے باہر نکل آتیں' گویا کہ ان کی عقلیں جاتی رہیں' اور خود حرام کرانا چاہتی تھیں اور اس جنون میں جو اُن پر مسلط ہوتا' شرم و حیا کا کچھ پاس نہ کرتی تھیں۔ اس (بے حیائی) سے انھیں روکنے کے لیے مرد دوڑتے اور اس پتھر کو پھر جیسا پہلے تھا' سیدھا نصب کر دیتے جس کے بعد یہ عورتیں بھی اپنے گھروں کو واپس چلی جاتیں اور انھیں عقل آجاتی کہ ایسی حرکتیں جو موجب عار ہیں' نہ کریں ؎

مصنف (یاقوت) لکھتا ہے کہ میں نے حلب میں اس علاقے کے متعلق دریافت کیا اور لوگوں نے اس کا حال مجھے سنایا اور تذکرہ

باب ہفتم

کیا کہ اس کے قریب ایک گھاٹی میں، جو پہاڑی رو کی گزرگاہ معلوم ہوتی ہے، ایک ستون استادہ ہے کسی کو علم نہیں کہ یہ اصل میں کیا تھا نہ یہ لوگ اس قصے سے جو مجھ سے کہا گیا آگاہ تھے کہ جب یہ پتھر گرا دیا جاتا تو (ان علاقوں کی) عورتیں شہوانی جذبات سے مغلوب ہو جاتیں عین الجارہ مشہور علاقہ ہے جس سے اہل حلب بخوبی واقف ہیں" (یاقوت۔ سوم، ۶۰۷۔ مراصد۔ دوم، ۲۹۵)

عین الجارہ کے اس منحریا ستون کا قصہ اگر سچ ہو تو واقعی عجیب ہے۔ اس نام کا گاؤں آج کل حلب کے شمال مغرب میں اسکندرون کی سڑک کے قریب واقع ہے۔

بعلبک (ہیلیوپولس)

نویں صدی عیسوی میں یعقوبی تحریر کرتا ہے کہ "بعلبک شام کے نفیس ترین شہروں میں ہے۔ اس میں پتھر کی نہایت شاندار عمارتیں ہیں اور ایک عجیب و غریب چشمہ ہے جس سے ایک لبریز ندی نکلتی ہے۔ شہر کے اندر باغ و خیابان دونوں ہیں بہت سے ایرانی یہاں آ بسے ہیں" (۱۱۲ و ۱۱۴)

ابن الفقیہ کہتا ہے کہ "بعلبک کے پتھر شام کے عجائبات میں داخل ہیں۔ ان میں چھوٹے سے چھوٹا ۱۵ ذرع کا ہے بجالیکہ سب سے بڑا جو فصیل میں لگا ہوا ہے، یہ ایک ہی پتھر ۱۰ ذرع (= ۱۵ فیٹ) بلند، ۱۵ ذرع (۲۲ فیٹ) عریض اور ۴۵ ذرع (= ۶۷ فیٹ) طویل ہے[1]" (ابن الفقیہ۔ ۱۱۸)

[1] :- بیڈکر کے قول کے مطابق ("سیریا" صفحہ ۴۹۹) مندر کی مغربی دیوار کے تین سب سے

باب ہفتم

مسعودی ۹۴۳ءمیں لکھتا ہے کہ ''ولایت دمشق'' ضلع سینر کے شہر بعلبک میں بعل کا مندر تھا۔ قدیم یونانیوں نے اس مقام کو، جو جبل لبنان اور جبل سینر کے درمیان واقع ہے، بتوں کے واسطے بہترین جگہ سمجھ کر، اس مندر کی تعمیر کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مندر میں دو عمارتیں ہیں، ایک بڑی اور دوسری چھوٹی۔ اور دونوں میں سنگ تراشی کے عجیب وغریب نمونے نظر آتے ہیں کہ دوسری جگہ چوبی کام بھی ایسا نہیں ملے گا۔ لیکن چھت کی بلندی، پتھروں کا اتنا بڑا ہونا ستونوں کا طول اور سائبانوں کا عرض، یہ چیزیں اتنی تعجب انگیز نہیں ہیں جس قدر کہ خود عمارت مجموعی طور پر عجیب ہے'' (مسعودی۔ چہارم ۸۷)؏

اصطخری اور ابن حوقل لکھتے ہیں کہ ''بعلبک ولایت دمشق کا شہر ہے جو پہاڑی کی ڈھلان پر بنایا گیا ہے اس کی سب عمارتیں پتھر کی اور سنگین قصور و حصار بہت اونچے ستونوں کے بنے ہوئے ہیں۔ سارے شام میں اس سے زیادہ حیرت انگیز مقام یا اس سے زیادہ بڑی عمارتیں نہیں ہیں'' اصطخری۔ ۶۱۔ ابن حوقل ۱۱۶)؏

مقدسی کی ایک عبارت ہم اوپر نقل کر چکے ہیں (صفحہ ۲۴) دوسری جگہ یہی مصنف لکھتا ہے کہ ''بعلبک قدیم و قلعہ بند مقام ہے دھسوں کے اندر مزروعہ اراضی اور بہت سے کھنڈر ہیں۔ انگور کثرت سے ہوتا ہے۔ ولایت دمشق کے دوسرے شہروں کی طرح بعلبک خوشحال و خوشگوار مقام ہے اور ان قطعات میں واقع ہے جو نہر عاصی سے سیراب ہوتے ہیں۔ شام کا سب سے سرد مقام بعلبک سمجھا جاتا ہے اور یہاں کی مٹھائی ''ملبن'' مشہور ہے''۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ بڑے پتھر ۶۴، ۶۳ ½ اور ۶۳ فیٹ طویل اور مٹائی میں ۱۳ فیٹ ہیں۔ ان کے عرض کا (دیوار میں ہونے کے باعث) اندازہ نہیں ہو سکا؏

باب ہفتم

صفحہ ۱۶۰، ۱۷۹ و ۱۸۰) ؎

ادریسی نے ۱۱۵۴ء میں حسب ذیل کیفیت لکھی ہے: "بعلبک پہاڑ کے پہلو پر قلعہ بند بستی ہے۔ اس کی مورچہ بندی ایک سنگین فصیل سے کی گئی ہے جس کا آثار ۲۰ بالشت چوڑا ہے۔ بستی کے اکثر گھروں میں سے آب رواں گزرتا ہے۔ قریب کی ندی میں پن چکیاں اور (پانی نکالنے کی) چرخیاں لگی ہوئی ہیں بعلبک میں قسم قسم کی اجناس، کثرت سے نباتات اور میوے ہوتے ہیں۔ کوٹھوں انگور سے بھرے رہتے ہیں اور ہر طرح کے میوہ دار درخت موجود ہیں جس کے باعث سامان خورش ارزاں ہے۔" بعلبک میں عجیب عمارتیں اور کھنڈر پڑے ہیں جن کی شان اور پائیداری ملک ملک مشہور ہے۔ ان میں بھی سب سے عجیب دو عمارتیں ہیں جو پہلے (ملعبین) تماشا گاہیں تھیں۔ ایک بڑی ہے اور ایک چھوٹی۔ اور بڑی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت سلیمانؑ ابن داودؑ کے عہد میں تعمیر کیا گیا اور حقیقت میں اسے دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے اس میں دس دس ہاتھ کے لمبے اور بعض کم (اور بعض اس سے بھی بڑے) پتھر لگائے ہیں اور ایک حصہ اونچے اونچے کھمبوں پر اس طرح بنایا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ چھوٹی تماشا گاہ کا اکثر حصہ گر کر کھنڈر ہو گیا ہے اور اس کی شان و خوبی بھی قصۂ ماضی رہ گئی ہے۔ آج کل اس کی چار دیواری کا صرف ایک حصہ کوئی ۲۰ ہاتھ طویل سلامت ہے جو فرش سے ۲۰ ہاتھ بلند ہے اگرچہ اس کی تعمیر میں صرف سات ڈالین (پتھر کی) صرف ہوئی ہیں اور ان میں بھی ایک تہ کے اندر اور اس پر دو ڈالین دھری ہیں جن کے اوپر باقی چار ڈالوں سے دیوار پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعلبک میں اور بھی ہر قسم کی حیرت انگیز عمارتیں موجود ہیں" (ادریسی، ۱۵) ؎

یاقوت نے عام الفاظ میں بعلبک کے حیرت انگیز آثار قدیمہ کا

باب ہفتم

ذکر کیا ہے جن میں سنگ مرمر کے ستونوں کے عالیشان محلات بھی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ شہر ساحل سے ۱۲ فرسخ اور دمشق سے ۳ دن کی راہ پر ہے۔ بعل ایک دیوتا کا نام تھا اور "بک" اس کی گردن یا جسم کا پتلا حصہ ہے۔ کہتے ہیں یہ شہر بھی (سبا کی) ملکہ بلقیس کے جہیز میں داخل تھا اور یہاں حضرت سلیمانؑ کا محل ستونوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت جب دمشق تسخیر ہوا تو بعلبک نے اطاعت قبول کر لی۔ جبل سنیر اس شہر کا پہاڑ ہے جس پر یونانیوں نے ایک بت خانہ تعمیر کیا تھا۔ بعل اس قوم کا بت تھا جس کی ہدایت کے لیے حضرت الیاسؑ مبعوث ہوئے۔ یہاں ایک چھوٹا اور ایک بڑا، دو مندر ہیں جن میں حیرت انگیز سنگ تراشی کا کام کیا ہے کہ گویا پتھر لکڑی تھا۔ اور ان میں بلند ستون ہیں۔" (یاقوت۔ اول، ۶۷۲ و ۶۷۵؛ مراصد۔ اول، ۱۶۲) نیز

دمشقی لکھتا ہے کہ "بعلبک بہت قدیم شہر ہے جس میں حضرت ابراہیم، موسیٰ اور سلیمان علیہم السلام اور یونانیوں کے زمانوں کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔ یہاں ۴۰، ۴۰ ذرع اونچے ستون نصب ہیں اور اس میں نیچے کا حصہ جو بنیاد میں دبا ہوا ہے، محسوب نہیں کیا ہے۔ ان ستونوں کو پتھر کی بڑی بڑی ڈالوں سے باہم ملایا ہے جو پایہ بہ پایہ جاتی ہیں۔ بعلبک کے قصر یا بالا حصار میں دو برج ہیں جن کی دیواروں میں تین پتھر اس قدر بڑے لگائے ہیں کہ ۳۶ قدم طول میں اور آدمی کے دو قد کے برابر بلندی میں اور فصیل کے پورے آثار کے برابر عرض میں ہیں۔ اسی قصر میں ایک کنواں بیر رحمۃ کہلاتا ہے اور لوگوں کا بیان ہے کہ امن کے زمانے میں اس کے اندر کبھی پانی نہیں ہوتا لیکن جب کبھی اس قلعہ کا محاصرہ کیا جائے اور مصیبت و خوف کا وقت آئے، تو یہ پانی سے بھر جاتا ہے اور جب تک امن و صلح ہو لوگوں کو کافی پانی دیتا رہتا ہے اور امن ہوتے ہی پھر غائب ہو جاتا ہے۔"

(دمشقی، ۱۹۹)۔

ابوالفدا، دمشقی سے چند سال بعد یعنی ۱۳۲۱ء میں تحریر کرتا ہے کہ "ولایت دمشق میں بعلبک پہاڑیوں میں واقع ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے اور اس کی فصیلیں اور مضبوط قلعہ نہایت خوبی سے بنا ہوا ہے اس میں اشجار، انہار، چشمے اور اچھی اچھی چیزیں موجود ہیں۔ مہلبی کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں صابیوں کا مقام قربانی ہونے کے باعث یہ بڑا اور خوشنما شہر تھا۔ ان کا ایک مندر جو بہت مقدس مانا جاتا تھا، یہاں تھا۔ بعلبک سے الزبدانی ۱۸ میل ہے۔" (ابوالفدا۔ ۲۵۵)۔

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے بعلبک کی سیاحت کی۔ وہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ "یہ ایک خوشنما شہر ہے جو ایسے باغ اور خیابان سے گھرا ہوا ہے کہ خود دمشق کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہاں ایک قسم کا بیر جسے حب الملوک کہتے ہیں، ایسا ہوتا ہے کہ اور کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک خاص قسم کا مرّبا (دبس) بھی بعلبک سے مخصوص ہے جسے انگور سے بناتے اور پھر ایک سفوف ملا کے اسے گاڑھا کر لیتے ہیں۔ بعد میں وہ ظرف جس میں شیرہ تیار کیا جاتا ہے، توڑ ڈالا جاتا ہے۔ پھر جو شیرہ تیار ہوتا ہے اس میں پستہ و بادام ملا کے ایک قسم کی شیرینی یا حلوا بنا لیتے ہیں۔ اس کو ملبن، اور جلد الفرس بھی کہتے ہیں۔ بعلبک میں کپڑا بنا جاتا ہے اور لکڑی کی قعبین اور چمچے بھی بنتے ہیں اور یہ ایک دوسرے کے اندر خانے بنا کے دس کی تعداد تک جما دیتے ہیں۔" (ابن بطوطہ۔ جلد اول، ۱۰۵)۔

بیت اللحم

"موضع بیت لحم بیت المقدس سے ۶ میل جنوب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے اور یہاں کے گرجا میں اب تک

بابِ ہفتم

اس کھجور کے درخت کا ٹکڑا دکھاتے ہیں جس کا پھل حضرت مریمؑ نے کھایا تھا۔ اس کا بڑا احترام ہے اور بکمال احتیاط سے اسے محفوظ رکھا گیا ہے۔" (اصطخری ۵۷ - ابن حوقل، ۱۱۲ - نقل کردۂ ابوالفدا۔ ۱۴۱) ؎

مقدسی کہتا ہے کہ "بیت لحم" بیت المقدس سے کوئی ایک فرسخ کے فاصلے پر، جنوب کی سمت میں واقع ہے۔ حضرت مسیحؑ یہاں تولد ہوئے اور اسی موقع پر وہ کھجور کا درخت اگ آیا جس کا قرآن شریف (سورۂ مریم آیہ ۲۵) میں ذکر ہے۔ کیونکہ گو اس علاقے میں کھجور کبھی نہیں ہوتی لیکن یہ درخت بطور معجزہ پیدا ہو گیا۔ گاؤں میں وہ گرجا ("بیسی لیکا آف کونس ٹین ٹائن" یعنی "قسطنطین کی کچہری") بھی ہے جس کی مثل قریب کے علاقے میں کہیں نہیں۔" (مقدسی، ۱۷۲) ؎

سنہ ۱۰۴۷ء میں ناصر خسرو نے بیت اللحم کی زیارت کی۔ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "بیت المقدس سے ایک فرسخ فاصلے پر ایک موضع نصاریٰ کا ہے جسے وہ محترم ترین مقام سمجھتے ہیں۔ اور اس مذہب کے بے شمار زائرین اس کی زیارت کے لیے یہاں آتے ہیں۔ اس مقام کا نام بیت اللحم ہے اور نصاریٰ کا یہاں ایک تہوار ہوتا ہے جس میں رُوم (یعنی یونانی سلطنت) تک کے لوگ راہ دور و دراز چل چل کے شریک ہوتے ہیں۔ جس دن میں بیت المقدس سے رخصت ہوا تو رات میں نے بیت اللحم ہی میں گزاری" (ناصر خسرو - ۵۳) ؎

سنہ ۱۱۵۴ء میں ادریسی نے بیت اللحم کا حسب ذیل حال لکھا ہے جو غالباً ان مسیحی زائرین کے بیانات سے اخذ ہے جن سے وہ صقلیہ میں ملا تھا:۔ "بیت اللحم وہ جگہ ہے جہاں حضرت مسیح علیہ السلام تولد ہوئے اور وہ بیت المقدس سے ۶ میل کے فاصلے

باب ہفتم

پر ہے۔ نصف راستہ چل کے راحیل کی قبر ملتی ہے جو حضرت یوسفؑ اور یامین (حضرت یعقوبؑ کے دو بیٹوں) کی ماں تھیں علیہم السلام اس قبر پر بارہ پتھر ڈھکے ہوئے ہیں اور اوپر پتھروں کے لداو کا گنبد تیار کیا ہے۔ بیت اللحم میں ایک گرجا بہت خوشنما مضبوط آثار کا نہایت کشادہ بنا ہوا ہے جس میں کمال درجے کی آرائش و زیبائش کی گئی ہے کہ دوسرے کسی گرجا میں اس کی مثل نظر نہیں آتی۔ یہ عمارت نشیبی زمین میں ہے اور دروازہ جانب مغرب ہے۔ گرجا میں سنگ مرمر کے حد درجہ خوبصورت ستون ہیں۔ ایک گوشے میں، جانب شمال وہ غار ہے جس میں حضرت مسیحؑ تولد ہوئے یہ گرجا سے بھی نیچے واقع ہے اور اسی غار میں وہ ہنگورا رکھا ہے جس میں آنحضرت علیہ السلام پائے گئے تھے۔ بیت اللحم سے باہر چلیں تو جانب مشرق ان فرشتوں کا گرجا ہے جنھوں نے حضرت مسیح کی ولادت باسعادت کا مژدہ گڈریوں کو سنایا تھا" (ادریسی۔ ۹) ؏

علی ہروی لکھتا ہے کہ "بیت المقدس اور بیت اللحم کے درمیان حضرت یوسفؑ کی والدہ ماجدہ بی بی راحیل کا مقبرہ ہے۔ بیت اللحم وہ گاؤں ہے جہاں حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے یہاں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی قبریں بھی ہیں، نیز ایک گرجا جس میں اعلیٰ درجہ کی مینا کاری کی ہے اور سنگ مرمر کے ستون ہیں، یہاں بنا ہوا ہے اور اس کی تاریخ بنا ۱۲ سو سال سے بھی زیادہ پہلے کی ہے۔ ؏ جیسا کہ ایک شہتیر کے کتبے سے جو ہمارے زمانے تک خراب نہیں ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ کھجور کا درخت جس کا قرآن شریف میں مذکور ہے، اس کی بھی جگہ یہیں ہے نیز خلیفہ حضرت عمرؓ کی محراب ہے جس کو فرنگیوں نے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا۔ (علی ہروی۔ نسخہ اوکسفورڈ ورق

؏ :- یہ عمارت قسطنطین نے ۳۳۰ء کے قریب میں بنوائی تھی ؏

باب ہفتم (۴۱) ٹر

تیرھویں صدی میں یاقوت لکھتا ہے کہ "بیت اللحم وہ جگہ ہے جہاں حضرت مسیحؑ پیدا ہوئے تھے[1]۔ یہ بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے جس میں بہت اچھے بازار ہیں۔ قرآن شریف میں جس کھجور کے درخت کا ذکر ہے، وہ یہاں تھا۔ کھجور اس خطہ میں نشو و نما نہیں پاتی لیکن یہ ایک مستثنیٰ (کھجور) تھی اور جب حضرت مریمؑ نے مصر کی طرف ہجرت کی تو بطور معجزہ اس درخت نے ان کو کھجوریں دیں، جیسا کہ روایت میں بیان کیا جاتا ہے یہاں ایک گرجا ہے کہ اس پاس ایسا گرجا کہیں نہیں۔ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس تشریف لائے تو بیت اللحم کا ایک راہب ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیت اللحم کے واسطے امان مانگی۔ آنحضرتؓ نے فرمایا کہ میں اس جگہ کو نہیں جانتا لیکن بخوشی معائنہ کروں گا۔ پھر جب وہ یہاں تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ "تم کو امان اور سلامتی دی جائے گی لیکن ہم پر واجب ہے کہ جہاں نصاریٰ رہتے ہوں، وہاں مسجد تعمیر کردیں"۔ راہب نے عرض کیا کہ "بیت اللحم میں ایک محراب دار مکان اس طرح کا بنا ہوا ہے کہ آپ کے قبلے کی طرف اس کا رخ ہو سکتا ہے۔ آپ اسے لیکر مسلمانوں کی مسجد بنالیں اور ہمارے گرجا کو نہ توڑیں"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے گرجا کو چھوڑ دیا اور اسی محراب دار عمارت میں نماز ادا فرمائی اور اسے مسجد بنالیا۔ پھر اس میں چراغ جلانا اور صاف و

[1]:- یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یاقوت نے مصر کے قصبے اہناس کی نسبت بھی، جو دریائے نیل کے مغرب میں فسطاط (= پرانا قاہرہ) سے کچھ زیادہ دور نہ تھا، لکھا ہے کہ اسے بھی حضرت مسیحؑ کا مولد کہا جاتا ہے" نیز یہ کہ جبتک حضرت مسیحؑ بڑے ہوئے حضرت مریمؑ یہیں رہیں اور پھر شام روانہ ہوئیں"۔ (یاقوت جلد اول - ۴۰۹ مراصد - اول)۔ یاقوت لکھتا ہے کہ وہ کھجور کا درخت بھی جس کا سورۂ مریم میں ذکر ہے یہاں دکھایا جاتا تھا)۔

باب ہفتم

درست رکھنا نصاریٰ کے ذمے ڈالا۔" اب تک مسلمان برابر بیت اللحم کی زیارت کو آتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اس محراب دار عمارت میں نماز ادا کرتے ہیں جو وہی حضرت عمرؓ کی عمارت ہے۔ یہ اسی نام سے اب تک معروف ہے کیونکہ صلیبیوں نے بھی ان مقامات میں کچھ ردوبدل نہیں کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی قبریں بھی یہاں ہیں۔" (یاقوت اول۔ مراصد۔ اول۔

ناصرہ

۹۴۳ء میں مسعودی لکھتا ہے:۔

کہتے ہیں حضرت مسیحؑ ایک گاؤں میں رہتے تھے جو ناصرہ کہلاتا ہے اور ولایت اردن کے ضلع، اللجون کے علاقے میں ہے۔ فرقہ نصرانیہ (یعنی مسیحی) اسی گاؤں سے منسوب ہے۔ خود میں نے اس گاؤں میں ایک گرجا دیکھا جو نصاریٰ میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اس میں سنگین تابوت ہیں جن میں مُردوں کی ہڈیاں رکھی ہیں اور ان میں سے شیرے کی طرح گاڑھا گاڑھا تیل سا نکلتا ہے جس کو نصاریٰ بطور تبرک اپنے مل لیتے ہیں۔" (جلد اول۔ ۱۲۳) ؎

علی ہروی ۱۱۷۳ء میں الناصرہ کی نسبت کہتا ہے کہ "یہ وہ شہر ہے جس میں مریمؑ بنت عمران کا مکان ہے اور وہ یہیں کی رہنے والی تھیں۔ مسیحیوں کا نام اسی گاؤں سے 'نصاریٰ' ہوا جبل سعیر اس کے قریب واقع ہے۔" (قلمی نسخہ اوکسفورڈ ورق ۳۱) ؎

یاقوت کی تحریر یہ ہے:۔ "الناصرہ، طبریہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ایک موضع ہے جہاں مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تولد ہوئے اور اسی ناصرہ سے ناصریہ (نسطوریین یا مسیحی) فرقہ موسوم ہے۔ لیکن اس مقام کے لوگوں نے حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اور کہا کہ

باب ہفتم

کسی کنواری کے بچہ نہیں ہوا - یہاں ایک سنترے کا درخت بھی عورت کی شکل کا ہے جس میں ہاتھ، پاؤں، چھاتیاں اور اعضائے اسفل بھی عورتوں کے سے ہیں - اس مقام کی حکومت بھی عورتوں کے ہاتھ میں ہے - سنترے کا درخت مقدس مآثر میں مانا جاتا ہے جس کے ذریعے لوگ جنت کی شفاعت حاصل کرتے ہیں اور ناصرہ کا کوئی باشندہ اس میں حصہ لینے سے ابا نہیں کرتا حالانکہ بیت المقدس والے اس تمام (داستان) کو جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح بیت اللحم میں تولد ہوئے جہاں ان کے پاس بہت سی یادگاریں موجود ہیں - مزید برآں وہ کہتے ہیں کہ ان کی والدہ ماجدہ انھیں لے کر اس گاؤں میں رہنے کے لیے آگئی تھیں" مصنف، یاقوت، اتنا اور اضافہ کر سکتا ہے کہ انجیل کی عبارت سے یہی ثابت ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام بیت اللحم میں تولد ہوئے - لیکن حضرت مریم (کا بعد) کا شوہر، یوسف مجوسیوں کے بادشاہ ہارودس (= ہرود) کے مکائد سے خوف زدہ ہوا اور اس نے خواب میں دیکھ کر معلوم کیا کہ اسے حضرت مریمؑ کے بچے کو تھوڑے دن کے لیے مصر لے جانا چاہیے اور جب تک دوبارہ حکم نہ ملے وہیں رکھنا چاہئے، تاکہ پیغمبر کی زبان سے خدا نے جو خبر (لوگوں) کو دی تھی کہ "تحقیق میں اپنے فرزند کو مصر میں بلاؤنگا" یہ صادق ہو جائے غرض یوسف، ہارودس کی وفات تک مصر میں رہا اور پھر اسے خواب میں ہدایت ہوئی کہ بنی اسرائیل کی سرزمین کو واپس جائے - وہ بیت المقدس آیا - مگر وہاں رہنے سے ڈرا کیونکہ ہارودس کی سکونت کی یہی جگہ تھی - حتیٰ کہ اور ایک خواب میں اس کو کشف ہوا کہ وہ الجلیل چلا جائے جس سے اس کا تردّد دُور ہوا اور وہ وہاں آیا اور قصبہ ناصرہ میں سکونت اختیار کی" (یاقوت، چہارم، ۲۹۷ - مراصد سوم، ۱۹۰)

دمشقی کہتا ہے کہ "الناصرہ، ولایت صفد میں داخل ہے - یہ عبری بستی اور پہلے سعیر (Seir) کہلاتی تھی - حضرت مسیح نے یہاں ظہور فرمایا

اور یہی جگہ تھی جہاں فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو ان کی ولادت کی بشارت دی تھی۔ نصاریٰ کی مشہور زیارت گاہ ہے اور توراۃ کے عہد عتیق میں بھی اس کا تذکرہ آتا ہے۔ جبل السعیر (جس کا قرآن شریف میں ذکر آتا ہے) ناصرہ کا پہاڑ ہے یہیں کے لوگ سب سے پہلے مسیحی ہوئے۔ ناصرہ کی عرب آبادی یمنی قبائل پر مشتمل ہے اور کفر کناّ کے عرب قیسی ہیں" (دمشقی۔ ۲۱۲) ٹو

باب ہشتم

صوبوں کے صدر مقام اور بڑے شہر

ذیلی عنوان :- الرملہ، بنا کردہ خلیفہ سلیمان —— سفید مسجد ——
جبرون : بزرگوں کے مقبرے —— غار مکفلہ کی زیارتیں ——
قبر یعقوب کی ایجاد —— عکہ : بندرگاہ ابن طولون کی تعمیر ——
طبریہ —— گرم چشمے اور حمام —— مقبرہ داؤد ——

—— (+) ——

الرملہ

" ولایت فلسطین کا صدر مقام ہے۔ اسے خلیفہ سلیمان نے آباد کیا اور پرانے پائے تخت لُدّ (Lydia) کے باشندے وہاں سے اٹھا کر یہاں لا بسائے گئے جس سے لدّ رفتہ رفتہ ویران ہو گیا۔ اس شہر میں ایک چھوٹی ندی ہے جس کا لوگ پانی پیتے ہیں۔ بڑی ندی ابوفطرس ۱۲ میل دور ہے۔ شہر والے بارش کا پانی بھی حوضوں میں ذخیرہ کر لیتے ہیں اور کنوؤں اور ان حوضوں کا پانی بھی پینے کے کام میں لاتے ہیں۔ الرملہ کی آبادی مخلوط ہے جس میں عرب، یونانی اور نیز سامرہ کے لوگ داخل ہیں۔"
(یعقوبی ۱۱۶)

باب ششم

بلاذری لکھتا ہے کہ وہ خلیفہ الولید نے اپنے بھائی سلیمان کو فلسطین کا حاکم بنایا تھا جس نے لدّ میں سکونت اختیار کی اور بعد میں الرملہ کی بنیاد ڈالی اور اسی کو اپنا مستقر حکومت بنا لیا۔ پہلی عمارت جو یہاں تیار ہوئی وہ خود اس کا قصر اور وہ مکان تھا جسے دار الصباغین (= رنگ سازوں کا مکان) کہتے تھے۔ اسی میں سلیمان نے پانی جمع کرنے کی غرض سے ایک بڑا حوض بنوایا۔ پھر بڑی مسجد کا نقشہ تیار کر کے تعمیر شروع کی لیکن یہ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ سلیمان مسند خلافت پر متمکن ہو گیا۔ بعد کے بادشاہوں نے تعمیر کا کام جاری رکھا اور آخر خلیفہ عمر ابن عبد العزیز نے اسے تکمیل کو پہنچایا مگر وہ بھی اس طرح کہ پہلا نقشہ بدل کر عرض و طول میں کمی کر دی۔ اور کہا کہ "الرملہ کے لوگوں کو اسی عرض و طول پر قناعت کر لینی چاہئے"۔ آغاز بنا کے وقت سلیمان نے اپنے محلات تعمیر کرنے ہی کے زمانے میں دوسروں کو بھی اپنے اپنے مکان بنانے کی اجازت دے دی تھی چنانچہ انھوں نے مکانات بنائے اور سلیمان نے الرملہ والوں کے واسطے نہر بردہ کھدوائی اور میٹھے پانی کے لئے کئی کوئیں بھی کھدوائے۔

سلیمان نے الرملہ میں اپنی عمارات اور جامع مسجد کے مصارف کی نگرانی کے لئے میرمنشی ایک مسیحی کو مقرر کیا تھا جس کا نام البطریق ابن نقہ (یا بقہ) تھا۔ سلیمان سے پہلے الرملہ کا کوئی وجود نہ تھا اور یہ جگہ تمام ریتلی تھی جیسا کہ خود اس کے نام الرملہ سے ظاہر ہے۔ دار الصباغ کی عمارت ایک مدت کے بعد صالح ابن علی ابن عبد اللہ ابن عباس کو میراث میں ملی کیونکہ بنی امیہ کی دوسری املاک کے ساتھ اس پر بھی عباسیوں نے قبضہ کر لیا تھا بنی امیہ نے الرملہ کی نہروں اور کنوؤں پر بھی بہت روپیہ خرچ کیا اور عباسیوں کا دور آیا تو وہ بھی زر کثیر صرف کرتے رہے اور ہر خلیفہ کے زمانے میں ایسا ہی ہوتا رہا یہاں تک کہ خلیفہ المستعصم باللہ کا زمانہ آیا اور اس نے ان مصارف کے لیے ایک مستقل انتظام کر دیا تاکہ بار بار جو درخواستیں آیا کرتی تھیں اُن کی ضرورت نہ رہے اور عطیۂ شاہی کو ایک سالانہ

باب ہشتم

مدِ مصارف بنا دیا کہ محاصل و مداخل سے اس کی رقم بھی ادا ہوتی رہے اور اس کا باضابطہ حساب رکھا جائے۔" (بلاذری ۱۴۳۔ نقل کردہ ابوالفداء ۱۰۲ اور یاقوت، دوم، ۱۷۰)

دسویں صدی میں مقدسی کہتا ہے کہ "الرملہ فلسطین کا صدر مقام ہے۔ یہ خوشنما اور اچھا بنا ہوا شہر ہے۔ پانی عمدہ اور بافراط ہے۔ میوے کثرت سے ہوتے ہیں۔ خوبصورت دیہات، شاندار قصبات اور مقدس مقامات نیز پُرفضا مواضع کے درمیان واقع ہونے کے باعث الرملہ میں بہت سی خوبیاں جمع ہوگئی ہیں تو تجارت کی گرم بازاری ہے۔ اور بازار اعلیٰ درجے کے ہیں۔ اسلامی دنیا میں الرملہ کی مسجد سے بہتر و نفیس تر مسجد دوسری نہ ہوگی۔ یہاں کی روئی بہترین اور نہایت سفید ہوتی ہے۔ اس کی اراضی کی سب سے بڑھ کر قدر و قیمت ہے اور اس کے پھل سب جگہ سے زیادہ رسیلے ہوتے ہیں۔ یہ صدر مقام سرسبز کھیتوں، فصیل بند قریوں اور آرام دہ سرائوں کے درمیان آباد ہے۔ خود اس کے اندر عالیشان سرائیں، راحت بخش حمام، فراخ مکانات، خوشنما مساجد اور چوڑی سڑکیں بنی ہوئی ہیں تکلف کے کھانے اور مختلف مصالح ملتے ہیں۔ بحیثیت دارالولایت بھی اس میں چند خاص خوبیاں ہیں۔ میدان میں ہونے کے باوجود یہ سمندر اور پہاڑ دونوں سے قریب ہے۔ یہاں لوگ انجیر و نخیل دونوں کی کاشت کرتے ہیں اور اس کے کھیت قدرتاً ایسے زرخیز و ثمرور ہیں کہ آبپاشی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ادھر اس میں بعض خرابیاں بھی ہیں۔ جاڑوں میں یہ جگہ کیچڑ کا ڈھیر بن جاتی ہے اور گرمی میں ریت، بارود کی قتّی ہوتی ہے۔ جہاں نہ آب رواں ملتا ہے نہ سبزی رہتی ہے نہ رطوبت، نہ کبھی برف باری ہوتی ہے۔ پسوؤں کی یہاں کثرت ہے۔ کنوئیں اکثر گہرے اور کھاری ہیں اور بارش کا پانی بند حوضوں میں جمع کیا جاتا ہے جس کے باعث غربا پیاسے اور مسافر محروم رہ جاتے ہیں

حمّاموں میں جب تک مقررہ رقم ادا نہ کیجیے، نوکر پانی کی چرخی نہیں پھراتے ؎ باب ہشتم
الرّملہ ایک مربع میل کے رقبے میں آباد ہے اس کے مکان صاف کیے ہوئے پتھروں کے ہیں۔ اس کے مشہور دروازے درب بیر العسکر، باب مسجد عنبہ، باب بیت المقدس، باب بلعہ، درب لُدّ، درب یافا، درب مصر اور باب داجون ہیں۔ الرّملہ سے ملا ہوا قریہ داجون اور اس کی بڑی مسجد ہے۔ اس میں زیادہ تر سامرہ فرقے کے لوگ بستے ہیں ؎ الرّملہ کی بڑی مسجد چوک میں بنی ہوئی ہے اور دمشق کی بڑی مسجد سے بھی زیادہ حسین و خوشنما ہے اسے الابیض موسوم کرتے ہیں۔ اس کی محراب سے زیادہ خوبصورت محراب عالم اسلامی میں کہیں نہیں اور اس کا منبر بیت المقدس کے سوا سب جگہ کے منبروں سے بڑھ کر پرتجمل و شاندار ہے۔ اس میں ایک خوبصورت مینار بھی، خلیفہ ہشام ابن عبد الملک کا تعمیر کردہ موجود ہے میں نے اپنے چچا کو بیان کرتے سنا کہ جب یہ خلیفہ مینار بنانے لگا تو اسے لوگوں نے خبر دی کہ نصاریٰ کے پاس سنگ مرمر کے ستون ہیں جو اس وقت ریت میں گڑھے ہوئے تھے اور جو انھوں نے بالعہ کے کلیسا کے واسطے تیار کرائے تھے۔ تب خلیفہ ہشام نے نصاریٰ سے کہدیا کہ یا تو وہ جگہ بتائیں جہاں یہ مینار گڑھے ہوئے تھے ورنہ میں ان کا لُدّ کا گرجا تڑوا کر اس کے ستون مسجد بنانے کے کام میں لے آؤنگا اس پر نصاریٰ نے وہ جگہ بتادی جہاں ان کے ستون گڑے ہوئے تھے۔ یہ بہت موٹے، بلند اور خوش قطع ہیں۔ مسجد کے صدر دالان کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور صحن میں دوسری قسم کا پتھر بچھایا ہے مگر پورے سلیقے اور اہتمام کے ساتھ صدر دالان کے دروں میں صنوبر و دیودار کے کواڑ لگائے ہیں جن کے اندر گل بوٹے تراشے ہیں جو دیکھنے میں بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ؎ (مقدسی ۱۶۴) ؎

اپنے مقدمۂ کتاب میں مقدسی لکھتا ہے کہ اگر الرّملہ میں آب رواں ہوتا تو یہ شہر، اسلامی دنیا میں سب سے بہتر ہو جاتا۔ کیونکہ یروشلم اور

باب ہشتم

سرحدی قریوں اور دوسری طرف غور اُردن اور سمندر کے درمیان، یہ بہت اچھا اور پر فضا شہر ہے۔ اس کی ہوا معتدل، میوے رسیلے، باشندے فیاض ہیں، اگرچہ کسی قدر بیوقوف ضرور ہیں۔ مصر اور دو سمندروں کی تجارت کا یہ مرکزی مقام ہے۔ (مقدسی ۳۶ ۱ ع)

شہر کے جن دروازوں کا مقدسی نے اوپر تذکرہ کیا، ان میں سے اکثر اب بھی بلا دقت پہچانے جا سکتے ہیں۔ باب مسجد عنبہ کے بارے میں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ موضع عنبہ الرملہ کے مغرب میں ہے۔ سینٹ جیروم کی "لغات صوتی" میں اسے "عنب، جو بیت عنبہ بھی کہلاتا تھا" کے نام سے یاد کیا ہے[1]

درب بلعہ کے نام سے الرملہ کے جس دروازے کا اور پھر بلاعہ گاؤں کا جو ذکر اوپر کے بیان میں آیا ہے اس سے غالباً توراۃ کا "بالہ" جو کرجاث جیرم ہے" (یوشع ۱۵، ۹) مراد ہے۔ یہ جگہ آج کل کے قریۃ العنب کی ہم مقام مانی گئی (دیکھو جزو دوم) جہاں آج بھی کلیسائے یورشیہ کے کھنڈر نظر آتے ہیں اور عجب نہیں کہ مقدسی کا بھی اسی عمارت کی طرف اشارہ ہو۔

رملہ کا دوسرا بیان ناصر خسرو کے روزنامچے میں آتا ہے جو سنہ ۱۰۴۷ع میں اس شہر میں آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

وہ ماہ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ (یکم مارچ) ہم رملہ پہنچے۔ قیصریہ سے رملہ، ۸ فرسخ پر واقع ہے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے جس کی مضبوط فصیل پتھر اور چونے گچ سے بہت بلند اور چوڑے آثار کی بنی ہوئی ہے اور لوہے کے پھاٹکوں سے اس میں آمد و رفت کے راستے رکھے ہیں۔ بستی سے ساحل تک ۳ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ یہاں کے لوگ بارش کے پانی پر گزر کرتے ہیں اور اس کے ذخیرے کیلئے ہر گھر میں حوض بنا ہوا ہے کہ

[1] مزید حالات کیواسطے ملاحظہ ہو، پیلسٹائن ایکس پلوریشن فنڈ کے مضامین خاص "بیت عنبہ" اور "بیت عنیم" بر صفحہ ۲۵۰ ع

باب ہشتم

اس کی بہم رسانی برابر ہوتی رہے۔ جمعہ مسجد کے وسط میں بھی ایک بڑا حوض ہے اور جب یہ پانی سے بھر جاتا ہے تو ہر شخص اس میں سے پانی لے سکتا ہے۔ مسجد کا رقبہ ۲ سو × ۳ سو قدم ہے۔ اس کے ایک دروازے کے کتبے میں تحریر ہے کہ ۱۵ محرم ۴۲۵ھ (= ۱۰ دسمبر ۱۰۳۳ء) کو ایک زلزلہ نہایت شدید آیا جس میں بہت سے مکان گر پڑے مگر کسی شخص کو صدمہ نہیں پہنچا۔[1] شہر رملہ میں سنگ مرمر کثرت سے ہے اور بہت سی عمارات اور خانگی مکانات اسی کے بنے ہوئے ہیں۔ مزید برآں سامنے کے رخ سنگ تراشی اور نقاشی کا نہایت خوبصورت کام کیا ہوا ہے۔ یہاں سنگ مرمر کو بے دندانے کی آری سے تراشتے ہیں جس پر "ریگ مکہ" کی مدد سے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پتھر کو عرض میں نہیں کاٹتے بلکہ سیدھا طول میں چیرتے ہیں کہ ستون نکل آئیں اور تختیوں کی شکل میں بھی تراش لیتے ہیں۔ میں نے جو سنگ مرمر یہاں دیکھے وہ سب رنگوں کے تھے۔ بعض رنگ برنگے بعض سبز، سرخ سیاہ یا سفید۔ رملہ میں ایک خاص قسم کا انجیر بھی ہوتا ہے جس سے بہتر کہیں نہیں ہوتا۔ اور یہ سب آس پاس کے ملکوں میں دساور جاتا ہے۔ شہر رملہ کو شام اور مغرب کے ممالک میں "فلسطین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گویا ولایت کا نام اس کے صدر مقام کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

ادریسی اطلاع دیتا ہے کہ "الرملہ ایک خوشنما اور بارونق شہر ہے جس میں بازار ہیں اور بہت کچھ تجارت اور آمد و رفت رہتی ہے۔" (صفحہ ۴)

یاقوت نے بلاذری اور ابن الفقیہ کا بیان جس کو ہم نے اوپر نقل کیا، دہرایا ہے کہ کس طرح الرملہ کی سلیمان ابن عبدالملک نے بنا رکھی اور

[1]: عرب تاریخ نویس اس زلزلے کا تذکرہ کرتے اور لکھتے ہیں کہ اس میں ایک تہائی شہر برباد ہو گیا تھا خاص کر بڑی مسجد بالکل منہدم ہو گئی تھی۔ (دیکھو صفحہ ۱۲۱)

باب ششم

یہاں عمارات بنائیں۔ پھر بڑی مسجد کی نسبت لکھ کر کہ اس کا نقشہ بھی سلیمان نے بنوایا اور تعمیر شروع کر دی تھی، تحریر کرتا ہے کہ :-

"مسجد کی تعمیر کا قریبی سبب یہ ہوا کہ ایک کاتب مسمی ابن بطریق نے لُدّ کے لوگوں سے چاہا کہ وہ اسے وہاں کے گرجا کے قریب کوئی مکان تھا، اسے دیدیں کہ ابن بطریق اسے اپنی سکونت کے لیے درست کرلے۔ لوگوں نے انکار کیا۔ تب ابن بطریق نے قسم کھائی کہ میں اس دوسرے مکان یعنے گرجا ہی کو تڑوائے بغیر نہ رہونگا۔ اور واقعی قریب قریب یہی ہوا کہ سلیمان جو ان دنوں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ امیرالمومنین عبدالملک نے تو بیت المقدس کی مسجد میں صخرہ کے اوپر گنبد بنوایا اور شہرت و نیکنامی حاصل کی اور اسی طرح خلیفہ الولید نے جامعۂ دمشق تعمیر کرکے ناموری پائی — کیوں نہ میں بھی مسجد اور شہر بنا کے لوگوں کو اس میں منتقل کروں؟ چنانچہ اس نے الرملہ کی بنا رکھی اور وہاں مسجد بنوائی اور اسی باعث شہر لُدّ ویران ہوا تب وہاں کا وہ گرجا بھی ویران ہوگیا۔ یہ الولید کے انتقال اور سلیمان کے خلیفہ ہونے کے زمانے کا واقعہ ہے کہ گو ان اقطاع کی زمین ریتلی تھی، تاہم سلیمان نے یہیں نئے شہر کا نقشہ تیار کرا کے اس کی بنیاد رکھی اور الرملہ کے ایک مقام کو جو انگریزوں کی ملکیت تھا، لیکر وہاں میٹھے پانی کے کنوئیں بنوائے۔ ورنہ سلیمان کے زمانے سے پہلے نہ یہاں کوئی بستی تھی نہ پانی کا انتظام تھا۔ پھر اس نے لوگوں کو مکانات بنوانے کی اجازت دی اور انھوں نے نئے شہر کے اندر مکان بنائے اور سلیمان نے ان کے لیے وہ پانی کی نہر کھدوا دی جو برد اکہلاتی تھی۔ نیز میٹھے پانی کے کنوئیں بنوا دیئے۔" اس کے بعد بلاذری اور ابن الفقیہ کی وہ عبارت ہے جو ہم اوپر (صفحہ - ۳۷) لکھ آئے ہیں پھر اسی سلسلے میں یاقوت رقم طراز ہے کہ "آجکل (۱۲۲۵ء) لوگ جن کنوؤں سے پانی پیتے ہیں وہ کھریالے ہیں۔ دولتمندوں کے ہاں حوض بنے ہوئے ہیں اور وہ اس میں پانی محفوظ و مقفل کر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ اکثر شہروں

باب ہشتم

میں جہاں حوض ہوتے ہیں (پانی کے ساکن و خراب نہ ہونے کے باعث) پھلوں کی کوئی کمی یا آب و ہوا میں خرابی نہیں ہوتی۔ صلاح الدین نے ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں الرملہ کو مخلصی دلائی لیکن فرنگیوں کے دوبارہ اس پر قابض ہو جانے کے اندیشے سے شہر کو منہدم کرا دیا اور اب تک وہ ویرانی کی حالت میں پڑا ہے۔" (یاقوت، دوم۔ مراصد اول)۔

یاقوت نے "الرملہ کے ایک محلے عسکر" کا بھی ذکر کیا ہے (جلد سوم۔ مراصد، دوم) اور مقدسی کے ہاں بھی یہ نام آتا ہے۔ غالباً اسی سے شہر رملہ کا ایک دروازہ درب بیر العسکر موسوم تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا (صفحہ ۳۷۳)۔

ابوالفدا نے مذکورۂ بالا بیانات کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر خود کوئی بات اضافہ نہیں کی۔ (ابوالفدا، ۲۴۱)۔

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ، الرملہ آیا۔ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ ایک بڑا قصبہ ہے۔ اس میں جامع ابیض ہے جس کے قبلہ رُخ حصے میں لوگ کہتے ہیں کہ تین سو پیغمبر مدفون ہیں" (جلد اول، ۱۲۸)۔

جرون

عرب اس قصبے کو مسجد ابراہیم پکارتے ہیں اور جبرا یا جرون کے نام سے بھی جانتے ہیں۔

آٹھویں صدی میں اصطخری اور ابن حوقل نے اس کی نسبت تحریر کیا ہے کہ "مسجد ابراہیم بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ اس قصبے کی بڑی مسجد ہیں، جہاں جمعہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبریں ہیں۔ یہ ایک قطار میں بنی ہوئی ہیں اور ہر صاحب کی قبر کے برابر ان کی بیوی کی قبر ہے۔ یہ بستی پہاڑیوں کے درمیان وادی میں واقع ہے گرد بہت سے درخت ہیں۔ یہاں کے درخت اور فلسطین

باب ہشتم

کے دوسرے پہاڑی اقطاع کے درخت بھی، زیادہ تر زیتون اور انجیر ہیں۔ شامی انجیر، انگور و خرنوب بھی ہوتا ہے۔ دوسری قسمیں بہت کم پائی جاتی ہیں ہو (اصطخری ۵۷۔ ابن حوقل، ۱۱۳)

مقدسی کی ۹۸۵ء کی تحریر حسب ذیل ہے:۔

"جبراؔ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا گاؤں ہے۔ اس کے اندر ایک مضبوط قلعہ ہے اور اس میں بڑے بڑے چوکور پتھر چنے ہوئے جس کے باعث لوگ اسے جنات کا تعمیر کردہ بتاتے ہیں۔ اس مقام کے وسط میں پتھر کا گنبد آغاز اسلام کے وقت سے بنا ہوا ہے جس کے نیچے حضرت ابراہیمؑ کی لحد ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کا مقبرہ آگے کے رخ مسجد کی عمارت اصلی کے اندر اور حضرت یعقوبؑ کا مزار مسجد کے احاطے میں عقب کی طرف واقع ہے۔ ان میں سے ہر نبی کے پہلو میں ان کی بیوی کا مزار ہے۔ عمارت کے گرد کا چمن مسجد کا صحن ہو گیا ہے اور اسی میں زائرین کے ٹھہرنے کے مکانات بنے ہوئے ہیں جو حرم شریف سے متصل ہو گئے ہیں۔ اس جگہ تک چرخ بنا کے پانی پہنچا دیا گیا ہے۔ جبرون کے گرد آدھی آدھی منزل تک کا سارا علاقہ دیہات، تاکستان، اور انگور و سیب کے باغوں کی اراضی سے بھرا ہوا ہے۔ اس پر گنے کو جبل نصرہ موسوم کرتے ہیں۔ خوشنمائی میں اس کا مثل کہیں ہو جو نہیں اور پھل بھی اس سے بہتر کہیں نہیں ہوتے۔ ان کا بیشتر حصہ، مصر اور آس پاس کے سارے علاقوں میں جاتا ہے اور بعض اوقات عمدہ قسم کا سیب ہزار فی درہم (= ۱۰/۱) کے حساب سے بکتا ہے اور سیب بھی ایسا کہ ان میں سے کوئی کوئی وزن میں سو درہم (یعنی پاؤ، سوا پاؤ) تک کا ہوتا ہے ہو

جبرون کے حرم شریف میں ایک مسافر خانہ بنا ہوا ہے جہاں باورچی، نان بائی اور خدام مقرر ہیں۔ یہ لوگ ہر غریب زائر کو مسور کی دال اور زیتون کے تیل کی قعب پیش کرتے ہیں اور اگر کوئی خوشحال آدمی چاہے تو اسے بھی یہی کھانا کھلایا جاتا ہے اکثر حضرات کا خیال ہے

باب ششم

ہے کہ یہ کھانا حضرت ابراہیمؑ کے قدیم لنگر خانے سے ملتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں بلکہ اسکا روپیہ ایک صحابی رسول صلعم حضرت تمیم الداری اور دوسرے لوگوں کے اوقاف سے دیا جاتا ہے۔ اسی لیے میری دانست میں اس خیراتی کھانے سے پرہیز ہی کرنا چاہیے کہ ممکن ہے اس کا روپیہ جائز طور پر جمع نہ کیا گیا ہو۔ خراسان کے کسی امیر نے بھی اللہ تعالیٰ اسکے ملک و دولت کو محفوظ رکھے اس خیرات کے لیے ایک ہزار درہم سالانہ (=۴۰ پونڈ) مقرر کر دئیے ہیں۔ مزید برآں گرجستان کے والی الشار العادل نے اس مسافر خانے کے لیے بڑے بڑے اوقاف چھوڑے ہیں۔ اسلامی دنیا میں جہانتک مجھے علم ہے ایسا اچھا انتظام کسی صدقے یا خیرات خانے کا نہیں پایا جاتا۔ اور وہ لوگ جو سفر کر کے آتے ہیں اور بھوکے ہوتے ہیں انھیں بہت اچھا کھانا ملجاتا ہے اور اس طرح حضرت خلیل اللہؑ کی سنت آجتک جاری ہے۔ آنحضرت علیہ السلام اپنی زندگی بھر مہمانوں کو کھانا کھلاتے اور خوش ہوتے تھے۔ پس انکے بعد بھی اللہ عزوجل نے اس رسم کو جاری رہنے دیا اور خود میں (مقدسی) بھی اپنی سیاحتوں میں بارہا گویا حضرت خلیل اللہؑ کے خوان ضیافت سے بہرہ مند ہوا۔[1] (مقدسی، ۱۷۲)

ناصر خسرو نے ۱۰۴۷ء میں حبرون کی سیاحت کی۔ اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ "حبرون، بیت المقدس سے ۶ فرسخ ہے اور راستہ جنوب کی طرف جاتا ہے۔ راستے میں بہت سے گاؤں، باغ اور مزروعہ کھیت ملتے ہیں۔ ایسے درخت جنھیں زیادہ پانی کی ضرورت نہیں۔ جیسے انگور، انجیر، زیتون، سماق وغیرہ یہاں کثرت سے اور خود رو پیدا ہوتے ہیں۔[2]

شام اور بیت المقدس کے لوگ اس مبارک شہر کو مشہد خلیل (یعنی ابراہیم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں اور گاؤں کا اصلی نام جو مطلونؑ ہے کبھی استعمال نہیں کرتے۔ اس حرم شریف کے متعلق بہت سے گاؤں ہیں جن کا روپیہ یہاں خیراتی کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ انہی دیہات میں سے ایک گاؤں میں وہ چشمہ ہے جس کا پانی پتھر کے نیچے سے پھوٹتا ہے اگرچہ مقدار میں زیادہ نہیں ہوتا۔ اور زمین میں نہر کاٹکے

[1] :۔ یہ آخری فقرہ اصل کتاب میں مجھے نہیں ملا۔ مترجم اردو۔

[2] :۔ قدیم عربی تاریخوں میں حبرون کو چار حلقوں یا موضعوں میں منقسم بتایا گیا ہے یعنی حبرون، مرطوم، بیت عینون اور بیت ابراہیمؑ۔ یہ مطلون، بلاشبہ انہی میں سے دوسرے نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

باب ہشتم

اسے حبرون کے باہر ایک مقام تک لائے ہیں جہاں پانی جمع رکھنے کے لیے ڈھکا ہوا حوض بنا دیا ہے کہ پانی ضائع نہ ہو اور باشندے اور زائرین اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ مشہد کی عمارت قصبے کے جنوبی کنارے سے جنوب مشرق تک وسیع ہے اسے چار دیواری سے محدود کر دیا ہے اور دیواروں میں چوکور پتھر چنے ہیں۔ احاطے کا شمالی حصہ ۸۰ × ۴۰ درع عریض[۱] ہے (بیرونی، دیوار ۲۰ درع اور اوپر سے اس کا آثار ۲ درع ہے[۲]۔ نماز کے بڑے دالان (مقصورہ[۳]) کی محراب عمارت کے عرض میں (جنوبی کنارے پر) بنی ہوئی ہے مقصورہ کے اندر کئی خوبصورت محرابیں ہیں اور دو قبریں اس طرح واقع ہیں کہ ان کا سرہانہ قبلے (= جنوب) کی طرف ہے۔ قبروں کے اوپر چوکور پتھر کی چنائی اور قد آدم بلندی کے تعویذ ہیں۔ ان میں سے دائیں ہاتھ کو جو تعویذ ہے (ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ مقابل) اس میں حضرت اسحٰق[ع] ابن ابراہیم[ع] کی قبر ہے اور دوسرے کے اندر ان کی بیوی (حضرت رابقہ) آسودہ ہیں علیہما السلام۔ ان قبروں کے درمیان دس درع کا فاصلہ ہوگا۔ حرم شریف کے اس حصے میں فرش زمین اور دیواروں کو خاص طور پر آراستہ کیا ہے اور قیمتی قالین اور ریلاس مغربی جو زربفت سے زیادہ گراں بہا ہوتا ہے بچھے ہوئے ہیں۔ ایک چٹائی کو جس سے مصلی کا کام لیتے تھے میں نے دیکھا اور لوگوں نے بتایا کہ اسے سلطان مصر کے سپہ سالار (امیر الجیوش) نے قاہرہ میں تیس مغربی دینار سرخ (= تقریباً ۱۵ پونڈ) میں

---

[۱] اس مستطیل عمارت کے زاویے پچاس درجے کے ہیں اور اسی لیے بڑی محراب قبلہ کی سمت ٹھیک جنوب مشرق میں ہے۔ تحت

[۲] حرم کی چار دیواری کی بیرونی پیمائش صحت کیساتھ شہزادہ البرٹ وکٹر اور شہزادہ جورج ولی عہد برطانیہ نے ۱۸۸۲ء میں اپنی سیاحت کے وقت کی تو ۱۹۷ × ۱۱۱ فیٹ نکلی۔ ناصر خسرو کی مذکورہ بالا پیمائش اس سے کسی قدر کم ہے۔ البتہ قدیم (ہیرودی ؟) دیواروں کی بلندی ۴۰ فیٹ یا ۲۰ درع ہے جیسا کہ ناصر خسرو نے تحریر کیا ہے؛

[۳] ۔ اس وقت جو عمارت بنی ہوئی ہے وہ کنیسہ کہلاتی ہے اور صلیبیوں کے زمانے کی یادگار ہے ناصر خسرو نے جس عمارت کو دیکھا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ کر غائب ہو چکی ہے۔ مسٹر فرگسن اپنی کتاب "دی ہولی اسپلکر اینڈ دی ٹیمپل ایٹ جیروسلم" (صفحہ ۱۳۷۔ ضمیمہ) میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے تحقیق کیساتھ معلوم کیا ہے کہ اس احاطے کے اندر کوئی عمارت عہد صلیب سے پہلے کی باقی نہیں ہے ایک غوطی وضع کی عمارت جو پورے جنوبی پہلو کو گھیرے ہوئے ہے وہ بالیقین بارھویں صدی کے آخر یا تیرھویں کے اول النصف میں تعمیر ہوئی تھی"۔ ناصر خسرو نے مقصورہ کے نام سے جس حصہ مسجد کا ذکر کیا ہے بہت ممکن ہے کہ یہ وہی ہو جسے مقدسی "گنبد" لکھتا ہے جیسا کہ اوپر نقل ہوا ؛

باب ہشتم

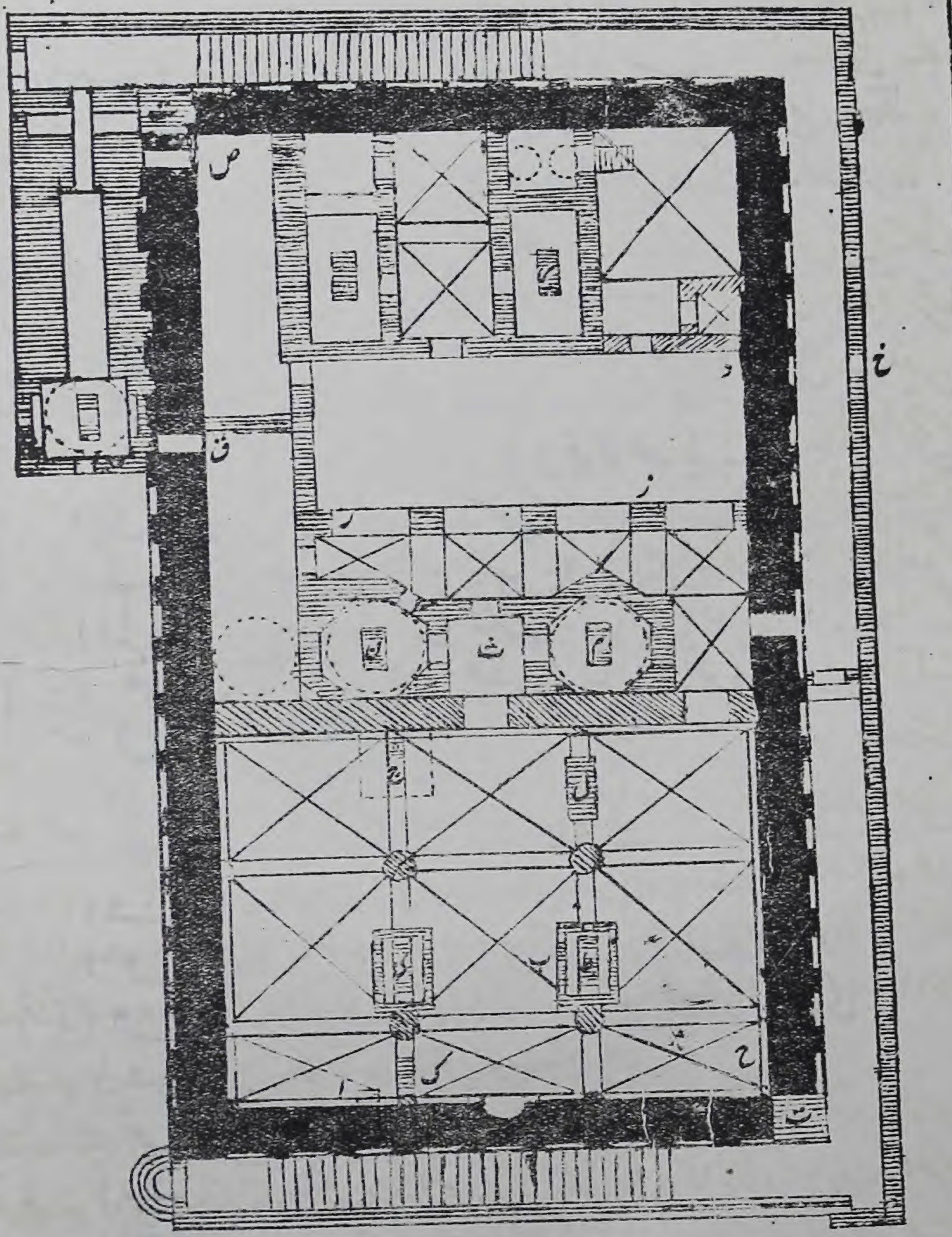

نقشۂ حرم جبرون (علامات بصفحہ آئندہ)

زمانۂ حاضرہ میں حبرون کے حرم کا نقشہ اور اس کی علامات

(ا) ..... غربی غار کا راستہ
(ب) ..... شرقی غار کا راستہ
(ج) ..... فرش میں سوراخ، جس سے کھرے میں راستہ جاتا ہے
(د) ..... دیوار کا شگاف جو غربی غار کی طرف کھلتا ہے۔
(ھ) ..... گنبد۔
(و) ..... یونانی کتبہ۔
(ز) ..... عربی کتبہ، دیوار کے پائے پر۔
(ح) ..... یونانی " " پر۔
(ط) ..... ربیکا کی قبر کا تعویذ۔
(ی) ..... اسحٰقؑ " " "
(ک) ..... منبر۔
(ل) ..... رحل۔
(م) ..... حضرت سارہ کا تعویذِ قبر۔
(ن) ..... " ابراہیمؑ " " "
(س) ..... " ایلیاؑ " " "
(ع) ..... " یعقوبؑ " " "
(ف) ..... " یوسفؑ کا مقبرہ
(ص) ..... اسی مقبرے کے راستے کا دروازہ
(ق) ..... " " میں کھلنے والی کھڑکی۔
(ر) ..... دیوار کا پایہ۔
(ش) ..... مینار۔
(ت) ..... " ڈیوڑھی
(ث) ..... ڈیوڑھی
(خ) ..... بیرونی پھاٹک

قاہرہ سے خرید کر بھیجا ہے اب اگر رومی (یعنی یونانی) زری کے کام کا اتنا ہی بڑا پارچہ خرید ئے تو اس سے زیادہ قیمت کا ہو گا اور واقعہ یہ ہے کہ اسکی مثل چٹائی میں نے اور کہیں نہیں دیکھی ہو مقصورہ سے باہر آئیے تو صحن حرم میں دو عمارتیں ہیں داہنے ہاتھ کی قبلہ رو عمارت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلواۃ والسلام کی قبر ہے۔ یہ عمارت اتنی بڑی اور اونچی ہے کہ اسکے اندر ایک چھوٹا حجرہ آگیا ہے جس کے اندر داخل نہیں ہو سکتے لیکن اسکی چار دیواری میں چار دریچے ہیں جنسے زائرین حجرہ کے باہر رہکر قبر کی زیارت کر سکتے ہیں اس حجرہ کے فرش اور دیواروں پر زری کے کپڑے چڑھے ہوئے ہیں اور قبر کا تعویذ ۳ ذرع طول میں پتھر کا بنا ہوا ہے اور اسکے اوپر چاندی کے فانوس اور قندیلیں آویزاں ہیں دوسری عمارت قبلہ رو کھڑے ہوں تو آپکے بائیں ہاتھ پر ہو گی اسکے اندر حضرت ابراہیم کی بیوی حضرت سارہ کی قبر ہے ان دونوں عمارتوں کے درمیان مسقف راستہ ہے جو بجائے خود ایک ایوان معلوم ہوتا ہے اور یہاں بھی بہت سی ہانڈیاں اور چراغ آویزاں ہیں۔

ان دو عمارتوں سے آگے بڑھکے دو اور مقبرے ایک دوسرے کے پاس بنے ہوئے ملتے ہیں۔ ان میں سے داہنے کے اندر حضرت یعقوب کی قبر ہے اور بائیں کے اندر انکی بیوی ہیں علیہما السلام (ملاحظہ ہو نقشہ حرم جبرون) انکے آگے دوسری عمارتیں وہ ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلواۃ والسلام مہمان نوازی فرماتے تھے لیکن حرم کے اندر صرف یہی چھ قبریں ہیں۔ حرم کی چار دیواری کے باہر ڈھلوان آتا ہے اور اسی پر جانب مغرب حضرت یوسفؑ ابن یعقوبؑ کا مزار ہے جس پر بہت خوشنما گنبد تعمیر کر دیا گیا ہے اس مزار سے آگے بڑھ کے جہاں سطح زمین آگئی ہے ایک وسیع گورستان ملتا ہے اور اس میں دور دور سے لوگ دفن کے لیئے جنازے لاتے ہیں۔

حرم شریف میں مقصورہ کی چپٹی چھت کے اوپر لوگوں نے زایرین حرم کیواسطے حجرے بنا دئے ہیں اور اس خیرات کے مصارف کیواسطے معقول روپیہ درکار ہوتا ہے جو شہر مقدس کے مکانات کے کرائے اور دیہات کے لگان سے وصول کیا جاتا ہے جبرون میں زیادہ تر جو کی کاشت کرتے ہیں گیہوں کم ہوتا ہے لیکن زیتون کی کثرت ہے زایرین و مسافرین اور حرم شریف میں دوسرے آنے والوں کی روٹی اور زیتون سے تواضع کیجاتی ہے یہاں بہت سی چکیاں ہیں جو بیلوں اور خچروں سے چلائی جاتی اور تمام دن آٹا پیستی ہیں کنیزیں بھی ہیں جو تمام دن روٹی لگاتی رہتی ہیں یہاں کی روٹی ایک من (یعنی قریب قریب سوا سیر) وزن کی ہوتی ہے ہر آنیوالے کو یومیہ ایک روٹی اسکے ساتھ زیتون کے تیل میں پکی ہوئی مسور کی دال اور نیز کشمش دیتے ہیں۔ یہ

منت شریف حضرت خلیل الرحمان علیہ السلام کے وقت سے جاری اور آجتک معمول رہا ہے بعض ایام میں پانچ پانچ سو تک کی تعداد میں زایرین آجاتے ہیں اور ہر ایک کی اسطرح تواضع کیجاتی ہے
کہتے ہیں کہ زمانۂ سابق میں حرم حبرون کا کوئی دروازہ نہ تھا اور باہر کی ڈیوڑھی کے آگے کوئی اندر نہ جاسکتا تھا بلکہ وہیں سے کھڑے ہو کے لوگ زیارت کرلیتے تھے۔ لیکن جب (فاطمی خلیفہ) مہدی مصر کا فرماں روا ہوا (۹۱۸ء) تو اس نے حکم دیا کہ ایک دروازہ بنا دیا جائے اور اندر کے لیے ظروف، قالین، غالیچے وغیرہ مہیا کر دئیے نیز بہت سی ضروری عمارتیں بنوادیں حرم شریف میں اندر جانے کا یہ دروازہ شمالی دیوار کے وسط میں، زمین سے چار درع اونچا ہے اس کے دونوں پہلوؤں پر سیڑھیاں ہیں ان میں ایک زینہ گاہ اترنے کی ہے ایک چڑھنے کی اور دروازہ ایک چھوٹے سے لوہے کے کواڑ سے بند رہتا ہے۔ ناصر خسرو ۴۸ تا ۵۳)؟
یہ بات لکھنے کے قابل ہے کہ آج کل حرم کا واحد راستہ اس دروازے سے ہے جو شمالی نہیں۔ بلکہ اسکی مشرقی دیوار کے وسط میں ہے لیکن چونکہ سمت قبلہ دراصل جنوب مشرق میں ہے، اگرچہ ناصر خسرو اسے ہمیشہ "جنوب" بتاتا ہے لہٰذا حرم کی بائیں ہاتھ والی قبلہ رو لمبی دیوار کو شمالی دیوار کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ حقیقت میں شمال مشرقی دیوار ہے۔
۱۰۹۹ء میں حبرون پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا اور ایک سال بعد اسے گوڈفری ڈی بوئیلوں نے گرہارڈ اوینے کی نوجی جاگیر میں دیدیا۔
۱۱۵۴ء کی تحریر میں ادریسی نے حسب ذیل کیفیت تحریر کی ہے۔
"مسجد ابراہیم، بیت اللحم سے ۱۸ میل جنوب میں واقع ہے یہ ایک گاؤں ہے جو شہر بنگیا ہے۔ اسکی مسجد میں حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کے مقبرے ہیں اور ہر ایک کی قبر کے قریب اس نبیؑ کی بیوی کی بطور رفیقہ قبر بنی ہوئی ہے یہ بستی پہاڑیوں کے درمیان وادی میں آباد ہے اور ہر قسم کے یہاں درخت جیسے زیتون، انجیر، شامی انجیر وغیرہ طرح طرح کے میوے ہوتے ہیں"۔ (ادریسی، ۹)۔
علی ہروی ۱۱۷۳ء میں یعنی صلاح الدین کے حبرون کو دوبارہ فتح کرنیسے ۱۵ برس قبل کی تحریر میں یہ کیفیت لکھتا ہے جو چند سال پہلے اس نے بچشم خود دیکھی تھی جبکہ یہ قصبہ صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ اسی بیان کو یاقوت نے بھی نقل کیا (جلد دوم، ۴۶۸) اور ذیل کا ترجمہ ہم نے علی ہروی کے قلمی نسخہ اوکسفورڈ (ورق ۴۳ - ۴۵) سے کیا ہے۔

جرون میں حضرت ابراہیمؑ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ مدفون ہیں اور نیز کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ و نوحؑ و سامؑ بھی یہیں دفن ہوئے تھے۔

۵۷۰ھ (۱۱۷۵ء دوسرے نسخوں میں ۵۷۸ھ مرقوم ہے) جبکہ میں سکندریہ میں تھا، میں نے شیخ حافظ ابو طاہر السلفی کے سامنے لوگوں کو ایک کتاب پڑھتے ہوئے سنا، لیکن مصنف کتاب کا نام اب میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔ دوسرے سوء اتفاق سے میری تمام کتابیں جنگ عکا کے وقت فرنگیوں نے مجھ سے لے لیں جبکہ وہ فرنگی بادشاہ الانقطار (رچرڈ شیر دل) کے ماتحت لڑے تھے۔ بعد میں اسکے قاصد میرے پاس آئے اور وعدہ کیا کہ جو کچھ مجھ سے لیا گیا تھا، بلکہ دگنا مجھے واپس مل جائے گا بشرطیکہ میں اس بادشاہ کے پاس جاؤں اور اسکی رفاقت قبول کروں اور یہ کرنے پر میں راضی نہوا۔ یہ سب واقعہ ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) کا ہے۔ القصہ مذکورہ بالا کتاب میں مصنف بیان کرتا ہے کہ "ایک شخص جرون میں زیارت کے لیے آیا اور اس نے حرم کے محافظوں کو بہت کچھ روپیہ دیا اور ان میں سے ایک سے (جو یونانی تھا) دریافت کیا کہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ میں ان انبیا علیہم السلام کی نعشیں دیکھوں؟ محافظ نے جواب دیا کہ ابھی تو ممکن نہیں مگر تم اس وقت تک ٹھیرو کہ زائرین کا ہجوم کم ہوجائے اور اسوقت یہ ممکن ہو گا" چنانچہ جب زیارت کا زمانہ گزر گیا تو اس محافظ نے پتھر کا ایک چوکا (فرش مسجد میں سے) اٹھایا اور چراغ لیکے اندر چلا اور تقریباً ستر سیڑھیاں اتر کے یہ دونوں ایک وسیع غار میں پہنچ) گئے۔ یہاں ہوا بے روک چل رہی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا جسد مبارک سبز لباس میں ایک چبوترے پر رکھا ہوا تھا اور جب ہوا چلتی تھی تو آنحضرتؑ کے سفید کاکل اڑاتے تھے۔ آنحضرتؑ کے پہلو میں حضرت اسحٰقؑ و یعقوبؑ کی نعشیں تھیں پھر راہنما زائر کو لئے ہوئے غار کی دیوار تک بڑھا اور بتایا کہ اسکے پیچھے حضرت سارہ کی نعش ہے اور اسکا قصد تھا کہ وہ دیوار کے پیچھے بھی زائر کو لیجائے کہ اتنے میں ایک آواز آئی کہ "خبردار، یہ حرم ہے! راوی کا بیان ہے کہ تب وہ الٹے پھرے اور جس راستے سے نیچے گئے تھے، اسی سے واپس چلے آئے۔

میں نے صحائف موسیٰؑ میں پڑھا کہ حضرت خلیل اللہ نے افرون ابن سوحار الحطی (Ephron S/o Sochar, Hittite) سے چارسو درہم نقرہ میں

باب ہشتم

ایک قطعہ زمین خریدا اور اس میں حضرت سارہ کو دفن کیا۔ یہ توراۃ میں مذکور ہے لیکن صحیح حال کی خبر خدا کو ہے۔

اور میں علی ہروی، اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے جو کچھ خود مجھے معلوم ہوا [۱] اسے ذیل میں نقل کرتا ہوں کہ:۔

سنہ ۵۶۷ھ (۱۱۷۲ء) میں میں یروشلم گیا اور وہاں اور جبرون دونوں جگہ کے بعض شیوخ سے واقفیت بہم پہنچائی۔ ان لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ (سنہ ۵۱۳ھ = ۱۱۱۹ء میں) جبکہ فرنگی بادشاہ بردول (= بالڈون ثانی) کی حکومت تھی، غار ابراہیمؑ کا ایک حصّہ اوپر سے دھنس گیا اور بادشاہ کی اجازت سے بعض فرنگی اس کے اندر داخل ہوئے انھیں اندر حضرت ابراہیمؑ اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کی نعشیں ملیں کہ دیوار کے سہارے کھڑی تھیں اور ان کے کفن پارہ پارہ ہوگئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے سر پر رومال (یا فانوس) پڑے ہوئے تھے مگر سر کے بال کھلے ہوئے تھے۔ تب بادشاہ نے نئے کفن مہیّا کرائے اور اس جگہ کو دوبارہ بند کرا دیا۔

یہ سنہ ۵۱۳ھ (= ۱۱۱۹ء) کا واقعہ ہے۔

"سردار بابون (دوسرے نسخوں میں بیرون ہے) نے جو بیت اللحم میں رہتا اور اپنی دلیری اور سپاہیانہ کارناموں کے باعث فرنگیوں میں بہت ذی رتبہ مانا جاتا تھا، مجھ سے بیان کیا کہ وہ اپنے باپ کی معیت میں اس غار کے اندر گیا اور وہاں اس نے حضرت ابراہیم خلیلؑ اور اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کو دیکھا اور ان کے سر کھلے ہوئے تھے۔ تب میں نے پوچھا کہ اس وقت تمھاری عمر کیا تھی۔ اس نے کہا "تیرہ سال کی" پھر اس نے یہ بھی مجھے بتایا کہ شاہ جفری ابن جبج (Geofrey S/o George) بھی ان میں تھا جنھیں بادشاہ (بالڈون) نے

---

[۱] :۔ دونوں جگہ قوسین میں جو لفظ ہیں وہ یاقوت کی کتاب سے لے کے بڑھا دئے گئے ہیں، علی ہروی کی اصل کتاب (نسخہ آکسفورڈ) میں یہ نہیں تھے۔

ان انبیاء کے نئے لباس پہنائے اور جو عمارت ٹوٹ گئی تھی اس کی مرمت کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس وقت تک جُعفری زندہ تھا لیکن بعد میں جب میں نے اس کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چند ہی روز قبل اس نے وفات پائی تھی۔ اب ' میں ' علی ہروی کہتا ہوں کہ میں نے اس طرح ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کی زیارت کی تھی "

"کہف مکفلہ" کے کھولے جانے کی بنسبت علی ہروی کی مذکورۂ بالا روایت کی تصدیق تاریخ ابن الاثیر کے ایک حاشیئے سے بھی ہوتی ہے جو ۵۱۳ھ کے احوال کی ضمن میں تحریر ہے اور یہ سال بھی وہی ہے جو علی ہروی نے بیان کیا ہے :-

"اس سال حضرت ابراہیم اور آنحضرت کے دو بیٹوں اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کے مقابر بیت المقدس کے قریب ایک جگہ کھولے گئے اور بہت سے لوگوں نے ان پیغمبروں کی زیارت کی۔ ان کے اعضا میں کسی قسم کا خلل نہ تھا اور ان کے پاس سونے چاندی کے چراغ رکھے تھے"[1]

یاقوت علی ہروی کے مذکورۂ بالا بیانات کا بڑا حصہ نقل کر کے جبرون کی گزشتہ تاریخ کے متعلق حسب ذیل روایات کا اضافہ کرتا ہے :-

"جبرون یروشلم کے قریب اس گاؤں کا نام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام مدفون ہیں۔ اور اسی لیے جبرون کی بجائے اس مقام کو آنحضرت کے مشہور لقب کی بناء پر "الخلیل" کہنے لگے ہیں جبرا بھی اسی

---

[1] :- کومت ریاں نے رسالۂ "Archives de Porient Latin" جلد دوم (صفحہ ۴۱۱) مطبوعہ ۱۸۸۴ء کے ایک مضمون میں ان تمام روایات و کیفیات کو جمع کیا اور ان پر بحث کی ہے جو جبرون میں پیغمبروں کے مقابر کی زیارات کے متعلق ہم تک پہنچی ہیں۔ جبرون کے عام حالات پر ایم کواترمیئر نے اپنی "تاریخ سلاطین مملوک" کے ضمیمے (جلد اول حصہ دوم) صفحہ ۲۳۹ میں

باب ہشتم

بستی کا دوسرا نام ہے۔ یہاں کی عمارتیں سلیمانؑ کی بنوائی ہوئی ہیں۔ کعب الحبر[1] کی روایت کے بموجب سب سے پہلے یہاں حضرت سارہ کا انتقال ہوا اور یہیں دفن کی گئیں۔ ان کی قبر کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے موضع حبرا کے قریب یہ قطعۂ زمین پچاس درہم میں خرید کیا اور اس زمانے کا ایک درہم (قوت خرید میں) آج کل کے پانچ درہم کے برابر ہوتا تھا۔ اس طرح پہلے حضرت سارہ یہاں دفن ہوئیں اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ، رابقہ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور لیَعیا یا ایلیہ کی قبریں یہیں بنیں۔ حضرت سلیمانؑ نے وحی ربانی کے ذریعے اور ایک آسمانی روشنی کی ہدایت سے الرّامہ میں عمارت بنانی شروع کی تھی جو بلندی پر واقع ہے کہ حبرا اس کے زیر قدیم ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "یہاں نہیں۔ کیونکہ آسمان میں روشنی کو دیکھو۔ کیا وہ حبرا پر، غار کے اوپر نہیں پڑ رہی ہے؟" تب حضرت سلیمانؑ نے غار کے اوپر وہ احاطہ تیار کرایا جو ابھی تک موجود ہے۔ اور اس غار میں حضرت آدمؑ کی قبر تھی اور احاطے کے عقب میں حضرت یوسفؑ کی قبر ہے۔ حضرت یوسفؑ کی نعش پہلے نیل کے وسط میں دفن تھی۔ وہاں سے حضرت موسیٰؑ اسے یہاں لائے۔ غار زمین کے اندر ہے اور احاطہ اس کے اوپر بشکل دائرہ نہایت استحکام سے بنایا گیا ہے۔

حبرون کو رسول کریم علیہ التحیوٰۃ والتسلیم نے اپنے صحابی تمیم الداریؓ اور ان کے گھر والوں کو بطور جاگیر عطا فرما دیا تھا۔ اس دستاویز میں بیت عینون، حبرون، المرطوم اور بیت ابراہیمؑ کے نام درج ہیں اور یہ مواضع اور ان کے متعلقہ اقطاع سب حضرت تمیمؓ کو عطا کیے گئے تھے۔ (یاقوت دوم، ۱۹۴۔ مراصد، اول، ۲۸۴)۔

ابوالفدا مختصر طور پر حبرون کا ذکر کرتا ہے لیکن مذکورہ بالا بیان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ جو حواشی تحریر کیئے ہیں، ان کا مطالعہ فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

[1] :۔ کعب الحبر کا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں صفحہ ۱۷۳)۔

علاوہ کوئی نئی بات نہیں لکھتا "(ابو الفدا، ۱۴۲) "

سیاح ابن بطوطہ ۱۳۵۵ء میں جبرون آیا اور اس کے سفر نامے میں اس مقام کا یہ حال لکھا ہے :۔

"جبرون کی مسجد (= حرم) تراشیدہ پتھروں سے چُنی گئی ہے اور ایک ایک پتھر ۲۷ بالشت (= شبر) طول میں ہے۔ کہتے ہیں حرم شریف کو حضرت سلیمانؑ نے جنات کی مدد سے بنوایا تھا۔ اس کے اندر مقدس غار ہے جس میں حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور انکی ازواج کی قبریں ہیں "

منبر کے دائیں جانب اور باہر کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی ایک جگہ ہے کہ سنگ مرمر کی مستحکم بنی ہوئی سیڑھیوں سے اس میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے ایک تنگ چھتے میں راستہ جاتا ہے جو ایک سنگ مرمر کے فرش والے کمرے میں نکلتا ہے۔ اس میں تین قبروں کے تعویذ ہیں اور انہی کے نیچے قریب ہی اصل قبریں بھی (زمین کے اندر) ہیں اور یہ چھتا ابتداء میں اسی مقدس غار کے اندر تک پہنچتا تھا لیکن اب اسے بند کرا دیا گیا ہے۔ رہا اوپر کا کمرہ تو اس میں خود میں کئی بار اترا ہوں "

اس کے بعد ان قبروں کے اصلی ہونے کے ثبوت میں احادیث نبوی کے اقتباسات وغیرہ پیش کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی قبر بھی مسجد جبرون میں دکھائی جاتی ہے۔ (ابن بطوطہ۔ جلد اول، ۱۱۴، ۱۱۵) "

اسحٰق الخلیلی (باشندہ جبرون) ۱۳۵۱ء کی تصنیف میں ان انبیاءؑ کی قبروں کے متعلق حسب ذیل حالات قلمبند کرتا ہے اور بعد کے اکثر مصنفوں نے اسی کو لفظاً لفظاً نقل کر دیا ہے خاص کر سیوطی نے ۱۴۷۰ء میں (دیکھو رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی، لندن۔ سلسلہ جدید، جلد نوزدہم صفحہ ۲۹۰) اور مجیر الدین نے ۱۴۹۶ء میں (متن قاہرہ صفحہ ۴۱) "

"محمد ابن بحران ابن محمد الخطیب، جو مسجد ابراہیمؑ میں خطیب تھا،

باب ہشتم

بیان کرتا ہے کہ اس نے محمد ابن احمد نحوی سے ذیل کی روایت سنی جو خود اس کے لفظوں میں نقل کی جاتی ہے :- ایک مرتبہ میں قاضی ابو عمرو عثمان ابن جعفر ابن شاذان کے ساتھ حضرت ابراہیم کے مقبرے کی زیارت کو گیا۔ ہم وہاں تین دن کی مدت تک مقیم رہے جب کہ چوتھے دن قاضی ابو عمرو نے حضرت اسحٰقؑ کی بیوی حضرت رابقہ کی قبر کے مقابل کتبے کے پاس جا کے حکم دیا کہ اسے دھویا جائے تاکہ اس کی تحریر صاف ہو جائے۔ اور مجھ سے کہا کہ جو کچھ پتھر پر کندہ ہے اس کی کاغذ کے ایک تختے پر جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا، بجنسہ نقل اتار لوں۔ پھر اسے لے کر وہ الرملہ آیا اور جملہ زبانوں کے جاننے والوں کو جمع کیا کہ جو کچھ لکھا تھا اسے پڑھیں، لیکن کوئی اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ البتہ وہ سب متفق تھے کہ یہ کتبہ قدیم یونانیوں کی زبان میں ہے اور یہ کہ اسے اگر کوئی پڑھ سکتا ہے تو وہ حلب کا ایک شیخ ہے۔ چنانچہ قاضی ابو عمرو نے خاص طور پر شیخ موصوف کے پاس آدمی بھیجا اور درخواست کی کہ وہ الرملہ آئے۔ جب وہ آگیا تو مجھے (یعنی راوی محمد ابن احمد نحوی کو) بھی قاضی نے بلوا لیا۔ میں نے دیکھا کہ حلب سے جو شخص آیا تھا وہ بہت کبیر السن تھا اور اس نے مجھے یہ عبارت املا کرائی جو کتبے کی نقل کا ترجمہ تھی :- خدائے عزوجل سبحانہ، معبود و ہادی قدیر و قوی کے نام سے۔ تحقیق یہ ڈھیری جو اس کتبے کے مقابل ہے، رابقہ زوجہ اسحٰقؑ کی قبر ہے اور اس کے برابر خود اسحٰقؑ کی اور اس کے سامنے حضرت ابراہیمؑ خلیل کی اور وہ جو مشرق کی طرف اس کے مقابل ہے، ان کی بیوی سارہ کی قبر ہے۔ اور آگے بڑھ کے، حضرت ابراہیمؑ کے پہلو میں یعقوبؑ اور انکے متصل زوجہ یعقوبؑ الیا کی قبر ہے۔ کتبہ اسحٰق بقلم خود[1]

علاوہ ازیں محمد ابن بحران ایک اور کتبے کا ذکر کرتا ہے کہ مذکورہ بالا پتھر پر جو عبارت جانب مشرق کندہ تھی اس کی نقل میں یہ بھی درج تھا کہ

---

[1] :- اس دوسری روایت کو سیوطی نے چھوڑ دیا ہے۔

باب ہشتم

اس (پتھر) کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام کا سر مدفون ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ حسب ذیل تھا،

باسمہ تعالی سبحانہٗ قویٌ، قادرٌ، قاھرٌ، عزیزٌ، قدیر۔ اس کتبے کے قریب جو ڈھیر ہے وہ رالقہ زوجۂ اسحٰق کی قبر ہے اور اس کے متصل مغرب کی طرف خود اسحٰقؑ کی۔ اس کے سامنے کی جانب اسی کے جواب کا جو بڑا ڈھیر ہے، وہ حضرت ابراہیم کی قبر ہے اور اس کے مشرق کیطرف اس کتبے کے مقابل کی قبر حضرت سارہ زوجہ ابراہیم کی ہے۔ سب سے اخیر میں لیکن حضرت ابراہیم خلیلؑ کی قبر کی قطار میں یعقوبؑ کی قبر ہے اور اس سے ملی ہوئی مشرق کی طرف ان کی بیوی الیا کی رحمتہ اللہ تعالیٰ وسلام علیہم اجمعین کہ اسی کی رحمت موجب نجات و پاکی ہے!

غرض یہ دو روایتیں ہیں۔ محمدؐ ابن بکران الخطیب نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ حضرت یعقوب کی بیوی کا نام ایلیہ ہے لیکن بعض کتابوں میں لیا (بفتح یا بکسر اول) مرقوم ہے اور وہ لیقا کے نام سے بھی معروف ہیں۔ ولکن اللہ اعلم بالصواب۔ پہلی روایت میں جس قاضی ابوعمرو عثمان ابن جعفر ابن شاذان کا ذکر آیا وہ بہت مشہور و نامور قاضی عدالت تھا لیکن روایت بیان کرنے والے کو اس (قاضی) کے باپ کے نام کی صحت پر پورا وثوق نہ تھا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ عثمان ابن محمدؐ ابن شاذان، الراضی باللہ کے زمانۂ خلافت یعنی سنہ ۳۲۰ھ (سنہ ۹۳۲ء) اور کچھ اوپر سنین سے لے کے آیندہ چند سال میں، الرملہ کا قاضی تھا۔ وہ مستند راوی حدیث ہے اور متعدد اساتذہ سے حدیث کی روایت کرتا ہے اور ذی علم ارباب حدیث کا گروہ کثیر اس سے استناد کرتا ہے۔

الحافظ ابن عساکر تحریر کرتا ہے کہ احادیث کی ایک کتاب میں میں نے حسب ذیل عبارت دیکھی اور اسے نقل کرتا ہوں:۔ محمدؐ ابن بکران ابن محمدؐ الخطیب، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مسجد مبارک کا واعظ روایت کرتا ہے محمدؐ ابن احمد بن علی ابن جعفر العنبری سے جس نے خود سنا اسے

باب ہشتم

ابو بکر الاسقافی سے وہ کہتا تھا کہ "حضرت ابراہیمؑ[1] کا مزار جس جگہ دیکھا جاتا ہے، مجھے حق الیقین حاصل ہے کہ یہ انہی کی قبر ہے کیونکہ میں نے اسے اور آنحضرتؐ کے جسد مبارک کو بچشم خود دیکھا۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ میں نے زر کثیر، بقدر ۴ ہزار دینار اس مقدس مقام اور اس کے محافظوں پر خرچ کیا اس امید میں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی رضامندی حاصل ہو اور میں یہ بھی چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے متعلق جو کچھ سنا تھا اس کی پوری طرح تصدیق ہو۔ چنانچہ جب میرے تقویٰ اور فیاضی اور ان لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق اور مدارات وغیرہ اسی قسم کی باتوں سے، ان (محافظین حرم) کے دل مٹھی میں آ گئے تو میں نے اس شئے کی حقیقت معلوم کرنے کی تدبیر کی جو میرا دلی مقصد تھا اور ایک دن، جب کہ ہم سب ایک جگہ جمع تھے، میں نے ان محافظوں سے کہا کہ "میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے اس غار کے دروازے پر مجھے لے چلنے کی درخواست کروں تاکہ میں اندر اتر سکوں اور برای العین ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور کا مشاہدہ کروں۔ محافظوں نے جواب میں کہا کہ ہم تمہارے واسطے ضرور ایسا کرنے پر آمادہ ہونگے کیونکہ ہم تمہارے بہت کچھ زیر بار احسان ہیں لیکن اسوقت باہر کے زائرین برابر آ رہے ہیں اور یہ بات ممکن نہیں ہے مگر تم جاڑے کے آنے تک صبر کرو۔" چنانچہ جب کانون ثانی (جنوری) کا مہینہ آیا تو میں پھر ان کے پاس گیا لیکن انھوں نے کہا کہ ابھی ہمارے پاس ٹھیرو تا آنکہ برف گرنے لگے۔ پس میں اُن کے پاس برف باری کے زمانے تک رہا اور اس وقت جب زائرین و مسافرین کی آمد موقوف ہوگئی تو محافظ مجھے ایک پتھر کے پاس لے گئے جو حضرت ابراہیمؑ خلیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام کی قبروں کے تعویذوں کے درمیان رکھا ہے اسے انھوں نے الگ اٹھا لیا اور ان میں سے ایک شخص صعلوک نے

---

[1] علی ہروی کی نقل کردہ روایت جو چند ورق اوپر نقل ہوئی یہ گویا اسی کا ایک مطول بیان ہے۔

باب ہشتم

جو بہت اچھا آدمی اور صاحب اعمال حسنہ تھا' میری رہ نمائی کے لیے اترنے پر تیار ہوا۔ پھر وہ نیچے اترا اور میں اس کے پیچھے پیچھے اُترا۔ ہم بہتر سیڑھیاں اترے یہاں تک کہ دائیں طرف ایک جگہ پہنچے جہاں کالے پتھروں کی ایک بڑی چبوتری سی بنی ہوئی نظر آئی' جیسے بازاروں میں دکاندار سائبان ڈال لیتے ہیں۔ اور اس پر ایک کبیر السن مرد کا جسم تھا جو چت لیٹا ہوا تھا اور اس کی ڈاڑھی لمبی اور رخساروں پر گھنی تھی۔ اور سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ صعلوک نے مجھ سے کہا "یہ اسحٰق ہے۔ علیہ السلام" پھر ہم کسی قدر اور آگے چلے اور پہلی سے بھی بڑی چبوتری کے پاس آئے جس پر اسی طرح ایک مرد بزرگ چت لیٹا ہوا تھا کہ درازی سن سے اس کے سینے کے بال تک سفید تھے۔ سر' ڈاڑھی' ابرو کے بال اور پلکیں بھی سفید تھیں۔ وہ بھی سبز لباس میں تھا جس نے اس کے جسم اور تابوت کے بڑے حصے کو ڈھانک رکھا تھا اور ہوا سے اس کے سفید کاکل اِدھر اُدھر اُڑنے لگتے تھے۔ صعلوک نے مجھ سے کہا کہ "یہ ابراہیم خلیل ہے" (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور میں خدائے عزّوجل کی حمد و ثنا کرتا ہوا سجدہ میں گر پڑا کہ اس نے مجھے ایسی چیز دکھائی۔ پھر ہم آگے بڑھے اور دوسرے تابوت کے پاس جو پہلے سے قدرے چھوٹا تھا پہنچے جس پر ایک مرد ضعیف لیٹا تھا اور تمازت آفتاب سے اس کا رنگ سنولایا ہوا اور ڈاڑھی گھنی تھی۔ اس کے جسم پر بھی سبز کپڑے' اسے ڈھکے ہوئے تھے۔ صعلوک نے مجھ سے کہا "یہ یعقوب نبی ہیں" علیہ السلام۔ پھر ہم دائیں طرف گویا حرم کے اندر جانے کے لیے پلٹے۔

محمد العنبری کہتا ہے کہ اس جگہ پہنچکر ابو بکر الاسقافی نے مجھ سے کہا کہ یہ قصہ یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ میں اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہماری ملاقات اور جو کچھ وہ سنا رہا تھا' وہ بات یہیں ختم ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد فرصت ملتے ہی میں خود مسجد ابراہیم (= حبرون) گیا اور مسجد میں پہنچ کر میں نے صعلوک کی نسبت دریافت حال کیا۔ لوگوں نے کہا وہ ایک

باب ہشتم

گھنٹے میں یہاں آجائے گا۔ پھر جب وہ آیا تو میں اس کے پاس گیا اور اس کے برابر بیٹھ کر جو کچھ میں نے (اس کے دوست ابوبکر الاسقافی سے) سنا تھا وہ بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن وہ مجھے ایسی نظر سے دیکھتا رہا گویا ان واقعات سے جو میں کہہ رہا تھا، بالکل لاعلم ہے۔ تب میں اس کی طرف نیازمندی کے ساتھ متوجہ ہوا اور اس پر ظاہر کیا کہ میں کوئی برا خیال نہیں رکھتا بلکہ ابوبکر الاسقافی میرا چچا ہے۔ اس پر وہ بھی میری جانب مائل ہو گیا۔ میں نے کہا "اے صعلوک، تم کو خدا کی قسم، یہ تو بتاؤ کہ جب تم حرم کے اندر جانے کے لیے پلٹے تو کیا واقعہ ہوا اور کیا چیز تھی جو تم نے معائنہ کی؟" اس نے کہا "کیا ابوبکر نے اس بارے میں تجھ سے کچھ نہیں کہا؟" میں نے جواب دیا "میں اسے تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں" تب اس نے کہا کہ ہم نے ایک آواز، گویا حرم کے قریب سے آتی ہوئی سنی کہ کوئی پکار کے کہتا ہے کہ "تم حرم سے چلے جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے!" اور ہم دونوں بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو ہم اٹھے مگر زندگی سے ناامید تھے اور ہمارے ساتھی بھی جو اوپر تھے مایوس ہو گئے تھے کہ ہم کو دوبارہ زندہ نہ دیکھیں گے۔ شیخ (محمد العنبری) نے یہ بھی مجھ سے کہا کہ ابوبکر الاسقافی اس قصے کو مجھ سے بیان کرنے کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہا اور صعلوک بھی جلد ہی انتقال کر گیا۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سیوطی ۹۱۱ھ میں یہ پورا حال نقل کرتا ہے اور اپنی کتاب کے تیرھویں باب کے شروع میں، ذیل کی روایت بھی لکھتا ہے جو ہو نہ ہو اسرائیلی ماخذ ہی سے ماخوذ ہے۔

"ابن عساکر روایت کرتا ہے اور اس کا سلسلۂ رواۃ کعب احبار تک منتہی ہوتا ہے کہ، سب سے پہلے حضرت سارہ کا حبرون میں انتقال ہوا اور دفن کی گئیں ..... پھر خود حضرت ابراہیمؑ نے رحلت فرمائی اور حضرت سارہ کے برابر دفن کیے گئے۔ پھر حضرت اسحٰق کی بیوی رابقہ اور ان کے

کچھ مدت بعد حضرت اسحٰقؑ کا انتقال ہوا اور پاس پاس دفن کر دئے گئے۔ پھر جب حضرت یعقوبؑ نے وفات پائی تو غار کے دہانے کے قریب رکھے گئے اور بعد میں ان کی بیوی لِقا Leah کا انتقال ہوا تو وہ آنحضرت کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ تب حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے مل کر، اور اَلیئو اور اس کے بھائیوں نے جمع ہو کر کہا کہ اس غار کے دہانے کو کھلا رہنے دو کہ آئندہ کوئی فوت ہو تو اسی میں دفن کر دیا جائے لیکن بعد میں وہ آپس میں کسی بات پر لڑ پڑے اور اَلیئو کے کسی بھائی، یا بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا اور اَلیئو کے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر کٹ کے گرا، اور لڑھکتا ہوا اس غار میں گیا اور وہ اس کے جسم کو وہاں سے اٹھا لائے اور بغیر سر کے دفن کر دیا کیونکہ سر غار کے اندر ہی رہا اور غار کو انھوں نے ایک دیوار سے بند کر دیا۔ پھر ہر قبر پر انھوں نے یادگار بنا دی اور الگ الگ ہر ایک پر کندہ کر دیا کہ یہ ابراہیمؑ کی قبر ہے، یہ سارہ کی قبر ہے وقس علیٰ ہذا۔ پھر دروازے بند کر کے وہ وہاں سے رخصت ہو گئے"[1] (سیوطی - ۲۸۹ - مجیر الدین ۶۱) ؎

مجیر الدین، جس نے ۱۴۹۶ء میں اپنی کتاب لکھی، مذکورۂ بالا سب کیفیت نقل کرتا ہے۔ مزید برآں اس نے جبرون کے حرم شریف کی بہت اہتمام سے پیمائشیں کیں اور وہاں کی عمارتوں کی، جیسی کہ وہ پندرھویں صدی کے آخر میں تھیں، بہت تفصیلی کیفیت لکھ گیا ہے۔ حرم جبرون کی موجودہ حالت مجیر الدین کے اس بیان سے نہایت قریبی مطابقت رکھتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مجیر الدین کے زمانے سے اب تک وہاں کی عمارات میں کوئی خاص ردّ و بدل نہیں ہوا ہے ؎

ناصر خسرو نے بہت پہلے، یعنی ۱۰۴۷ء ہی میں، لحد یوسف کی نسبت

---

[1]: یہ اسرائیلی روایت، بابلی تالمود میں موجود ہے۔ سوطہ اوّل، ۱۳ ؎

باب ہشتم

لکھا ہے کہ وہ حرم حبرون کے "مغرب کے رخ پر" ہے۔ اس لحد کا سب سے پہلے انکشاف کا دسویں صدی کے اوائل میں ہونا بیان کیا جاتا ہے اور اس کا جو کچھ حال مجیر الدین نے لکھا ہے، ذیل میں ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

حضرت یوسفؑ کی قبر اس قطعے میں ہے جو حضرت سلیمانؑ کے بنائے ہوئے احاطے (یعنی حرم) کے باہر رہ گیا ہے۔ خود یہ قبر حضرت یعقوبؑ کی قبر کے مقابل، اور آنحضرتؐ کے آبائے کرام، ابراہیمؑ و اسحٰقؑ (علیہما السلام) کی قبروں کے قریب ہے۔ یہ ابراہیم ابن احمد النخلنجی کا بیان ہے کہ خلیفہ المقتدر[1] کی بیویوں میں سے، العجوز نام، ایک بیوی نے جو اس مقدس شہر میں مقیم تھی، مجھ سے فرمائش کی کہ اس مقام پر جاؤں جہاں حسب روایات حضرت یوسفؑ دفن ہوئے اور لحد کا پتہ چلا کر اس کے اوپر کوئی مقبرہ وغیرہ تعمیر کرادوں چنانچہ النخلنجی مزدوروں کو لے کے روانہ ہوا اور وہ جگہ معلوم کی جہاں مشہور تھا کہ یوسف علیہ السلام دفن ہوئے ہیں۔ اور یہ احاطے کے باہر حضرت یعقوبؑ کی قبر کے مقابل ایک جگہ تھی جسے النخلنجی نے کھیت کے مالک سے خرید لیا اور اسے کھدوانا شروع کیا۔ روایت میں جس جگہ کی نشاندہی کی جاتی تھی، ٹھیک اسی جگہ انھیں ایک چٹان ملی اور النخلنجی کے حکم سے اس کو توڑ دیا گیا۔ اس کا ایک ہی حصہ الگ کیا گیا تھا اور النخلنجی کہتا ہے کہ خود میں بھی کھائی کے اندر موجود تھا کہ مزدوروں نے پتھر کا ٹکڑا جو اٹھایا تو ناگہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک ہمیں نظر آیا کہ حسن و جمال میں ویسا ہی دلکش و دلربا تھا جیسا کہ ہمیشہ سے ہم سنتے آئے تھے۔ پھر پہلے تو اس مقام سے مشک کی خوشبو آئی اور اس کے بعد تیز ہوا چلنے لگی لہٰذا میں نے مزدوروں سے کہا کہ چٹان کے ٹکڑے کو اپنی جگہ پر اسی طرح رکھ دیں جیسا کہ وہ پہلے تھا۔

---

[1] :- عہد حکومت ۹۰۸ء تا ۹۳۲ء۔

باب ہشتم

پھر مجیر الدین لکھتا ہے کہ "بعد ازاں انھوں نے اس جگہ وہ گنبد بنوا دیا جو اب تک موجود ہے تاکہ یوسف علیہ السلام کے اس جگہ دفن ہونے کی تصدیق رہے۔ یہ گنبد حضرت سلیمانؑ کے احاطے کے باہر، جانب مغرب بنا ہوا ہے اور اس مدرسہ کی حدود میں داخل ہو گیا ہے جو الملک الناصر حسنؒ[1] کے نام سے موسوم تھا اور آج کل القلعہ کہلاتا ہے۔ منڈی میں مسجد کا جو دروازہ کھلتا اور خواجہ سرا کے چشمے (= عین تواشی) کو وہاں سے راستہ جاتا ہے، اسی دروازے سے مذکورۂ بالا گنبد کو آتے ہیں اور یہاں کے مزار شریف (= حضرت یوسفؑ کی قبر) کی زیارت کے لیے بکثرت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک اور دروازہ حبرون کے ایک محافظ شہاب الدین احمد الیغمورؒ[2] نے احاطۂ سلیمانؑ کی مغربی دیوار میں تڑوا دیا ہے جو سیدنا یوسفؑ کی قبر کے بالمقابل کھلتا ہے۔ اسی عہدہ دار نے نیچے کی قبر پر تعویذ بھی بنوایا ہے تاکہ نشان قبر معلوم اور حرم شریف میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی مثل اس پر بھی تعویذ رہے۔ یہ تعمیر سلطان برقوقؒ[3] کے عہد حکومت میں ہوئی ہے۔" (مجیر الدین۔ ۶۴۰)

حبرون کے حرم شریف کی کیفیت اور پیمائشیں جو مجیر الدین نے اپنے زمانے کی عمارات کے متعلق تحریر کیں، ذیل کے ترجمے میں ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ اصل عبارت مجیر الدین کی کتاب مطبوعہ قاہرہ کے صفحہ ۵۶ و آئندہ پر ملے گی۔ قوسین میں جو حروف ہیں، وہ نقشہ مقابل صفحہ ۳۸۰ کے مقامات بتاتے ہیں۔

"حرم حبرون، بنائے سلیمانؑ کی دیواروں کے اندر کی پیمائشیں:
شمالاً، جنوباً، منبر (ک) کے قریب محراب کلاں کے عقب سے لے کے

---

[1]: مصر کا ایک مملوک بادشاہ ۷۶۲ھ (= ۱۳۶۱ء) میں مقتول ہوا۔
[2]: یروشلم اور حبرون کا ۷۹۶ھ (= ۱۳۹۴ء) میں والی تھا۔
[3]: مملوک سلطان مصر۔ عہد حکومت از ۷۸۴ھ تا ۸۰۱ھ (= ۱۳۸۲ء تا ۱۳۹۹ء)۔

باب ہشتم

عمارت کے آخری سرے تک، جہاں حضرت یعقوبؑ کی قبر ہے (ع) طول اسّی درع۔ اور درع کاریگروں کا جو عام درع سے $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ درع کم ہوتا ہے ؎

صدر دروازہ سے، مغربی رواق (= دالان) کی پشت تک، جس میں حضرت یوسفؑ کے مزار (ث) کو جانے کے لیے کھڑکی تڑوائی گئی ہے، عرض، ۱۴ + $\frac{1}{3}$ یا $\frac{1}{2}$ درع۔ کیونکہ درع وہ ہے جو آج کل (یعنی مجیر الدین کے زمانے میں) کاریگر استعمال کرتے ہیں ؎

دیوار کی چوڑائی ہر طرف سے ۳ $\frac{1}{2}$ درع ہے۔ جہاں سب سے بلند ہے، وہاں چنائی کے ردّے پندرہ نظر آتے ہیں۔ یہ بلند ترین حصہ جنوب مغربی گوشے میں القلعہ کے دروازے (د) کے قریب ہے اور اس جگہ زمین سے دیوار کی بلندی ۲۶ درع ہے۔ مگر اس میں وہ حصہ شامل نہیں ہے جو قدیم سلیمانی دیوار کے اوپر یونانیوں نے تعمیر کرایا تھا۔ سلیمانی دیوار میں جو پتھر لگائے گئے ہیں ان میں سب سے بڑا طبل خانے کے قریب ۱۱ درع طویل ہے۔ دیوار کا ایک ایک ردّا ۱ $\frac{2}{3}$ درع ہے۔ جنوب مشرقی اور شمال مغربی گوشوں پر دو مینارے (ذ۔ض) دیوار کے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور بہت خوبصورت بنے ہوئے ہیں ؎

عمارات کی کیفیت یہ ہے کہ چار دیواری کے اندر ایک لدائو کی عمارت (= کینسہ) جنوب سے شمال تک اور تقریباً نصف رقبے پر پھیلی ہوئی ہے یہ یونانی زمانے کی یادگار ہے۔ اس میں تین دالان ہیں اور بغلی دالانوں کی بہ نسبت وسطی زیادہ بلند ہے۔ چھت چار مضبوط بنے ہوئے پایوں پر قایم کی ہے۔ اس لدائو میں وسطی دالان کے سرے پر محراب کلان، اور اس کے بازو میں چوبی منبر ہے جو فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے عہد حکومت میں، یا بدر الجمالی کے حکم سے ۴۸۷ھ (= ۱۰۹۴ء) میں تیار ہوا تھا اور صلاح الدین رح کے زمانے میں عسقلان سے یہاں لایا گیا؎

عمارت کے اس حصے میں مغربی دیوار کا پایہ (ی) منبر کے برابر ہے

باب ہشتم

شروع ہوتا ہے، اسی پائے کے قریب حضرت اسحٰق کی اور دوسری طرف
مشرقی پائے (ط) کے قریب ان کی بیوی حضرت رابقہ کی قبریں ہیں۔ اس
صدر عمارت (= کنیسہ) میں تین در صحن حرم میں کھلتے ہیں اور ان میں سے
بیچ کا دروہ ہے جس سے مشہد یا حرم ابراہیم علیہ السلام کو راستہ جاتا ہے۔
یہ لداؤ کی چھت کا سنگ مرمر کا بنا ہوا کمرہ ہے جس کے مغربی حصّے کے
حجرے (ن) میں حضرت ابراہیمؑ کی قبر ہے اور جانب مشرق بالمقابل
حجرے میں حضرت سارہ (م) مدفون ہیں۔ عمارت کا دوسرا در جو مشرق
کی سمت اور سلیمانی دیوار کے صدر دروازے کے قریب ہے حضرت
سارہ کی قبر کی پشت کی طرف ہے۔ اور اس کے جواب کا مغربی در
حضرت ابراہیمؑ کی قبر کے عقب میں ملا ہوا واقع ہے۔ اسی سے دالان میں
داخل ہوتے ہیں۔ یہ دروازہ شہاب الدین الیغموری نے بنوایا تھا جس نے
سلیمانی دیوار میں مزار یوسفؑ کو جانے کے لیے کھڑکی بھی کھلوائی تھی۔ اور
یہ سلطان برقوق کے عہد حکومت میں ۷۹۶ھ (= ۱۳۹۴ء) کا ذکر ہے۔

احاطۂ سلیمانؑ کے شمالی حصے میں حضرت یعقوبؑ کی قبر (ع) جانب
مغرب اور حضرت ابراہیم کے مزار شریف کی قطار میں واقع ہے۔ اس کے
بالمقابل مشرق کی طرف ان کی بیوی حضرت لقا کا مزار ہے (س)۔
حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی قبروں کے درمیان
مسجد کا صحن کھلا ہوا ہے۔ ان پیغمبروں کی قبروں پر جو گنبد ہیں، کہا جاتا ہے
کہ یہ اموی خلفاء کے زمانے میں تعمیر ہوئے تھے۔

یہ کیفیت جو ۱۴۹۶ء کی لکھی ہوئی ہے، حرم جبرون کے ہمارے
زمانے کے حالات سے کلیتہً مطابقت رکھتی ہے۔ (ملاحظہ ہو پی۔ ای۔ ایف
میموائرز ۳ سوم - ۳۳۷)۔

۱ - اب بند کر دیا گیا ہے۔

باب ہشتم

عکّہ یا عکّا

"ولایت اُردن کے ساحل پر ایک شہر" (یعقوبی) ۱۱۵ مقدسی ۱۸۵ کی تحریر میں اس شہر کی حسب ذیل کیفیت تحریر کرتا ہے:

"عکہ سمندر کے کنارے، قلعہ بند شہر ہے۔ اس کی مسجد بہت وسیع ہے جس کے صحن میں زیتون کے درختوں کا ایک جھنڈ ہے کہ انہی کا تیل مسجد کے چراغوں کے لیے کافی ہوتا بلکہ بچ رہتا ہے۔ ابن طولون حاکم مصر کے یہاں آنے تک یہ شہر بلا فصیل اور دیواروں کے پڑا تھا۔ مگر جب وہ صور سے، جہاں اس نے وہ دیواریں اور مورچے جو گودی کی حفاظت کے لیئے وہاں دائرے کی صورت میں تعمیر کیئے گئے ہیں، دیکھے اور عکے آیا تو اس نے چاہا کہ یہاں بھی ایسی ہی ناقابل تسخیر قلعہ بندی کرا دے جیسی صور میں ہے۔ چنانچہ تمام ولایتوں سے ماہرین فن جمع ہوئے لیکن جب یہ مسئلہ ان کے روبرو پیش ہوا تو سب نے اعتراف کیا کہ آج کل کوئی نہیں جانتا کہ پانی میں عمارت کی بنیاد کس طرح رکھی جائے۔ تب کسی نے ابن طولون سے میرے دادا ابو بکر المعمار کا ذکر کیا کہ ان مسائل میں اگر کسی کو مہارت ہے تو صرف اس کو ہے۔ چنانچہ ابن طولون نے اپنے نائب کو یروشلم خط لکھا اور حکم دیا کہ میرے دادا کو اس کے پاس بھیج دیا جائے اور جب وہ وہاں آیا تو معاملہ اس کے سامنے پیش کیا۔ میرے دادا نے کہا کہ "یہ بات کچھ دشوار نہیں۔ شامی انجیر کے شہتیر جو بڑے اور مضبوط ہوں، منگوا لیجئے"۔ اور جب یہ شہتیر آئے تو انھیں ایک دوسرے سے باندھ کر سطح آب پر چھوڑ دیا، اس طرح کہ فصیل شہر سے (جو سمندر کی طرف تھی) وہ آگے کو نکلے ہوئے بہتے رہے۔ اور مغرب کی طرف اس نے ایک بہت بڑے پھاٹک کی جگہ خالی رکھی۔ پھر ان شہتیروں کے اوپر پتھر اور چونے گچ سے چنائی شروع کی۔ پانچ پانچ ردّوں کے بعد وہ مضبوطی کے لیے

باب ہشتم

بڑے بڑے ستون نصب کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کے تعمیر کے وزن سے شہتیر ڈوبنے لگے لیکن وہ آہستہ آہستہ ڈوبے اور بالآخر ریتی پر (زیرِ آب) جا ٹکے۔ تب انھوں نے سال بھر تک چُنائی بند رکھی کہ وہ اچھی طرح مضبوط ہو جائے اور اس کے بعد دوبارہ آ کے تعمیر شروع کی۔ اور جہاں سے اس کا سلسلہ چھوڑ دیا تھا، وہاں سے میرے دادا نے اسے بڑھا کے شہر کی قدیم دیوار سے اس کا اتصال کر دیا اور اس طرح نئی تعمیر کو پرانی تک پہنچا کے دونوں کو جوڑ دیا۔ بندرگاہ کے مغربی راستے کے اوپر اس نے ایک پل بنایا اور رات کو جب جہاز اندر آ جاتے تو لوہے کی زنجیر سے یہ بحری دروازہ بند کر دیا جاتا جیسا کہ صور میں معمول تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کام کے صلے میں میرے دادا کو ایک ہزار دینار (= ۵۰۰ پونڈ) ملے اور خلعت اور گھوڑے اور دوسرے تحائف اس کے علاوہ تھے اور عمارت پر اس کا نام کندہ کیا گیا۔ واضح رہے کہ جب تک یہ بندرگاہ نہیں بنی تھی، دشمن اکثر موقع دیکھ کے آ جاتے اور یہاں جو جہاز ٹھیرے ہوئے ہوتے، ان کو سخت نقصان پہنچا دیا کرتے تھے۔" (مقدسی، ۱۶۲-۱۶۳) ؎

اس کیفیت کو یاقوت نے بلفظہٖ نقل کر دیا ہے (جلد سوم، ۷۰۷ و ۷۰۸، مراصد دوم-۲۷۱- بالاختصار) اور لکھ کر یہ تصدیق بھی کی ہے کہ وہ کتبہ جس میں ابوبکر معمار کا نام کندہ تھا، اس کے زمانہ تحریر یعنی تیرھویں صدی تک موجود تھا۔ جس طرز تعمیر کا بیان کیا گیا ہے کہ پتھر کے ستون بطور کرسی بنائے جاتے تھے، یہ قرونِ مابعد میں صلیبیوں کے ہاں بھی بہت مروج رہا۔ اس دُہری گودی کے کھنڈر جو عکے کی اندرونی بندرگاہ تھی، اب بھی دکھائی دیتے ہیں اگرچہ اب یہ بالکل تہ آب ہو گئے ہیں ؎ (میموائرز: W. P۔ جلد اول، ۱۶۰) ؎

عکے کا دوسرا بیان جو ہم تک پہنچا، ایرانی سیاح، ناصر خسرو کی قلم کا لکھا ہوا ہے جو ۱۰۴۷ء میں اس شہر کی سیاحت کے لیے آیا تھا ؎

صور سے روانہ ہونے کے بعد ہم سات فرسخ چلے اور عکے کی بستی

باب ہشتم

میں آئے جیسے سرکاری تحریروں میں مدینتہ العکہ لکھا جاتا ہے۔ یہ شہر بلندی پر واقع ہے۔ زمین ڈھلوان مگر ایک حصہ مسطح ہے۔ اس تمام ساحل پر شہر وہیں آباد کئے گئے ہیں جہاں بلندی ہے کیونکہ سمندر کی موجوں کی دست برد کا خطرہ تھا عکے کی مسجد جمعہ بستی کے وسط میں تمام عمارتوں سے زیادہ بلند نظر آتی ہے۔ اس کے جملہ ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کے باہر دائیں طرف اور قبلے (یعنی جنوب) کی سمت حضرت صالح علیہ السلام کا مقبرہ ہے[1]۔ مسجد کے صحن کے ایک حصے میں پتھر کا فرش ہے اور باقی میں ہری گھاس پات بو رکھی ہے کیونکہ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے زراعت اسی زمین پر کی تھی میں نے شہر کی پیمائش بھی کی اس کا طول دو ہزار اور عرض پانچسو درع پایا۔ اس کی شہر پناہ نہایت مستحکم ہے اور مغرب و جنوب کی طرف سمندر واقع ہے۔ اسی جنوب کی طرف مینا (یا بندرگاہ) ہے۔ واضح رہے کہ اس ساحل کے اکثر قصبات میں اسی قسم کی بندرگاہیں بنی ہوئی ہیں جن میں جہاز آکر ٹھیر سکتے ہیں اور جو کہنا چاہیے کہ اصطبل کی مثل ہوتی ہیں۔ ان کی پشت بستی کی طرف اور دیواریں آگے سمندر کے اندر تک بڑھی ہوئی بناتے ہیں۔ اور بیچ میں آنیکا راستہ خالی چھوڑ دیتے ہیں اور بجائے دیوار کے ان پہلو ہی کی دیوار و بیچ ایک سرے سے دوسرے سرے تک زنجیر لگا دیتے ہیں جس وقت جہاز کو اندر لینا ہو تو زنجیر اتنی ڈھیلی کر دی جاتی ہے کہ پانی میں اس قدر ڈوب جائے کہ اس کے اوپر سے جہاز گزر کے مینا یا گودی کے اندر داخل ہو سکے اور اس کے بعد پھر زنجیر تان دی جاتی ہے کہ کوئی غیر جہاز آ کے اندر کے جہازوں پر دست درازی نہ کر سکے؟

---

[1]:۔ قرآن شریف کی رو سے حضرت صالح قوم ثمود کی اصلاح و ہدایت کے واسطے بھیجے گئے تھے (سورہ اعراف۔ آیہ ۷۱) انھیں بعض لوگ توراۃ کی کتاب آفرینش ۲ ملا ۱۶، کا پلگ اور بعض اسی باب کی آیہ ۱۲ کا صالح سمجھتے ہیں؟

باب ہشتم

شہر کے مشرقی دروازے کے باہر، بائیں ہاتھ کو ایک چشمہ ہے جس کے پانی تک پہنچنے کے لیئے ۲۶ سیڑھیاں اترنی پڑتی ہیں۔ اسے عین البقر (بیل کا چشمہ) کہتے ہیں اور اس کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے دریافت کیا اور اپنے بیلوں کو یہاں لا کے پانی پلایا جس کی وجہ سے یہ عین البقر موسوم ہو گیا۔

عکّہ کی بستی سے نکلنے اور مشرق میں چلنے کے بعد آپ کو وہ پہاڑی علاقہ (زیرین جلیل) ملتا ہے جہاں بہت سے انبیاء علیہم السلام کی شہادتوں کے مقامات ہیں اور یہ قطعہ اس راستے سے الگ ہٹا ہوا ہے جس سے لوگ الرّملہ جاتے ہیں۔۔۔ میں اس میں گیا اور وہاں میں نے بانیٔ شہر عکّہ حضرت عکّہ کے مقبرے کی زیارت کی جو ایک صالح اور برگزیدہ شخص گزرے ہیں۔" (ناصر خسرو ۱۲ و ۱۴)

سنہ ۱۱۰۴ء میں شاہ بالڈوِن اور صلیبیوں نے عکّہ لے لیا۔ ادریسی سنہ ۱۱۵۴ء میں، اگرچہ دوسرے سیاحوں کے زبانی بیان کیے ہوئے حالات سن کے تحریر کرتا ہے کہ "عکّہ ایک بڑا شہر ہے جسے وسیع پیمانے پر بنایا گیا ہے اور اس کے گرد بہت سے توابع ہیں۔ اس کی بندرگاہ خوبصورت اور محفوظ ہے۔ آبادی (قوم و مذہب کے اعتبار سے) مخلوط قسم کی ہے۔" (ادریسی۔ ۱۲)

دوسرا بیان علی ہروی کا، سنہ ۱۱۷۳ء کا نوشتہ ہے۔ وہ یہاں کے مشہور عین البقر کی جس کی یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب کے سب یکساں تعظیم کرتے تھے اور جو اُن دنوں زیارت کا مقبول مقام تھا حسب ذیل کیفیت لکھتا ہے۔ واضح رہے کہ صلیبیوں نے کچھ روز بعد یہاں کی مسجد کے مشرقی حصّے کو گرجا بنا لیا تھا۔

علی ہروی لکھتا ہے کہ "یہاں عین البقر ہے جہاں سے وہ بیل آئے تھے جن سے حضرت آدم نے زمین میں ہل چلائے۔ اس چشمے کے اوپر حضرت علی ابن ابی طالب کے نام کا (درگاہ یا) مشہد بنا ہوا ہے۔

باب ہشتم

فرنگیوں کی خواہش تھی کہ اسے گرجا بنالیں اور انھوں نے (ایک دن) ایک محافظ بھی اس کام کے لیے مقرر کردیا کہ عمارت کی نگرانی رکھے اور نماز پڑھائے۔ لیکن دوسرے دن صبح وہ آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو کہتا تھا کہ " میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ اپنے لوگوں سے جاکر کہہ دے کہ وہ اس مقام کو مسجد ہی رہنے دیں ورنہ میں تجھ کو ہلاک کردوں گا"۔ لیکن محافظ کے قول کا اس کے ہموطنوں نے اعتبار نہیں کیا اور اس کی بجائے دوسرا آدمی مقرر کردیا مگر جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہے تب فرنگیوں نے یہ ارادہ چھوڑ دیا اور یہ جگہ آج کے دن تک مسجد ہی چلی آتی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت صالحؑ کا مقبرہ شہر کی مسجد جامع کے جنوب میں ہے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ عکّہ یا عکّہ کا مقبرہ بھی، جس کے نام پر شہر موسوم ہے، اسی نواح میں ہے"۔ (علی ہروی نسخہ اوکسفورڈ، ۳۲)۔

اس کے بعد کا حال ہسپانوی عرب ابن جبیر کا نوشتہ ہے جو ۱۱۸۵ء میں، یعنی سلطان صلاح الدینؒ کے بار دگر شہر کو تسخیر کرنے سے دو ہی سال قبل، یہاں وارد ہوا۔ ذیل میں کسی قدر اختصار کے ساتھ اس کے سفر نامے کے وہ فقرے ترجمہ کیے جاتے ہیں جن میں اس نے شہر کے حالات لکھے ہیں:۔

" اس رات ہم ایک مزرعہ میں، عکّے سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ٹھیر گیے۔ مسلمان زمیندار کی طرف سے یہاں ایک نمبردار یا چودھری مقرر تھا اور فرنگیوں نے بھی اسی کو کسانوں کی دیکھ بھال اور زراعت کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے نگران بنا رکھا تھا۔ اس نے ہمیں مہمان رکھا اور قافلے کے خرد و بزرگ سب لوگوں کی دعوت کی اور اپنے گھر کی ایک چوڑی غلام گردش میں ٹھیرایا اور کھانا کھلایا۔ اس رات ہم وہیں رہے اور دوسرے دن عکّے میں داخل ہوئے اور لوگ ہمیں ایک دیوان (= دفتر کروڑ گیری) میں لے چلے جو ایک سرائے ہے اور قافلے وہیں ٹھیرتے

باب ہشتم

ہیں۔ اس کے پھاٹک کے سامنے ایک چبوترہ پر قالین بچھے تھے جس پر دفتر کے منشی جو نصاریٰ کی طرف سے مقرر ہیں، بیٹھتے ہیں۔ ان کے آگے آبنوس کی چوکیاں (یا میزیں) سونے کے کام سے مذہب و مرصع دھری تھیں۔ یہ لوگ عربی میں حساب کتاب لکھتے اور یہی زباں بولتے ہیں اور جو کچھ ان کے سامنے ہوتا ہے اسے قلمبند کرتے رہتے ہیں۔ انکا صدر صاحب الدیوان (یا مہتمم کرڑوڑگیری) ہے"

شام کے فرنگی شہروں میں عکہ، بڑا شہر اور بڑی بندرگاہ ہے جہاں ان کے اکثر جہاز مقیم رہتے ہیں، اور اس اعتبار سے وہ قسطنطنیہ کے بعد ان کی سب سے بڑی جہازگاہ ہے۔ ملک ملک کے مسلم اور نصرانی تجار کا مقام اتصال ہے لیکن (اس وقت) خنزیر و صلیب سے بھرا ہوا ہے۔ فرنگیوں نے اسے چھٹی صدی ہجری کے پہلے عشرے میں مسلمانوں سے لیا۔ یہاں کی مسجد کو گرجا اور اس کے مینار کو گھنٹا گھر بنا دیا۔ تاہم اللہ نے اتنا فضل کیا کہ مسجد جامع کا ایک حصّہ اس نجاست سے ابھی تک پاک اور آج تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ جہاں پردیسیوں کی طرح وہ نماز کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی کی محراب کے قریب صالح علیہ السلام کا مزار ہے۔ بستی کے مشرقی حصّے میں عین البقر نامی چشمہ ہے جہاں سے خدا کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے بیل آیا تھا۔ چشمے کے اندر اترنے کیلیے صاف کیے ہوئے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور اس کے اوپر ایک مسجد ہے جس کی محراب ابھی تک اچھی حالت میں صحیح سالم ہے اس کے مشرق کی طرف فرنگیوں نے ایک محراب یا خطبہ گاہ اپنے لیے الگ بنالی ہے اور اسی ایک احاطے میں مسلم و کفّار نماز کے واسطے جمع ہوتے ہیں۔ البتہ یہ مقام نصاریٰ کے قبضے میں ہے اور وہ اس کی بہت حرمت کرتے ہیں۔ عکّے میں ہم دو روز ٹھیرے اور اس کے بعد صور گئے" (ابن جبیر ۳۰۶ و ۳۰۷)

"عکہ اور صور کی بستیوں میں (ان سے متصل) کوئی باغ نہیں۔ یہ دونوں

باب ہشتم

چپٹے میدان میں سمندر کے کنارے واقع ہیں۔ شہر میں جو میوے آتے ہیں وہ گرد و نواح کی دوسری بستیوں سے آتے ہیں۔ دونوں شہروں کے قبضے میں وسیع آراضی ہیں جو ساحلی پہاڑوں کے دامن میں کنارے کنارے پھیلتی چلی جاتی ہیں اور ان میں مزرعے اور دیہات آباد ہیں۔ ان کی پیداوار شہروں میں آتی ہے اور یہ آراضی نہایت زرخیز ہیں۔ عکے کے مشرق میں اور بستی کے بالکل سرے پر ایک وادی ہے جہاں سے پانی کی رَو جوش خروش کے ساتھ نیچے بہتی ہے اور اس کے دہانے کے قریب دونوں کناروں پر جو قطعات ہیں، ان سے زیادہ خوبصورت کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ گھوڑ دوڑ کا کوئی میدان اس سے زیادہ مسطح اور نفیس نہ ہوگا۔ عیسائی امرا، نیز فوجی سپاہی ورزشوں اور کھیل کود کے لیے صبح و شام یہاں آتے ہیں۔" (= ۳۱۳ و ۳۱۴) تر

یاقوت لکھتا ہے (سوم - ۷۰۷ تا ۷۰۹) کہ ساحلی شہروں میں عکہ سب سے خوشنما ہے۔ یہ ولایت اُردن میں داخل ہے۔ پھر مقدسی کی عبارت نقل کر کے، تحریر کرتا ہے کہ "گزشتہ زمانے میں خلیفہ معاویہؓ نے عکہ اور دوسرے ساحلی شہر فتح کر کے بڑی ناموری پائی تھی۔ انہی نے قبرس پر مہم لیجاتے وقت پہلے عکہ و صور میں از سر نو قلعہ بندی کرائی۔ ان کے بعد عکے کے استحکامات شکستہ ہو گئے اور پھر خلیفہ ہشام ابن عبدالملک نے ان کی مرمت کرائی اور یہ ولایت اُردن کے سرحدی قلعے بن گئے۔ عکے میں شام کے تمام صناع رہتے تھے۔ ہشام نے انھیں وہاں سے صور میں منتقل کیا اور وہیں وہ خلیفہ المقتدر کے زمانے تک رہے (۹۰۸ تا ۹۳۲) جب کہ صلیبیوں کی آمد ہوئی اور وہ چار طرف منتشر ہو گئے" تر

فرنگیوں نے ۴۹۷ھ (= ۱۱۰۴ء) میں خشکی اور تری دونوں طرف سے عکے کا محاصرہ کیا اور اسے فتح اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) تک شہر ان کے ہاتھ میں رہا اور اسی سال سلطان صلاح الدین نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ لیکن فرنگیوں نے (رچرڈ کے ماتحت) پھر

باب ششم

اس پر چڑھائی کی اور محاصرہ کر کے اپنی فوج کے گرد بھی (عقب میں) خندق کھود لی کہ گو صلاح الدینؒ پھر آیا اور تین سال تک خود محاصرین کو باہر سے گھیرے پڑا رہا بایں ہمہ آخر کار فرنگیوں نے ۵۸۷ھ (= ۱۱۹۱ء) میں پھر شہر کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور تقریباً تین ہزار مسلمان گرفتار کیے اور اس وقت سے اب تک شہر انہی کے قبضے میں ہے ؛

یہاں تک یاقوت کی تحریر تھی جس نے ۶۲۵ھ میں اسے لکھا۔ صاحب مراصد جس نے ۱۳۰۰ھ کے قریب اس کی کتاب کا خلاصہ مرتب کیا، اس بیان پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ "۶۹۰ھ (= ۱۲۹۱ء) میں عکہ کو فرنگیوں کے ہاتھ سے الملک الاشرف ابن قلاءون (مملوک سلطان مصر) نے دوبارہ لے لیا اور یہاں جو نصاریٰ تھے، ان کا قتل عام کرا دیا۔" (مراصد دوم، ۲۷۱) ؛

یاقوت (جلد سوم، ۷۵۸) اور صاحب مراصد (دوم، ۲۹۴) عین البقر کا بھی ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مسلم و نصاریٰ و یہود سب کے سب یکساں طور پر اس کی حرمت کرتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے بیل کا قصہ لکھ کے، یاقوت نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اس چشمے کے متعلق بہت سی عجیب عجیب روایتیں بیان کی جاتی ہیں ؛

دمشقی نے عکہ کا سرسری احوال لکھا ہے (صفحہ ۲۱۳) اور مذکورۂ حالات کے علاوہ کوئی نئی بات نہیں تحریر کی۔ البتہ ابوالفدا اپنی ۱۳۲۱ء کی تحریر میں عین البقر کا حال لکھتے، اسی سلسلے میں تحریر کرتا ہے کہ:

"عکہ خوشنما شہر ہے۔ لوگ پینے کا پانی ایک زمین دوز نہر سے لیتے ہیں جو باہر سے بستی کے اندر آئی ہے۔ شہر کی بندرگاہ بہت وسیع و نفیس ہے اور کاریگر بکثرت ہیں۔ آج کل عکہ ویرانی کی حالت میں پڑا ہے۔ کیونکہ تھوڑے ہی دن ہوئے ۶۹۰ھ (= ۱۲۹۱ء) میں اسے فرنگیوں کے قبضے سے مسلمانوں نے لیا ہے۔ اس فتح کے وقت میں بھی موجود اور مال غنیمت میں حصہ دار تھا۔" (صفحہ ۲۴۳) ؛

باب ششم

۱۳۳۵ء میں سیّاح ابن بطوطہ عکّے آیا اور لکھتا ہے (جلد اول ۱۲۹) کہ گو پہلے یہ فرنگیوں کے علاقہ شام کا صدر مقام تھا لیکن اب عکہ ویران پڑا ہے، عین البقر اور مسجد صالح علیہ السلام کا بھی اس نے سرسری ذکر کیا ہے ۔

طبریہ (TIBERIAS)

ولایت اُردن کا صدر مقام ہے۔ یعقوبی اس کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ طبریہ اسی نام کی جھیل کے کنارے آباد اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ جھیل سے اُردن ندی نکلتی ہے۔ اس شہر میں گرم چشمے ہیں، اور گرمی ہو یا سردی ان کا پانی کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ برابر اُبلتا رہتا ہے۔ اس گرم پانی کو نالیوں کے ذریعے حماموں میں پہنچاتے ہیں اور اس طرح، پانی گرم کرنے کے لیے لوگوں کو ایندھن کی حاجت نہیں ہوتی ۔" (یعقوبی ۱۱۵) ۔

اصطخری کی تحریر حسب ذیل ہے :- "ولایت اُردن کا صدر مقام طبریہ ہے۔ یہ میٹھے پانی کی جھیل کے کنارے جو ۱۲ فرسخ لمبی اور ۲ یا ۳ فرسخ عرض میں ہوگی، آباد ہے۔ یہاں گرم چشمے ہیں جو شہر کے قریب تک بہتے اور تقریباً دو فرسخ کے فاصلے پر پھوٹے ہیں۔ اتنی دور تک نالیوں میں آنے سے ان کا پانی ٹھنڈا ہوتا جاتا ہے مگر اس پر بھی شہر میں پہنچنے پر وہ اس قدر گرم ہوتا ہے کہ بھیڑ بکری کی کھال ڈال دیجئے تو اس کے بال اتر جاتے ہیں۔ اور جب تک اس میں ٹھنڈا پانی نہ ملایا جائے، اس سے آدمی غسل نہیں کر سکتا۔ اسی پانی سے عام طور پر شہر کے حماموں اور مسجد کے حوضوں میں کام لیتے ہیں۔ پینے کے لیے جھیل کا پانی استعمال ہوتا ہے۔" (اصطخری، ۵۸۔ ابن حوقل ۱۱۳) ۔

مقدسی لکھتا ہے کہ "وہ طبریہ، ولایت اُردن کا صدر مقام اور وادی

باب ہشتم

کنعان کا شہر ہے۔ اس کے مکانات پہاڑ اور جھیل کے مابین بنے ہوئے ہیں۔ یہ بستی، تنگ، گرمی میں گرم اور غیر صحت بخش ہوتی ہے۔ اس کا طول تقریباً ایک فرسخ ہے مگر عرض کچھ بھی نہیں۔ اس کی منڈی شہر کے ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک چلی جاتی ہے اور اس کا قبرستان پہاڑی کی ڈھلانوں پر ہے۔ یہاں آٹھ قدرتی گرمابے موجود ہیں جنھیں گرم کرنے کے لیے ایندھن کی ضرورت نہیں پڑتی اور ابلتے پانی کے برابر بے شمار برتن رکھے رہتے ہیں۔ شہر کی مسجد بڑے بازار میں واقع اور وسیع و خوشنما ہے۔ اس کا فرش پتھر کے ڈھولنوں میں کنکر جما کے تیار کیا ہے اور ڈھولنے ایک دوسرے کے برابر برابر لگا دئے ہیں، طبریہ کے باشندوں کی نسبت مشہور ہے کہ دو مہینے تو وہ ناچتے ہیں، دو مہینے نگلتے ہیں۔ دو مہینے ہاتھ جھٹکتے پھرتے ہیں اور دو مہینے برہنہ رہتے ہیں۔ پھر دو مہینے بانسری بجاتے اور اگلے دو مہینے لتھڑے رہتے ہیں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ اول تو پسوؤں کی بدولت دو مہینے انھیں ناچنا پڑتا ہے اس کے بعد نبق پھل نگلنے کا زمانہ آتا ہے۔ پھر وہ چنوریاں لیے بھڑوں کو گوشت اور میووں پر سے بھگاتے پھرتے ہیں۔ اس کے بعد گرمی کے باعث ننگے رہتے ہیں۔ پھر گنے چوستے اور آخر میں اپنی کیچڑ بھری گلیوں میں لت پت رہتے ہیں۔ طبریہ جھیل کے زیریں سرے پر ایک بڑا پل ہے[1] اور دمشق کا راستہ اسی پر سے گزرتا ہے۔ شہر کے لوگ جھیل کا پانی پیتے ہیں اور اس کے کناروں پر مواضع اور نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ اندر کشتیاں ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ حماموں اور گرم چشموں کا پانی بہہ کر اسی جھیل میں آتا ہے اور اسی لیے نیا آدمی اس جھیل کا پانی پیتے وقت اس کی بو کو پسند نہیں کرتا۔ تاہم یہ پانی زود ہضم ہے اور اس میں

---

[1] اس سے یا تو جسر المجامع مراد ہے یا وہ پل جو آج کل کھنڈر ہو گیا ہے اور جسر الصد کہلاتا ہے یہ جھیل کے جنوبی سرے کے متصل ہے۔

باب ہشتم

مچھلی بھی افراط سے ہوتی ہے۔ عقب میں پہاڑ سیدھے اٹھے چلے گئے ہیں اور شہر ان کے زیرِ قدم ہے۔ (مقدسی، ۱۶۱۔ یاقوت نے اس عبارت کا اکثر حصّہ نقل کر دیا ہے۔ جلد سوم، ۵۱۰)

دوسری جگہ مقدسی اسی سلسلے میں تحریر کرتا ہے کہ "طبریہ کے قریب ایلتے پانی کے چشمے ہیں جن سے شہر کے اکثر حماموں میں پانی لیا جاتا ہے ہر حمام میں چشمے سے ایک نالی جاتی ہے اور پانی کی بھاپ سے پورا مکان گرم ہو جاتا ہے اور آگ جلا کے گرمی پہنچانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مکان کے بیرونی حصے میں ٹھنڈا پانی رکھتے ہیں جسے نہانے کی غرض سے، مقررہ مقدار میں ملانا پڑتا ہے۔ انہی چشموں کا پانی مساجد میں وضو کے کام آتا ہے۔ اس علاقے میں ایسے گرم چشمے اور جگہ بھی ہیں جیسے مقام الحماہ میں جن لوگوں کو خارش، پھوڑے، پھنسی اور اسی قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں وہ تین دن تک یہاں آ کے نہاتے اور اس کے بعد ایک دوسرے ٹھنڈے پانی کے چشمے میں غوطہ لگاتے ہیں اور اگر خدا کا فضل شاملِ حال ہو تو تندرست ہو جاتے ہیں۔ میں نے طبریہ والوں سے سنا کہ قدیم زمانے میں ان چشموں کے گرد ارسطو کے عہد تک حمام خانے بنے ہوئے تھے اور ایک ایک میں ایک ایک قسم کی بیماری کے مریض جا کے رہتے اور علاج کے لیے غسل کرتے تھے لیکن حکیم ارسطو نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے تقاضا کیا کہ یہ حمام تڑوا دیے جائیں ورنہ لوگوں کو اطبّا کے پاس رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ بات تو مسلم اور بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہاں کئی قسم کے پانی ہیں جن میں مختلف طبّی خواص پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے جو بیمار یہاں آتے ہیں انھیں آج کل ہر چشمے میں پوری طرح غوطہ لگانا پڑتا ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ وہ اس پانی میں نہا لیا جو خاص اس کی بیماری دور کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ طاب کے قریب کے دیہات میں سے بھی ایک گاؤں میں ایک اور گرم چشمہ ہے جسے حمّاہ کہتے ہیں۔"
(مقدسی۔ ۱۸۵)

باب ہشتم

جن چشموں کا اوپر ذکر آیا وہ ضرور ہے کہ غدر ا یا وادی یرموک میں اُس زمانے کے قصبہ اُم قیس کے قریب، مقام اماتہ کے چشمے ہوں ٹو

۱۰۴۷ء میں ناصر خسرو، طبریہ آیا۔ اپنے سفرنامے میں تحریر کرتا ہے کہ "اربل سے چل کے ہم ایک وادی میں اترے جس کے سرے پر پہنچ کے طبریہ کی جھیل اور اس کے کنارے خود شہر طبریہ نظر آتا تھا۔ اس جھیل کا طول میں ۶ فرسخ قیاس کرتا ہوں اور عرض شاید تین فرسخ ہو۔ اس کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہے۔ شہر اس کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ قریب کے گرم چشموں اور مکانات کی موریوں کا سارا پانی اسی جھیل میں آکے گرتا ہے۔ پھر بھی اس شہر اور دوسرے دیہات کے، جو کنارے پر آباد ہیں، باشندے سب اسی کا پانی پیتے ہیں۔ میں نے سنا کہ ایک مرتبہ شہر کے کسی حاکم نے حکم دیا تھا کہ فضلہ اور موریوں کا خراب پانی جھیل میں گرنے سے روکا جائے۔ لیکن (جب اس پر عمل ہوا تو) خود جھیل کا پانی ایسا بے مزہ ہو گیا کہ پیا نہ جاتا تھا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ حسب دستور موریوں کا پانی جھیل میں جانے دیا جائے تو دوبارہ ویسا ہی شیریں ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ شہر طبریہ کے گرد جھیل کے کنارے سے لے کے دوسرے کنارے تک مضبوط فصیل بنی ہوئی ہے لیکن جھیل کی طرف کوئی شہر پناہ وغیرہ نہیں ہے۔ بہت سی عمارتیں خود پانی کے اندر بنی ہوئی ہیں کیونکہ اس حصے میں نیچے کی تہ میں چٹانیں ہیں۔ لوگوں نے یہیں سیر و تفریح کے مکانات بھی سنگ مرمر کے ستونوں کے اوپر تعمیر کیے ہیں اور یہ ستون پانی میں سے بلند ہوتے ہیں۔ جھیل میں مچھلیاں کثرت سے بھری ہوئی ہیں۔"

مسجد جمعہ شہر کے وسط میں ہے۔ اس کے پھاٹک پر بھی ایک چشمہ ہے جہاں حمام بنا دیا گیا ہے اور اس چشمے کا پانی اس قدر گرم ہے کہ جب تک ٹھنڈا پانی نہ ملایا جائے آدمی اس سے نہانے کی تاب نہیں لا سکتا۔ کہتے ہیں اس حمام کو حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام نے

باب ہشتم

بنوایا تھا۔ اور میں نے خود جا کے اسے دیکھا۔ شہر کے مغربی حصے میں ایک اور مسجد بھی ہے جسے مسجد یاسمین کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت عمارت ہے اور اس کے وسطی حصے میں ایک بڑا چبوترا اٹھا ہوا ہے جہاں نماز کے لیے محرابیں بنا دی ہیں۔ ان سب کے گرد چنبیلی کے درخت لگے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے یہ "مسجد یاسمین" موسوم ہوئی۔ مشرقی جانب کے دالان میں حضرت یوشع ابن نونؑ کا مزار ہے اور مذکورۂ بالا چبوترے کے نیچے ستر پیغمبروں کی قبریں دکھائی جاتی ہیں، علیہم السلام، جنھیں بنی اسرائیل نے قتل کیا تھا۔ طبریہ میں نرسل کی ایسی عمدہ جانمازیں بنتی ہیں کہ خود اسی جگہ پانچ پانچ دینار مغربی (= ۲ پونڈ سے کچھ زیادہ) میں ایک مصلیٰ بکتا ہے۔ شہر کے مغرب میں ایک پہاڑ بلند ہوتا چلا گیا ہے اور اس کی چوٹی پر تراشیدہ پتھروں سے قلعہ تعمیر کیا ہے اور اس میں عبرانی حروف سے ایک کتبہ کندہ کیا ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ کتبہ کندہ کرنے کے وقت سبع سیارہ (سات سہیلیوں کا جھمکا) برج ثور کے سرے پر تھا۔" صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہؓ کی قبر شہر کے باہر جنوب کی طرف واقع ہے۔ لیکن کوئی وہاں زیارت کے لیے نہیں جا سکتا کیونکہ اس کے ارد گرد شیعہ فرقے کے لوگ رہتے ہیں اور جب کوئی زیارت کے لیے وہاں جاتا ہے تو شیعہ لڑکے شور و غل مچا کے ہنگامہ کر دیتے ہیں اور آخر میں پتھر مارنے کی نوبت پہنچتی ہے اور لوگوں کے چوٹیں آتی ہیں۔"

(ناصر خسرو - ۱۶) تر

اوپر جس قلعے کا ذکر آیا، اس سے غالباً قصر ہیرودس کے شکستہ آثار مراد ہیں جنھیں آج کل قصر بنت الملک کہنے لگے ہیں اور تھوڑا زمانہ ہوا کہ ہرشمان کرنے اس کی سیاحت کی اور انجمن ارض فلسطین کے سہ ماہی رسالے (بابت اپریل ۱۸۸۷ء) میں اس کی کیفیت تحریر کی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ جن کی قبر کی زیارت کے لیے ناصر خسرو نہ جا سکا ۵۷ھ (۶۷۷ء) میں بمقام عقیق واصل بحق ہوئے اور جیسا کہ مورخوں

باب ہشتم

نے لکھا ہے ان کی نعش مدینۂ منورہ لائی گئی اور وہیں مشہور قبرستان البقیع میں دفن ہوئے (دیکھو ابن خلکان کی وفیات الاعیان)۔ لیکن ناصر خسرو نے جو روایت سنی کہ وہ طبریہ کے قریب کسی گاؤں میں دفن ہوئے، اس کی تصدیق عجلونی سنگ مرمر کی ایک لوح سے بھی ہوتی ہے جو ۲ فیٹ، ۷ انچ ضرب ۲ فیٹ ہے اور حال ہی میں ہر شما کر کو اس نواح میں دستیاب ہوا تھا۔ اس کی رُو پر اس مضمون کا عربی کتبہ تحریر ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد۔ ولم یکن لہ کفواً احد۔ یہ ابو ہریرہؓ صحابی رسول اللہ کی قبر ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ پتھر جہاں ملا وہاں ہر شما کر نے ایک پرانی مسجد کے آثار بھی دیکھے تھے (دیکھو انجمن ارض فلسطین کا سہ ماہی رسالہ۔ بابت اپریل ۱۸۸۷ء صفحہ ۸۹)۔

ادریسی کی کتاب کی رو سے جو ۱۱۵۴ء میں تحریر ہوئی "طبریہ" ولایت اردن کا بڑا شہر اور صدر مقام ہے۔ یہ بستی خوشنما اور پہاڑ کی ڈھلان پر آباد ہے اور طول میں دور تک چلی گئی ہے کیونکہ عرض بہت کم ہے۔ اس طرح اس کا طول تقریباً ۲ میل ہوگا۔ بستی کے نیچے، جانب مغرب میٹھے پانی کی ۱۲ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی جھیل ہے جس پر کشتیاں چلتی اور جھیل کے گرد کی زمینوں کی پیداوار شہر میں پہنچاتی رہتی ہیں۔ شہر پناہ مضبوط بنی ہوئی ہے۔ وہ چٹائیاں جنھیں "سامانیہ" کہتے ہیں، یہیں بنتی ہیں اور عجیب ہوتی ہیں اور اس ملک کے اور شہروں میں ایسی چٹائیاں بہت کم بنتی ہیں۔ طبریہ میں گرم پانی کے حمام ہیں جن میں پانی آگ سے گرم نہیں کیا جاتا اور جاڑے گرمی دونوں موسم میں گرم رہتا ہے۔ انھی میں الدماقر نامی وہ حمام بھی ہے جو نہایت وسیع ہے اور جس وقت اس کا پانی زمین سے اُبلتا ہے تو اتنا گرم

باب ہشتم

ہوتا ہے کہ لوگ اس سے بکری اور مرغ کی کھال کے بال اتار لیتے ہیں اور انڈا ابل جاتا ہے۔ یہ پانی کھاری ہوتا ہے۔ اس حمام سے چھوٹا ایک اور حمام لولو کہلاتا ہے جس کا پانی گرم لیکن شیریں ہوتا ہے۔ یہ آس پاس کے گھروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کپڑے دھونے وغیرہ کے کام آتا ہے۔ دوسرے حماموں میں سے ایک کا نام المنجدہ ہے مگران سب حماموں میں پانی گرم کرنے کی کہیں ضرورت نہیں پڑتی بجز ایک حمام الصغیر کے جسے دراصل کسی مسلمان بادشاہ نے اپنے محل میں ذاتی اور اپنے بیوی بچوں اور نوکروں کے استعمال کے لیے بنوایا تھا اور جب اس کا انتقال ہوا تو وہ کھول دیا گیا اور عام لوگوں کے کام آنے لگا۔ صرف اس حمام میں پانی کو آگ سے گرم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

طبریہ کے جنوب میں بعض بڑے بڑے حمام ہیں۔ جیسے عین الموقعین، عین الشرف (یا عین الشرب) وغیرہ جن میں سال کے ہر موسم میں گرم پانی کے چشمے بہتے رہتے ہیں۔ تمام ہمسایہ ممالک سے مریض، جو فالج لقوے، وجع مفاصل یا پھوڑے پھنسی اور خارش میں مبتلا ہوں، یہاں آتے ہیں اور تین دن تک اس پانی میں رہتے ہیں اور خدا کے حکم سے شفا پاتے ہیں۔" (ادریسی ۱۰)

علی ہروی نے طبریہ کے قریب کی زیارات کا حسب ذیل حال تحریر کیا ہے :- (نسخہ اوکسفورڈ۔ ورق ۲۷ و ۲۸ و ۳۰۔ اور یاقوت نے اسے اپنی قاموس میں نقل کیا ہے)

"جھیل کے مشرق میں حضرت سلیمان ابن داؤد علیہما السلام کی قبر بیان کیجاتی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ آنحضرت کی قبر بیت اللحم میں ہے اور نہ ادران کے والد بزرگوار دونوں اسی غار میں دفن ہوئے تھے جس میں مسیح علیہ السلام تولد ہوئے۔ جھیل کی اسی مشرقی سمت میں لقمان حکیم کی قبر ہے۔ طبریہ کا ایک چشمہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نام پر موسوم اور کنیسۃ الشجرہ سے متعلق ہے۔ اور اس کنیسہ سے مسیح علیہ السلام اور حضرت زکریا

باب ہشتم

(یا کاریگروں) کا عجیب واقعہ منسوب ہے جو انجیل میں مذکور اور آنحضرت علیہ السلام کا پہلا معجزہ تھا۔

طبریہ کے پہاڑ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر ہے۔" (نقل کردۂ یاقوت جلد سوم، ۵۱۲)

حضرت مسیحؑ اور کاریگروں یا رنگریزوں کے (کیونکہ کتاب کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے) قصے سے بظاہر عقد کنا کے واقعے کی کوئی فسانہ آمیز روایت مراد ہوگی۔ آگے چل کے علی ہروی لکھتا ہے کہ "طبریہ کے حمام دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ شہر کے دروازے پر جھیل کے پہلو میں واقع ہیں۔ ان کی مثل دنیا کے دوسرے ملکوں میں بہت سے حمام ہیں لیکن واقع میں وہ جو اعجوبۂ روزگار ہے، وہ طبریہ کے مضافات میں جانب مشرق وادی (یرموک) کے اندر موضع الحسینیہ کا حمام ہے جہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں اور ان کی تعمیر حضرت سلیمانؑ ابن داؤدؑ سے منسوب کرتے ہیں۔ ان عمارات میں سے ایک دراصل ہیکل کی عمارت تھی جس کے اگلے حصے سے پانی ابلتا اور بارہ جھرنوں سے جھر جھر کر بہتا ہے۔ اور ہر جھرنے کا پانی کسی ایک مرض کی شفا کا خاصہ رکھتا ہے۔ یہ پانی نہایت گرم لیکن پینے میں بہت صاف اور میٹھا ہوتا ہے۔" (نقل کردۂ یاقوت۔ سوم، ۵۱۰)

یاقوت لکھتا ہے کہ "طبریہ، اسی نام کی جھیل کے کنارے چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ دمشق اور علیٰ ہذا بیت المقدس سے تین دن کی اور عکے سے دو دن کی راہ پر ولایت اردن اور علاقہ غور میں واقع ہے۔ شہر ایک تنگ و طویل صورت میں چلا گیا ہے حتیٰ کہ قریب کے چھوٹے سے پہاڑ کی ڈھلانیں آجاتی ہیں اور ان پر بھی بعض عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ اس شہر میں گرم چشمے ہیں جن پر لوگوں نے حمام تعمیر کر دیئے ہیں اور ان میں ایندھن کی ضرورت نہیں پڑتی۔ طبریہ ایک یونانی بادشاہ تبارا (Tiberias) کے نام سے موسوم ہے۔ جس نے یہ دیکھ کر کہ چشموں سے دن رات گرم

باب ہشتم

پانی ابلتا رہتا ہے اور ایندھن کی ضرورت نہیں، یہاں حمام بنا دے۔ اسلامی عہد میں اسے سب سے پہلے حضرت شرجیل نے سنہ ۱۳ھ (= سنہ ۶۳۴ء) امان دیکے فتح کیا۔ بروئے عہدنامہ نصف شہر کے مکانات اور گرجا مسلمانوں کے قبضے میں آگئے اور باقی نصاریٰ کے پاس رہے۔ طبریہ اور بیسان کے درمیان ایک اور حمام، حمام سلیمانؑ ابن داودؑ کہلاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ اس کا پانی ہر مرض کی دوا ہے۔

جھیل کے وسط میں ایک تراشیدہ پتھر ہے جس پر ایک اور قطار پتھروں کی چنی ہوئی ہے اور یہ تعویذ سا بنا ہوا دور سے نظر آتا ہے۔ اس نواح کے لوگ اسے حضرت داؤدؑ کی قبر بتاتے ہیں۔" یاقوت۔ سوم ۵۰۹)

دمشقی لکھتا ہے کہ "طبریہ، صفد کے ضلع میں ہے اور شروع میں جند اردن کا صدر مقام تھا۔ یہ شہر جھیل کے کنارے پر آباد ہے اور جھیل ۱۲ میل لمبی اور ۶ میل عریض ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ جھیل کے اندر سے شریعہ (= اردن) ندی نکلتی ہے جو بحیرۂ زغر (= لوط) میں جا گرتی ہے۔ جھیل طبریہ کے کنارے چند چشمے نہایت گرم پانی کے ہیں جنھیں حمامات کہتے ہیں۔ ان چشموں کا پانی کھاری اور کبریت آمیز ہے اور وجع مفاصل، سوجھن، بلغم کی زیادتی، بادی وغیرہ امراض میں بہت مفید ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ ابن داؤدؑ کی قبر اس جھیل کے اندر ہے۔" (دمشقی۔ ۲۱۱)

ابوالفدا نے مذکورۂ بالا عبارت کا بہت سا حصہ ملخصاً نقل کر دیا ہے مگر خود اس کے زمانے میں یہ شہر ویرانی کی حالت میں تھا اور دراصل سلطان صلاح الدینؒ کے محاصرے کے بعد سے، جس نے ۱۱۸۷ء میں اسے صلیبیوں کے قبضے سے دوبارہ لے لیا۔ پھر نہ پنپ سکا۔

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے طبریہ کی سیر کی۔ وہ اسے ایک بڑا اور قدیم شہر بتاتا ہے جو ویرانی کی حالت میں پڑا ہے اور لکھتا ہے کہ "یہاں

باب ہشتم

حمام ہیں جن میں مرد و عورت کے واسطے علیحدہ علیحدہ غسل خانے بنے ہوئے ہیں اور ان کا پانی بہت گرم ہوتا ہے۔ طبریہ کی جھیل ۶ فرسخ لمبی اور ۳ فرسخ چوڑی ہے۔ شہر طبریہ میں انبیاءؑ کی مسجد ہے اور حضرت شعیبؑ اور ان کی بیٹی یعنے زوجۂ موسیٰ علیہ السلام کی قبریں ہیں حضرت سلیمانؑ یہودا اور روبیل کی بھی لوگ قبریں دکھاتے ہیں۔" ابن بطوطہ۔ اول، ۱۳۲)

باب نہم

دارالولایات اور صدر مقامات

بسلسلۂ باب گزشتہ

ذیلی عنوان :- صور، صیدا، طرابلس : جدید و قدیم — قلاع باطنیہ : حمص، بچھو اتارنے کا منتر — حماہ : پرانا قلعہ - حلب : ابن بطوطہ کا بیان — قلعہ — انطاکیہ :- مسیحی گرجا اور خانقاہیں — ابن بطلان کا بیان — ۱۰۵۰ء کا بڑا طوفان — قصۂ حبیب النجار - طرسوس : سرحدی قلعہ اور چھاؤنی -

صور[1]

یعقوبی لکھتا ہے کہ "یہ ولایت اُردن کا شہر اور ساحلی اضلاع کا صدر

[1] :- صور جس کا فرنگی تلفظ "تائر" ہے، عبرانی میں "تسور" تھا اور عربی قاعدے کے مطابق صور ہو گیا اور عربی میں "طور"، کوہ سینا، تابور اور بعض دوسرے مشہور پہاڑ پہاڑیوں کے لیئے بولا جانے لگا (دیکھو صفحہ ۸۵) ..

باب نہم

مقام ہے۔ اس میں دار الصناعہ (یعنی اسلحہ خانہ) بھی ہے۔ یونانیوں کے مقابلہ کے واسطے سلطانی جہاز یہیں سے لنگر اٹھاتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت اور قلعہ بند بستی ہے۔ اس میں مختلف قومیں آباد ہیں" (یعقوبی۔ ۱۱۵)؛

"صور، ولایت اردن کے ساحلی شہروں کے سب سے مستحکم مقامات میں ہے۔ اس کی آبادی گنجان اور زمین زرخیز ہے۔ کہتے ہیں ساحل کے شہروں میں یہ سب سے قدیم ہے اور یونان کے اکثر حکماء اسی شہر کے رہنے والے تھے" (اصطخری، ۵۹۔ ابن حوقل، ۱۱۴)؛

مقدسی ۹۸۵ء میں لکھتا ہے کہ "صور، سمندر کے کنارے، بلکہ کہنا چاہیے کہ سمندر کے اندر کا قلعہ بند شہر ہے۔ کیونکہ اس میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ ہے اور اس میں بھی پل اتر کے جا سکتے ہیں، ورنہ اس کے ہر طرف سمندر پھیلا ہوا ہے۔ شہر کے دو حصے ہیں۔ ایک تو پختہ زمین پر آباد ہے اور دوسرا (یعنی بندرگاہ) اس کے آگے تہری فصیل سے گھرا ہوا ہے، جس کی بنیاد تہ آب ہے۔ اس بندرگاہ میں ہر رات جہاز آتے ہیں اور پھر ایک زنجیر ان کے پار کھینچ دی جاتی ہے کہ یونانی شرارت نہ کر سکیں۔ شہر میں ایک زمین دوز نہر کے ذریعے پانی پہنچایا ہے۔ صور خوش فضا اور خوشگوار شہر ہے۔ بہت سے صناع یہاں رہتے ہیں اور اپنے اپنے خاص پیشے کا کام کرتے ہیں۔ صور و عکہ کے درمیان ایک خلیج ہے اور اسی لیے یہ مثل کہتے ہیں کہ "صور، عکہ کے آگے جائے تو تھکن لاگے" یعنی ساحل بہت پھیر سے جانا پڑتا ہے" (مقدسی، ۱۶۳)؛

صور کی ناصر خسرو نے ۱۰۴۷ء میں سیاحت کی۔ اپنے سفرنامے میں تحریر کرتا ہے کہ: "صیدا سے پانچ فرسخ چل کے ہم صور پہنچے جو سمندر کے کنارے آباد ہے بلکہ سمندر ہی کی ایک چٹان پر اس طرح بسایا گیا ہے کہ شہر پناہ صرف سو گز تک تو خشک زمین پر ہے اور باقی حصے کی بنیادیں پانی کے اندر سے اٹھائی ہیں۔ پتھر تراش کے یہ دیواریں بنائی ہیں اور ان کو سفیدی کے مسالے سے جوڑا ہے کہ پانی اندر

باب نہم

سرایت نہ کر سکے۔ میں نے شہر کے رقبے کا ایک ہزار (۱/۱۰۰۰) مربع تخمینہ کیا۔ یہاں کی سرائیں، پانچ یا چھ منزل کی ہیں۔ پانی کے بہت سے فوارے ہیں۔ بازار نہایت صاف اور دولت و مال کی بڑی فراوانی نظر آتی ہے۔ حقیقت میں شام کے تمام ساحلی شہروں میں صور کی ثروت و قوت مشہور ہے۔ آبادی زیادہ تر شیعہ فرقے کی ہے لیکن قاضی شہر سنی ہے۔ یہ ابو عاقل کا فرزند کہلاتا ہے اور ایک نیک نیز نہایت دولت مند آدمی ہے۔ شہر کے دروازے پر جو مشہد یا درگاہ بنی ہوئی ہے، اس میں قالینوں، پردوں، فانوسوں اور سونے چاندی کی قندیلوں کی کثرت ہے۔ خود آبادی بلندی پر واقع ہے اور اس میں پہاڑوں سے پانی لاتے ہیں۔ اور شہر کے دروازے تک نہر کی محرابیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر سے پانی شہر میں پہنچتا ہے۔ انہی پہاڑوں میں اور شہر کے بالمقابل وادی البطاف مشرق کی طرف چلی گئی ہے، جس میں اٹھارہ فرسخ چل کے آدمی شہر دمشق میں پہنچ جاتا ہے۔" (ناصر خسرو۔ ۱۱)

۱۱۲۴ء میں صلیبیوں نے بالڈون ثانی کے ماتحت صور کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ ۱۲۹۱ء تک شہر فرنگیوں کے قبضے میں رہا جس کے بعد دوبارہ مسلمانوں نے ان سے چھین لیا۔

۱۱۵۴ء میں ادریسی لکھتا ہے کہ "صور، ساحل بحر کا بہت اچھا شہر ہے جس میں جہازوں کے ٹھہرنے کی لنگر گاہ اور چلنے کا مقام بنا ہوا ہے۔ یہ ایک مورچہ بند اور پرانی بستی ہے اور اس کی تین طرف سمندر محیط ہے۔ مضافات میں ایک بڑی آبادی بھی بستی ہے۔ شیشے اور مٹی کی صراحیاں یہاں بنتی ہیں۔ وہ سفید کپڑا بھی یہاں بنتا اور پھر ملک ملک دسا در جاتا ہے جو نہایت باریک اور لاجواب بنا ہوا ہوتا ہے قیمت میں بہت گراں ہے لیکن آس پاس کے ملکوں میں ایسا اچھا کپڑا مشکل

۱؎ کسی نسخے میں یہاں پیمانے کا نام درج نہیں لیکن بظاہر "ارش" ہی مراد ہے۔"

سے کہیں بنتا ہوگا۔ (ادریسی ۱۱)۔

ابن جبیر ۵۸۰ھ میں صور آیا۔ وہ اپنے سفرنامے میں اس کی کیفیت بایں الفاظ تحریر کرتا ہے کہ :-

"صور قلعے کی مثل شہر ہے اور اس پر فرنگیوں کا قبضہ ہے عکّے سے یہاں کے کوچہ و بازار زیادہ صاف ہیں۔ بہت سے مسلمان یہاں رہتے ہیں اور کفار انھیں دق نہیں کرتے۔ شہر عکے کی نسبت چھوٹا ہے۔ لیکن یہاں کا قلعہ حیرت انگیز طریق پر بنایا ہے اور فتح نہیں ہو سکتا۔ اس کے صرف دو دروازے ہیں۔ ایک خشکی کی طرف اور دوسرا سمندر کی جانب سوائے ایک سمت کے ہر طرف سے سمندر اسے گھیرے ہوئے ہے۔ خشکی کی طرف کے راستے پر (ایک دوسرے کے عقب میں) تین یا شاید چار پھاٹک ہیں اور ہر ایک کے سامنے ایک بلند دیوار کھینچ کے حفاظت کا سامان کیا ہے۔ سمندر کی طرف کا دروازہ دو برجوں کے درمیان ہے اور اسی راستے سے بندرگاہ کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ خود یہ بندرگاہ بحری شہروں کی بندرگاہوں میں سب سے عجیب ہے کہ اس کے تین طرف شہر پناہ آجاتی ہے اور چوتھے رخ کو ایک محراب دار فصیل سے گھیرا ہے۔ اسی محراب کے اندر سے نکل کے جہاز بندرگاہ میں داخل ہوتے یا باہر جاتے ہیں۔ اور اس فصیل و محراب کو گچ سے مضبوط بنایا ہے۔ اوپر جن دو برجوں کا ذکر ہوا، جب ان دونوں کے درمیان ایک نہایت وزنی اور بڑی زنجیر باندھ دیتے ہیں تو پھر کوئی جہاز اس کے نیچے گرانے تک آجا نہیں سکتا۔ اس راستے پر نگہبان مقرر ہیں کہ آتے جانے والوں کی خبر رکھیں۔ صور کی یہ بندرگاہ بہت مشہور اور حد درجے خوبصورت ہے۔ عکے میں بھی اسی قسم کی بندرگاہ بنائی ہے لیکن اتنے بڑے بڑے جہاز اس میں نہیں ٹھیر سکتے اور یوں بھی صور کی بندرگاہ کہیں زیادہ وسیع و فراخ ہے۔" (ابن جبیر ۳۰۸)۔

پھر یہی مصنف لکھتا ہے کہ "صور کے خشکی کے دروازے کے سامنے

نا بہم اُبلتے پانی کا چشمہ ہے جس کے اندر سیڑھیوں سے اُترتے ہیں۔ شہر کے اندر بے شمار کنوئیں اور حوض موجود ہیں اور مشکل سے کوئی گھر ہوگا جس میں کوئی حوض یا کنواں نہ ہو" (ابن جبیر ۳۱۴) ؎

سنہ ۱۲۲۵ء میں یاقوت تحریر کرتا ہے کہ "صُور، مشہور شہر اور مسلمانوں کا سرحدی قلعہ ہے۔ شہر کے تین طرف سمندر ہے اور صرف چوتھی سمت خشکی ہے جس کے راستے کی مورچہ بندی پھاٹک بنا کے حفاظت کی گئی ہے یہ سمندر میں اس طرح باہر کو نکلا ہوا ہے جیسے کلائی سے آگے ہاتھ کی ہتیلی۔ مسلمانوں نے اس کو اول حضرت عمرؓ کے عہد میں لیا اور سنہ ۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) تک وہ امن و فراغت کے ساتھ ان کے تسلط میں رہا۔ تا آنکہ فرنگ اس پر حملہ آور ہوئے اور شہر کا محاصرہ کر کے اتنے دن ناکہ بندی کیے رہے کہ بالآخر اس نے اطاعت قبول کر لی۔ مصر کے حاکم نے محاصرہ اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن ہوائے مخالف نے ٹھہرنے نہ دیا اور اسے اپنے جہاز واپس مصر لے جانے پڑے۔ تب انھوں نے شہر کو حوالے کر دیا لیکن سوائے بھک منگوں کے جو کہیں جا نہ سکتے تھے، باقی سب مسلمان باشندے شہر چھوڑ کر نکل گئے۔ فرنگیوں نے صور کو قلعہ بند کیا اور فوج متعین کر کے شہر کو ازسرنو بنایا ہے اور ابھی تک (یعنی سنہ ۱۲۲۵ء میں) یہ انہی کے قبضے میں ہے۔ اس کا شمار ولایت اُردن کے شہروں میں ہوتا ہے۔" (یاقوت سوم، ۴۳۳۔ مراصد دوم، ۱۷۱) ؎

ابو الفدا اس معلومات میں بجز اتنی بات کے اور کوئی اضافہ نہیں کرتا، کہ "شہر کو مسلمانوں نے سنہ ۶۹۰ھ (۱۲۹۱ء) میں عکہ اور دوسرے ساحلی شہروں کے ساتھ تسخیر کر لیا اور پھر ایسا ویران ہو گیا کہ اب تک (= سنہ ۱۳۲۱ء) کھنڈر پڑا ہے" (ابو الفدا۔ ۲۴۳) ؎

دمشقی لکھتا ہے کہ "سلطان صلاح الدینؒ نے صور پر قبضہ نہیں پایا بلکہ اس کے زمانے میں وہ نصاریٰ ہی کے ہاتھ میں رہا۔ حتیٰ کہ صلاح الدین خلیل نے اسے دوبارہ فتح کیا اور وہی تھا جس نے اسے ویران کرا دیا یہی وہ

باب نہم

سپہ سالار رہے جس نے ۴۷ دن کے عرصے میں اثلیث، حیفا، اسکندرونہ، صور، صیدا، بیروت، جبیل، انفہ، البشرون اور سرفند کے قلعے تسخیر کر لیے" (دمشقی، ۲۱۳)۔

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ صور آیا تو وہ کھنڈروں کا ڈھیر تھا۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ "گذشتہ زمانے میں اس شہر کی مضبوطی ضرب المثل تھی کہ اس کے تین طرف سمندر تھا۔ قدیم شہر پناہ اور بندرگاہ کے نشان ابھی باقی ہیں۔ اس بندرگاہ کے دہانے پر پہلے ایک زنجیر رہتی تھی" (ابن بطوطہ اول، ۱۳۰)۔

صیدا

۹۱۰ء میں یعقوبی لکھتا ہے کہ یہ شہر کوہ لبنان کے دامن میں واقع ہے اس میں تمام تر ایرانی آباد ہیں جنھیں خلیفہ معاویہؓ نے یہاں لا کے بسایا تھا (یعقوبی، ۱۱۴)۔

مقدسی لکھتا ہے کہ "صیدا ساحل بحر کا ایک قلعہ بند شہر ہے" (۱۶۰)۔

۱۰۴۷ء میں ناصر خسرو، صیدا آیا اور حسب ذیل یادداشت اپنے سفر نامہ میں لکھ گیا ہے:

"بیروت سے ہم چلتے چلتے صیدا آئے جو خود بھی سمندر کے کنارے پر آباد ہے۔ یہاں کثرت سے نیشکر کی کاشت کرتے ہیں۔ شہر کی بہت اچھی پتھر کی فصیل، اور چار دروازے ہیں۔ اس کی جامع مسجد بڑے عمدہ موقع پر، بہت خوب بنی ہوئی ہے اور اس کے اندر پوری مسجد میں رنگین منقش چٹائی کا فرش ہے۔ بازار اس شان سے آراستہ ہیں کہ اول ہی اول میں نے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید سلطان کی آمد اور کوئی خوشی کی خبر آنے کے باعث خاص طور پر شہر کی آرائش کی گئی ہے۔ مگر جب دریافت

باب نہم

گیا تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے ہاں رواج ہی یہ ہے کہ اپنے شہر کو ہمیشہ اسی طرح آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں۔ شہر کے خیابان و باغ اس شان کے ہیں کہ آدمی یہ سمجھ کر ہی کہے کہ کسی بادشاہ نے ترنگ میں آ کے عیش و تفریح کے لیے یہ چمن بنوائے ہیں۔ ان کے اندر کوشکیں بنی ہوئی ہیں اور زیادہ تر میوۂ شیرین کے درخت نصب ہیں۔" (ناصر خسرو ۱۱) ٭

ادریسی خبر دیتا ہے کہ وہ شہر صیدا کھاری سمندر کے ساحل پر واقع ہے اور گرد پتھر کی شہر پناہ ہے جس کی بنا عہد جاہلیت میں ایک عورت نے ڈالی تھی۔ صیدا بڑا شہر ہے جہاں کی منڈیاں نہایت بارونق اور اجناس ارزاں ہیں۔ چاروں طرف باغ اور اشجار پھیلے ہوئے ہیں، پانی کی افراط ہے اور مسلح اقطاع اس میں داخل ہیں۔ شہر کی چار اقالیم (= اقطاع) کوہستان لبنان سے ملی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ پہلی اقلیم جزین کی ہے جس میں وادی النہر واقع اور اپنی زرخیزی اور میوے کی افراط کے باعث مشہور ہے۔ دوسری اقلیم السریہ بہت عمدہ قطعۂ زمین ہے۔ تیسری کا نام کفر قیلع اور چوتھی الرامی ہے۔ یہ اصل میں ایک ندی کا نام ہے جو پہاڑیوں میں سے بہی ہے۔ ان چار ضلعوں میں ۶۰۰ سے زیادہ مواضع ہیں۔ صیدا کے باشندے وہ پانی پیتے ہیں جو ایک نہر کے ذریعے پہاڑوں سے لایا گیا ہے۔ خود شہر میں ایک مشہور چشمہ ہے جہاں فصل بہار میں خاص قسم کی جھینگا مچھلی ہوتی ہے۔ انگلی کے برابر لمبی لیکن نر مادہ کی اعضائے مخصوص کے باعث، الگ پہچان ہو جاتی ہے۔ انڈے رکھنے کے زمانے میں اسے پکڑتے اور سکھا رکھتے ہیں۔ پھر اوپر سے کھرچ کر اسی خشک حالت میں اسے کھایا جاتا ہے لیکن بعد میں پانی پی لینا ضروری ہے۔ یہ نہایت مبہی ہے کہ اسے کھا کے آدمی جتنی چاہے بیویاں کرے، کسلمند یا بیکار نہیں ہو سکتا۔ ان مچھلیوں کی صورت چھپکلی کی سی ہوتی ہے اور ان کے اگلے پچھلے پاؤں بھی ہوتے ہیں اگرچہ چھوٹے چھوٹے اور چھپے ہوئے۔ خود میں نے اس مچھلی کو بارہا دیکھا ہے۔" (ادریسی۔ ۱۵) ٭

باب نہم

یاقوت لکھتا ہے "صیدا ولایت دمشق میں داخل اور ساحلی شہر ہے صور سے اس کا فاصلہ ۶ فرسخ ہے۔ یہ صیدون ابن سنکا ابن کنعان ابن نوحؑ کے نام سے موسوم ہے۔ کئی سال تک یہ فرنیکون کے ہاتھ میں رہا شہر کے گرد نباتات کثرت سے ہوتی ہے اور نرگس کی ہر طرف فراوانی ہے۔ ۵۰۴ھ (= ۱۱۱۱ء) میں معدون نے (= بالڈون ؟) جو بیت المقدس کا حاکم تھا، فوج کثیر کے ساتھ اس شہر پر فوج کشی کی اور اسے فتح کر لیا۔ لوگوں کو امان تو دی مگر خوب ستایا۔ پھر ۵۸۳ھ (= ۱۱۸۷ء) تک جب صلاح الدینؒ نے اسے فتح کیا، یہ نصاریٰ کے پاس رہا" (یاقوت۔ سوم، ۴۳۹۔ مراصد دوم، ۱۷۴)۔

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "صیدا دمشقی ساحل پر، سمندر کے کنارے آباد ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا لیکن قلعہ بند شہر ہے۔ صیدا سے دمشق کا راستہ یہ ہے کہ صیدا سے مشغرا، ۲۴ میل۔ یہ مشغرا ایک وادی کے اوپر واقع اور ان اضلاع میں سب سے پر فضا مقام ہے۔ اس کے درخت اور ندیاں دیکھنے کے لائق ہیں۔ مشغرا سے قامہ (اللوز) جو پہلے ضلع کا مستقر تھا، ۶ میل ہے۔ قامہ سے اقطاع عین الجر ۱۸ میل اور وہاں سے دمشق بھی ۱۸ میل گویا صیدا سے دمشق تک کل ۶۶ میل کی مسافت ہے" (ابوالفدا۔ ۲۴۹)۔

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے صیدا کی سیاحت کی وہ شہر میں میوہ دار درختوں کی کثرت کا اور یہ پیداوار میں انجیر، کشمش اور روغن زیتون کا ذکر کرتا ہے جو مصر کو دساور جاتی تھیں" (ابن بطوطہ۔ اول، ۱۳۲)۔

طرابلس یا اطرابلس

یعقوبی ۸۹۱ء میں اسے لکھتا ہے کہ "یہ شہر ایرانیوں سے آباد ہے جنھیں خلیفہ معاویہؓ نے لا کے بسایا تھا۔ اس جگہ بہت اچھی لنگر گاہ ہے۔

باب نہم

جس میں ایک ہزار جہاز آ سکتے ہیں۔" (یعقوبی، ۱۱۴)

بلاذری چند سال پہلے یعنی ۸۶۹ء کی تحریر میں بیان کرتا ہے کہ "جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور معاویہؓ کو پہلی مرتبہ شام کا والی بنایا گیا، تو انھوں نے سفیان ابن موجب الازدی کو طرابلس پر فوج دے کے بھیجا۔ اور یہ شہر اس وقت تین بستیوں کا مجموعہ تھا۔ سفیانؓ نے چند میل کے فاصلے سے چراگاہ میں ایک حصن سفیان کے نام سے تعمیر کیا اور ہر طرف سے شہر میں کمک یا رسد آنے کی راہ مسدود کی کہ وہاں والے خشکی یا تری کسی طرف سے بھی کوئی مدد نہ پا سکیں۔ تب انھوں نے شاہ روم کے پاس قاصد بھیجے اور اس نے جہاز روانہ کئے جن میں وہ راتوں رات نکل گئے۔ جب سفیانؓ شہر کے اندر داخل ہوا تو وہ خالی پڑا تھا۔ معاویہؓ نے یہاں یہودیوں کی بستی بسادی اور آج تک لنگر گاہ کے آس پاس جو یہودی آباد ہیں، وہ انہی کی اولاد ہیں۔ بعد میں خلیفہ عبدالملک نے طرابلس کو از سر نو بنایا اور قلعہ بند کیا۔" (بلاذری ۱۶۷) ترجمہ

اصطخری کے قول کے بموجب "طرابلس" ولایت دمشق میں داخل ہے عمدہ فصلوں اور میووں سے یہاں اجناس کی افراط اور ارزانی ہے کیونکہ زمین غضب کی زرخیز ہے۔ یہ دمشق کی بندرگاہ اور اسی کے ساحل پر واقع ہے۔ اہل دمشق نیز اس ولایت کے دوسرے باشندوں کی یہاں چھاؤنی ہے اور وہ اپنی جنگی مہمات پر یہیں سے روانہ ہوتے ہیں۔ طرابلس والے ایسے چلبلے اور بے تمیز نہیں ہوتے جیسے دمشقی ہیں۔ ان کے اعمال اچھے اور وعظ و پند پر کان دھرتے ہیں۔ گرد کی زمینیں سرسبز ہیں اور ان میں کھجور اور نیشکر کی کاشت کرتے ہیں۔" (اصطخری، ۶۱۔ ابن حوقل، ۱۱۶) ترجمہ

مقدسی لکھتا ہے کہ "طرابلس ساحل بحر کا قلعہ بند شہر ہے اور صیدا و بیروت دونوں سے بہتر جگہ ہے۔" (۱۶۰) ترجمہ

۱۰۴۷ء میں ناصر خسرو نے طرابلس کی سیاحت کی وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ :-

باب نہم

حلبؔ سے طرابلس تک ۴۰ فرسخ ہے۔ شہر کی ساری نواح باغوں، مزرعوں اور درختوں سے بھری ہوئی ہے۔ نیشکر کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح نارنگی، سنترا، نیز کیلا، لیمو اور کھجور خوب ہوتی ہے۔ ہم اس شہر میں پہنچے تو گنا پیلنے کا زمانہ تھا۔ طرابلس کی بستی ایسے مقام پر آباد ہے کہ اس کے تین طرف سمندر ہے اور تموج کے وقت شہر پناہ تک سمندر کی اچھال آجاتی ہے خشکی کی طرف کے پہلو کو ایک زبردست خندق بنا کے محفوظ کیا ہے یہ فصیل کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے پار لوہے کا نہایت مضبوط پھاٹک بنا ہوا ہے فصیلیں تراشیدہ پتھروں کی ہیں اور گڑ گچ اور دمدمے بھی اسی طرح تعمیر کئے ہیں۔ دمدموں کے پیچھے عرادے لگے ہوئے ہیں کیونکہ یہاں والوں کو یونانیوں سے خطرہ رہتا ہے جو جہازوں میں آکے شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بستی ایک ہزار ہاتھ لمبی اور اسی قدر چوڑی ہے۔ اس کی سرائیں ۴، ۴، ۵، ۵ منزل کی ہیں اور بعض تو ۶ منزل اونچی بنی ہوئی ہیں لوگوں کے خانگی مکانات اور بازار بہت اچھے بنے ہوئے ہیں اور نہایت صاف رکھے جاتے ہیں۔ ان کی شان و آرائش دیکھ کر محل کا دھوکہ ہوتا ہے ہر قسم کا گوشت، میوہ اور جملہ اشیائے خوردنی جو میں نے ایران میں دیکھی ہیں وہ سب اس بستی میں مل سکتی ہیں۔ اور قسم کے اعتبار سے، وہاں کی نسبت سو درجے بہتر ہوتی ہیں۔ وسط شہر میں بڑی جمعہ مسجد مستحکم بنی ہوئی، سلیقہ سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کا حوض اور اس کے وسط میں برنجی فوارہ اور اوپر ایک بڑا گنبد بنا دیا ہے۔ بازار میں بھی ایک آبدار خانہ بنایا ہے جس کی پانچ ٹونٹیوں سے جتنا چاہیں پانی لے سکتے ہیں اور زائد پانی بہ کر سمندر میں چلا جاتا ہے، لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شہر کی آبادی بیس ہزار ہے اور اس کے متعلق بہت سے اقطاع اور مواضع ہیں۔ یہاں کاغذ سمرقند کی طرح بہت اچھا بنتا ہے بلکہ اس سے بھی بہتر قسم کا ہوتا ہے۔ طرابلس فاطمی سلطان مصر کی حدود حکومت میں داخل ہے۔ اور اس کا سبب مجھے لوگوں نے یہ بتایا کہ ایک مدت گزری بای زنطہ کے کفار اس شہر پر حملہ آور

باہم ہوئے تو اس وقت مصر سے مسلمان آئے، اور انھوں نے لڑ کر کفار کو بھگا دیا۔ سلطان مصر نے شہر والوں کو اپنا حق مالگزاری بھی معاف کر دیا ہے۔ سلطان کی فوج ایک سپہ سالار کے ماتحت یہاں ہمیشہ متعین رہتی ہے کہ غنیم سے محفوظ و مامون رکھے۔ طرابلس میں تجارتی مال پر محصول بھی وصول کیا جاتا ہے۔ یعنی یونان، فرنگ اور اندلیسہ اور ممالک مغرب کے ساحلوں سے جو جہاز آتے ہیں، انھیں سلطان مصر کو عشر ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ روپیہ مقامی فوج کے سامان خورد و نوش میں صرف کیا جاتا ہے۔ سلطان کے اپنے جہاز بھی یہاں رہتے ہیں جو بائی زنطہ، صقلیہ، اور ممالک مغرب کو سامان تجارت لے جاتے ہیں طرابلس کے تمام باشندے شیعہ فرقے کے ہیں اس فرقے کے لوگوں نے ہر ملک میں اپنی بہت اچھی مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ رباط یا سراخانوں کی مثل یہاں متعدد عمارتیں بنی ہوئی ہیں جن میں کوئی نہیں رہتا اور وہ مشہد (یعنی درگاہیں یا شہادت گاہیں) کہلاتی ہیں۔ شہر کے باہر دو چار مشہدوں کے سوا اور کوئی مکان بنا ہوا نہیں ہے۔" (ناصر خسرو - ۶) ؎

ادریسی کی اطلاع کے بموجب "اطرابلس" بڑا شہر ہے جسے پتھر کی فصیل سے محفوظ اور دشمنوں کی دسترس سے مامون کر لیا گیا ہے، مواضع، اقطاع اور عمدہ اراضی اس کے تحت میں ہیں۔ طرح طرح کے درخت، جیسے زیتون، انگور، نیشکر اور دوسرے میوہ دار درخت اور زرعی اجناس جن کا شمار محال ہے یہاں ہوتے ہیں اس میں لوگوں کی برابر آمد و رفت رہتی ہے۔ سمندر تین طرف سے شہر کو آغوش میں لیے ہوئے ہے اور یہ شام کا ایک بڑا قلعہ ہے۔ ہر قسم کے سامان، تجارت کا مال اور ظروف و پارچہ کثیر مقدار میں یہاں آتا ہے۔ کئی قلعے اور گڑھیاں اس شہر کے زیر انتظام ہیں اور یہیں کی فوجیں ان میں متعین ہیں۔ ان میں الف الحجر، حصن القلمون، حصن ابوالعدس اور ارطوسیہ قابل ذکر ہیں۔ ان علاقوں میں جو طرابلس سے تعلق رکھتے ہیں، چار مشہور مواضع یہ ہیں:- الشقیقہ، الزیتونیہ، الزعلیبیہ، اور الحدث و امیون[1] ان بستیوں کی

[1] ان ناموں کی صحت نہایت مشتبہ ہے ؎

اراضی میں زیتون اور میوہ دار درختوں کے باغات اور دوسری فصلیں افراط سے ہوتی ہیں۔ شہر سے چار میل جنوب میں ابن سنجل (= کونٹ ریمنڈ رئیس سینٹ گائلز) کا بنایا ہوا قلعہ ہے جہاں سے یہ فرنگی طرابلس پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کیا تھا یہ دو وادیوں کے درمیان بلند مقام پر نہایت مضبوط قلعہ ہے" (اس کی تعمیر ۱۱۰۴ء میں ہوئی) ؛

شہر طرابلس کے مقابل، ایک قطار میں چار جزیرے ہیں۔ ان میں پہلا اور خشکی سے قریب ترین جزیرۂ نرگس ہے۔ یہ بہت چھوٹا اور غیر آباد ہے۔ پھر جزیرۂ عمود آتا ہے۔ پھر جزیرۃ الراہب اور آخر میں جزیرہ ارذقون (یا "داذقون") (ادریسی ۱۷) ؛

ادریسی کے ایک قلمی نسخے پر یہ حاشیہ درج ہے:

"طرابلس کے باشندے پہلے ہی پہاڑ کی طرف منتقل ہو گئے ہیں اور اُنھوں نے اسی نام سے ایک دوسرا شہر بنا لیا ہے جو سمندر سے چار میل دُور واقع ہے۔ پرانے شہر کی اب صرف ایک عمارت یعنی مسجد باقی رہ گئی ہے اور اس سے ابھی تک کام لیتے ہیں۔ یہ جامع العمری کہلاتی ہے۔ خود میں اس زمانے میں جب کہ ہم دفاع کے لئے ساحل پر مقیم تھے، اس جگہ کئی روز ٹھیرا رہا۔ طرابلس کے لوگ دشمن کے خوف سے جو برابر چھاپے مارتے رہتے تھے، پرانی بستی چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ نئی بستی کی کوئی شہر پناہ نہیں ہے بجز ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے جو سمندر کے رُخ بنا ہوا ہے۔ اسے امیر منجک (والی طرابلس) نے ۷۶۷ھ (= ۱۳۶۶ء[1]) میں سلطان شعبان کے عہد میں بنایا تھا" ؛

اس تحریر پر یاقوت نے کچھ اضافہ نہیں کیا (دیکھو معجم البلدان۔ جلد اول ۳۰۷ و سوم ۵۲۳۔ مراصد، اول ۲۷۔ دوم ۱۹۸) ؛

دمشقی لکھتا ہے کہ "طرابلس، اسی نام کی ولایت کا صدر مقام ہے جب

[1] دیکھو ویل: "گشیخت ڈر کیلیفن" ۔ چہارم، ۵۲۲ ؛

باب نہم

سلطان قلاعون کے اسلامی لشکر نے اسے دوبارہ فتح کیا تو کوہ لبنان کی چوٹی پر پرانی آبادی سے تقریباً پانچ میل دور ایک نیا شہر بنایا گیا کیونکہ پرانا کھنڈر ہو چکا تھا یہ نیا شہر ایک ندی کے کنارے، آدھا پہاڑ کے اوپر اور آدھا میدان میں واقع ہے۔ اور سمندر کے کنارے بھی ہے اور کھلے ہوئے میدانی علاقے کے بھی قریب ہے ہر طرف سے پانی بہ کر شہر کی طرف آتا ہے اور محرابوں کے اوپر اوپر ایک نہر لائے ہیں جس کے ذریعے پہاڑوں کی ایک وادی کا پانی پہنچایا ہے۔ یہ نہر جو ۲ سو درع لمبی ہے پانی کو ستر درع تک بلندی پر لے آتی ہے۔ اوپر جس ندی کا ذکر ہوا، وہ اس کے نیچے سے بہتی اور زمین کو سیراب کرتی ہوئی سمندر میں جا گرتی ہے۔ شہر کا کوئی مکان مشکل سے ایسا نہ ہوگا جس (کے صحن) میں بہت سے درخت نہ ہوں کیونکہ کوہستان لبنان سے جو نالے اور چشمے آتے ہیں ان کا پانی گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔ طرابلس کے باغوں میں ہر طرح کے میوے ہوتے ہیں کہ ایسے دوسری جگہ نہ ملیں گے۔ نیشکر، چھوٹا انجیر وغیرہ نیز "کلکاس" نامی درخت کی کثرت ہے۔ اور کسی ایک جگہ سمندر کی مچھلی اور پرندوں کی اتنی قسمیں آپ کو نہ ملیں گی جتنی اس شہر میں نظر آتی ہیں۔" (دمشقی ۲۰۷) تر

یہی مصنف آگے چل کے لکھتا ہے کہ "حسب ذیل مقامات طرابلس کے ضلع میں داخل ہیں: البشرون جسے الملک المنصور (قلاعون) نے فتح کیا۔ اس میں بہت وسیع قطعات ہیں۔ انفہ جو ساحل کا بہت اچھا بنا ہوا قصبہ ہے اور انطرطوس۔ حصن عرقا اور حصن حلبا کہ دونوں کی اراضی ہموار و عریض ہیں اور اپنے اپنے علاقے کے یہ دونوں صدر مقام ہیں۔ جون اور رجلیہ دو قلعے تھے کہ حال ہی میں ان کے دمدمے وغیرہ تڑوا دیئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ساحل کا شہر مقریہ جس کا رقبہ بہت وسیع ہے، جومۃ عقر، جومۃ بشریہ، القورہ، البلیطہ جس میں قلعہ بھی ہے، اور النعیم، یہ سب طرابلس ہی کے اقطاع ہیں۔ اسی ضلع میں نصیریہ کے پہاڑ ہیں جو اللاذقیہ اور سیحون کی طرف سے البشرون کے رخ پھیلے ہوئے ہیں۔

قلاع الداعویہ بھی اقطاع طرابلس میں شامل ہیں انھیں علاء الدین علی

باب نہم

کے مرید رشید الدین محمد نے جو قلعہ الموت (قریب قزوین) ایران پر قابض ہے، قریب زمانے میں تعمیر کرایا تھا۔ یہ باطنیہ فرقے کا سردار ہے اور اس فرقے کی بداعمالیاں مشہور ہیں۔ انھیں اسمٰعیلی بھی کہتے ہیں۔ حصن الخوابی اور حصن الکہف اسی فرقے کے قلعوں میں ہیں۔ حصن الکہف میں وہ غار ہے جہاں بیان کیا جاتا ہے کہ رشید الدین نے ایک مرتبہ پناہ لی تھی اور اسی جگہ وہ دفن ہوا[1] یا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، یہاں آکے غائب ہوگیا اور اس کے پیرو اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوبارہ دنیا میں ظہور کریگا۔ حصن القدموس وہ قلعہ ہے جہاں تموز اور آب کے مہینوں میں ایک خاص حمّام کے اندر سے بکثرت سانپ برآمد ہوتے ہیں۔ حصن العلیقہ، حصن المنکہ، حصین الرصام دمشق کی جانب کوہستان طراز کی ایک شاخ پر واقع ہیں۔ ہیں حصن ابی قبیس اور ثغر مصیاف ہیں۔ یہ آخری قلعہ سب کا صدر ہے اور ملوک و مشاہیر کا خون کرنے کے لیے فدائی اسی قلعے سے مختلف ملکوں کو بھیجے جاتے ہیں۔"
(دمشقی - ۲۰۸) ٹر

ابوالفدا اس بیان پر کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ اس نے وہاں سے بعلبک تک کا فاصلہ ۵۴، دمشق تک ۹۰ اور انطارطوس تک ۳۰ میل بتایا ہے۔
(ابوالفدا - ۲۵۳) ٹر

طرابلس کی جدید آبادی کی ابن بطوطہ نے ۱۳۵۵ء میں سیر کی۔ وہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ اس شہر میں " پانی کی متعدد نہریں اور بہت سے باغ ہیں۔ مکانات نئے بنے ہوئے ہیں۔ سمندر ۲ فرسخ پر واقع ہے اور اس کے کنارے پر پرانی بستی کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ اس شہر پر فرنگیوں نے قبضہ کرلیا تھا لیکن الملک الطاہر نے دوبارہ ان سے چھین لیا اور تاراج کرکے از سرنو موجودہ شہر آباد کیا۔ اس کے حمّام بہت عمدہ ہیں۔"

[1] ۔ اوپر لکھا ہوا ہے کہ وہ باطنیوں کا سردار اور الموت پر قابض ہے اور اس جگہ تحریر ہے کہ وہ "دفن ہوا" اس تضاد کا مصنف ذمہ دار ہے مترجم ٹر

باب نہم (ابن بطوطہ - اول - ۱۳۷) ۔

حمص

۸۹۱ئہ میں یعقوبی لکھتا ہے کہ حمص شام کے سب سے بڑے شہروں میں ہے - یہ ایک عریض ندّی کے کنارے آباد ہے جس سے شہر میں آبرسانی کا کام لیا جاتا ہے - شہر کے گرد بہت سے اقطاع ہیں جن میں البمہ مشہور ہے ۔" (یعقوبی ۱۱۱) ۔

مسعودی لکھتا ہے کہ "حمص اپنے باشندوں کی خوبروئی کے باعث مشہور ہے" (اول - ۱۲۵) ملکہ ہلینا نے چار پایوں پر یہاں جو گرجا بنوایا تھا وہ دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے ۔" (مسعودی - دوم ' ۳۱۲) ۔

"حمص کے بازاروں میں قدیم سے پتھر کے چوکوں کا فرش تھا ' اور آج بھی یہ فرش یہاں کی خصوصیت ہے ۔" (بلاذری - ۱۳۴ - نیز ابوالفدا ' ۱۱۰) ۔

ابن الفقیہ نے لکھا ہے کہ "حمص کے عجائبات میں وہ پتلا ہے جو گرجا کے بالمقابل ' جامع مسجد کے دروازے پر استادہ ہے - یہ سفید پتھر کا ہے اور اس کا بالائی حصہ آدمی کی صورت کا اور نیچے کا حصہ بچھو کی شکل ہے - اگر کسی کو بچھو کاٹ کھائے تو وہ مٹی لے کے اس پتلے سے ملے اور پھر پانی میں گھول کے پی جائے ' فوراً تکلیف جاتی رہے گی اور اچھا ہو جائے گا - لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک طلسم ہے جو خاص طور پر بچھو کے کاٹے کے واسطے بنوایا گیا ہے ۔" (ابوالفدا ' ۱۱۰) ۔

اصطخری لکھتا ہے کہ "حمص ' اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے - اس کی آب و ہوا بہت اچھی - اور زرخیز میدان میں واقع ہے جہاں کی زمین شام کی بہترین زمینوں میں شمار ہوتی ہے - اس شہر کے لوگ نہایت حسین و جمیل ہوتے ہیں - حمص میں سانپ بچھو بالکل نہیں ہیں اور اگر کوئی

آجائے تو مرجاتا ہے۔ ہر جگہ کھیت، درخت اور پانی نظر آتا ہے۔ دیہات کی زیادہ تر آراضی بارانی ہیں۔ یہاں ایک کنیسہ ہے جس کے نصف حصے سے مسجد کا کام لیتے ہیں اور باقی نصف نصاریٰ کے پاس ہے اور اس میں ان کی قربان گاہ اور خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ ملک شام کے سب سے بڑے گرجاؤں میں داخل ہے۔ خود ہمارے زمانے (= دسویں صدی عیسوی) میں یونانیوں نے اس ملک پر حملہ کیا اور بہت سی زمینیں اور دیہات پامال و تاراج کر دئے۔ ان کفار کی تاختیں جب سے شروع ہوئیں، ملک میں ویرانی پھیلتی جاتی ہے کیونکہ گو لوگ اپنے گھروں میں واپس آجانا چاہتے ہیں لیکن اب بدوی عرب وقتاً فوقتاً ان کی زمینوں پر چھاپے مارتے اور پیداوار لوٹ کے کھاجاتے ہیں۔ شہر حمص کے قریب قریب سب کوچہ و بازار میں پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔" (اصطخری، ۶۱ - ابن حوقل ۱۱۷ - ابوالفدا نے اس کا ایک حصہ نقل کر دیا ہے۔ ۲۶۱)۔

مقدسی ۹۸۵ء کی تحریر میں بیان کرتا ہے کہ: "اس سے (= حمص سے) بڑا کوئی شہر شام میں نہیں ہے۔ اس کا بالاحصار آبادی سے بہت بلند ہے اور دور دور سے نظر آتا ہے۔ پینے کا پانی زیادہ تر بارش کا ہوتا ہے لیکن ایک ندی بھی ہے۔ جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو یہاں کے گرجا پر بھی قابض ہو گئے اور اس کا نصف حصہ مسجد کی صورت میں تبدیل کر لیا۔ اسی کے قریب چوک میں ایک گنبد ہے جس کی چوٹی پر ایک برنجی پتلا مچھلی پر استادہ بنایا ہے کہ ہوا سے حرکت کرتا (اور ہوا کی سمت بتاتا) رہتا ہے۔ اس پتلے کی نسبت بہت سی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں مگر وہ قابل یقین نہیں ہیں۔ یہ شہر سخت مصائب کا شکار رہا اور حقیقت میں اس کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہاں کے باشندے بے عقل ہوتے ہیں۔ اس علاقے کے دوسرے قصبات بھی انحطاط میں ہیں اگرچہ قیمتیں معتدل ہیں اور ساحلی مقامات کی دھسوں سے حفاظت کا معقول انتظام ہے۔" مقدسی - ۱۵۶)۔

باب نہم

حمص میں ایک طلسمات کہ دراصل بادنما ہے، بچھو کے کاٹے کو اتارنے کا کام دیتا ہے۔ یعنی جو کوئی مٹی اس سے ملے، خدا کے حکم سے اس کے ڈنک سے نجات پاتا ہے اور یہ فقط مٹی کی تاثیر نہیں ہے بلکہ اس پتلے سے مٹی ملنے کی تاثیر ہے۔" (مقدسی - ۱۸۶)

سنہ ۱۰۹۹ء میں حمص کو صلیبیوں نے فتح کر لیا۔ اور یسی سنہ ۱۱۵۴ء میں یہ معلومات بہم پہنچاتا ہے:

"حمص کہ اپنے ہمنام علاقے کا صدر مقام ہے، میدان میں واقع اور خوبصورت شہر ہے۔ یہ خوب آباد ہے اور اس میں سیاحوں کی بڑی آمد رفت رہتی ہے جو اس کی پیداوار اور ہر قسم کے نوادر خریدنے یہاں آتے ہیں۔ اس کی منڈیاں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ لوگوں کے طور طریق، آداب و عادات پسندیدہ ہیں، اور ان کے ساتھ رہنا سہنا آسان ہے۔ یہاں کی عورتیں خوبصورت اور لطافت رنگ میں مشہور رہیں۔ شہر میں پانی لانے کے لیے جو سیہ کے قریب کے ایک گاؤں سے جو دمشق کی طرف، (حمص سے) ایک منزل کی مسافت پر نہر لائے ہیں۔ رودِ اُرنت جسے المقلوب بھی کہتے ہیں، حمص کے دروازے کے سامنے سے گزرتی ہے اور اس کے کنارے یکے بعد دیگرے باغ چلے جاتے ہیں جن میں درختوں اور رنج بہون کی کثرت ہے۔ یہ سب شہر والوں کے باغ ہیں اور ان کا میوہ شہر میں آتا ہے۔ عہد اسلام کے آغاز سے تمام شہروں میں حمص وہ شہر تھا جہاں سب سے زیادہ انگور ہوتا تھا لیکن اب ان باغوں کا اکثر حصہ اجڑ گیا ہے۔ یہاں کی ساری زمین زراعت و فلاحت کے لیے بہت اچھی ہے اور موسم شام کے تمام شہروں سے زیادہ مستقیم ہے۔ یہاں ایک طلسم باندھا ہے جو سانپ بچھو کو شہر میں داخل ہونے نہیں دیتا اور اگر کوئی (سانپ بچھو) شہر کے دروازے سے داخل ہو تو فی الفور مر جاتا ہے۔ سبب یہ کہ وسط شہر میں ایک بلند گنبد کی چوٹی پر آدمی کی صورت کا ایک برنجی بُت بحالت سواری لگا ہوا ہے جو (ہر طرف کی) ہوا سے گھومتا ہے۔ گنبد کی دیوار میں ایک پتھر پر بچھو کی شکل بنی ہوئی ہے اور جس آدمی کے

باہم ڈنک یا زہر چڑھے وہ اس پتھر پر کچھ مٹی لگا کر پھر اس مٹی کو مقام گزیدہ پر رکھتا ہے تو وہ تکلیف فوراً دُور ہو جاتی ہے؛ حمص کے کوچہ و بازار میں سخت پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ پورے ضلع کی زمین بہت زرخیز ہے اور مزروعہ اراضی کو نہری یا آسمانی پانی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے ؎ یہاں ایک بڑی مسجد بنی ہوئی ہے جو بلادِ شام کی سب سے بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔" (ادریسی - ۱۸)

۱۱۸۵ء میں سیاح ابن جبیر حمص آیا اور اپنے سفرنامے میں یادداشت لکھ گیا ہے کہ "خان السبیل میں مقیم ہوا"۔ اسی سلسلے میں تحریر کرتا ہے کہ حمص بہ میدان میں واقع اور خوبصورت شہر ہے۔ لیکن، پانی، درخت، سایہ اور میوہ یہاں کم ہے بلکہ گرد و غبار کی شدت ہے۔ رودِ عاصی سے جو ایک میل کے قریب دُور ہے، نہر کاٹ کے شہر میں پانی لائے ہیں۔ اسی ندی کے کنارے باغ ہیں؛ حمص کے باشندے جنگ میں بہادری اور استقامت میں مشہور ہیں اور اس وصف میں اہل حلب بھی ان سے دوسرے درجے پر ہیں ؎ موسم مرطوب اور سمندر کی ہوا خوشگوار ہوتی ہے شہر کے جنوب میں ایک مضبوط قلعہ ہے۔ مشرق کی طرف قبرستان میں حضرت خالد ابن ولید رضؓ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن، نیز سیدنا عمرؓ کے فرزند عبیداللہ کی قبریں ہیں۔ حمص کی شہر پناہ بہت قدیم اور مضبوط ہے کیونکہ اسے سنگِ سیاہ سے بنایا ہے۔ شہر کے پھاٹک بہت اونچے اور آہنی ہیں اور ہر ایک کے اوپر بلند برج بنا ہوا ہے شہر میں بہت سی عمدہ منڈیاں ہیں۔ حصن الاکراد[1] (یعنی کردوں کا قلعہ) یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ یہ مضبوط قلعہ ہے مگر آج کل دشمن کے ہاتھ میں ہے۔ حمص میں کوئی "مارستان" (= دارالشفاء) نہیں اور مدرسہ صرف ایک ہے۔" (ابن جبیر - ۲۵۹) ؎

[1] دیکھو حصۂ دوم ؎

باب نہم

یاقوت (۱۲۲۵ء میں) حمص کو ایک بڑا اور مشہور شہر بتاتا ہے، جس کے گرد شہر پناہ اور جنوب میں بلند پہاڑی پر مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے۔ یہ شہر دمشق اور حلب کے درمیان واقع ہے۔ یہاں حضرت خالد ابن ولیدؓ اور بعض دوسرے صحابۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزارات ہیں۔ حماۃ کے راستے کے مغرب میں اور شہر (حمص) کے قریب رُود آرنت گزری ہے، حمص کو قدیم یونانیوں نے آباد کیا اور فلسطین کے زیتون یہاں انہی نے لا کے لگائے[1]۔ حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح کے دمشق فتح کرنے کے تھوڑی ہی مدت بعد حضرت خالدؓ نے حمص کو فتح کیا۔ اہل شہر نے اطاعت قبول کی اور ۲۷ ہزار دینار (= ۱/۲ ۳۵ ہزار پونڈ) فدیہ ادا کیا (ابن الفقیہ نے صفحہ ۱۱۰ پر فدیئے کی رقم ایک لاکھ ستر ہزار دینار (= ۸۵ ہزار پونڈ) بتائی ہے) کنیسۂ یوحنّا کا نصف مسجد بنا لیا گیا تو اسی گرجا کے برابر والی مسجد کے دروازے پر ایک پتلا بنا ہوا ہے جو حمص کے عجائبات میں ہے یہ ایک آدمی کی مورت ہے جو چوٹی کے سفید پتھر پر نصب کی ہے اور اس کے نیچے ایک بچھو کی شکل بنی ہوئی ہے۔ جو شخص قریب کی مٹی اٹھا کے اس بت سے ملتا ہے، اسے نیش عقرب کا یقینی تریاق ملجاتا ہے کہ اگر یہ مٹی تھوڑے سے پانی میں گھلی ہوئی پی لی جائے تو فوراً بچھو کاٹے کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ حمص میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا مشہد ہے اور ایک ستون پر آپ کی انگلیوں کے نشان (منقوش) نظر آتے ہیں اور بعض اشخاص یہاں خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ حضرت خالدؓ ابن ولید کا مکان اور اسی میں مزار بھی بنا ہوا ہے اگرچہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اسی مزار کے قریب عیاد ابن غنمؓ کا مقبرہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کا انتقال حمص سے ایک میل کے قریب کسی گاؤں میں ہوا تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اصل میں یہ خالد ابن یزید

---

[1] اس واقعہ کو ابن الفقیہ نے بھی ۹۰۳ء میں بیان کیا ہے (صفحہ ۱۱۰) تر

باب نہم

ابن معاویہؓ کی قبر ہے جس نے حمص کا قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اس قلعے کے کھنڈر شارع عام کے مغرب میں ابھی تک نظر آتے ہیں۔" (یاقوت۔ دوم ۳۳۴ تا ۳۳۶۔ مراصد اول، ۳۲۰)

دمشقی کہتا ہے کہ "حمص، اپنی ہمنام ولایت کا صدر مقام اور قدیم شہر ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہ سورہ یا کہلاتا تھا۔ اس کی آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے۔ کوئی بچھو یہاں نہیں رہنے پاتا کیونکہ بچھو کے خلاف ایک طلسم باندھا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک گنبد بے در بنا ہوا ہے کہ اگر ایک قریب کی پہاڑی سے خاص قسم کی مٹی لے کر اس گنبد کی دیواروں سے ملدی جائے اور اسے وہیں چھوڑ دیا جائے کہ وہ خشک ہو جائے (تو وہ بچھو کا تریاق بن جاتی ہے) یہ مٹی دُور دُور کے ملکوں کو جاتی ہے اور اگر اس کا ایک کھپرا بچھو پر ڈال دیا جائے تو وہ مر جاتا ہے۔" حمص کے تمام مکانات کے نیچے ایک دو غار ایسے ہیں جن میں چشموں سے پینے کا پانی نکلتا ہے۔ اس طرح یہ دراصل شہر کے اوپر شہر ہے۔ یہاں کے لوگ اپنی خفتِ عقل کے باعث بدنام ہیں۔" (دمشقی ۲۰۲)

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "حمص میں بہت سے باغ ہیں جن میں نہر عاصی سے آب پاشی ہوتی ہے۔ مہلبی نے حمص کو اپنی ولایت (جند) کا صدر مقام اور شام کے صحت بخش ترین شہروں میں شمار کیا ہے۔" نہر العاصی یا مقلوب، شہر کے باہر کوئی میل بھر کے فاصلے سے بہتی ہے یہاں لوگوں کے باغ اور تاکستان دیکھنے کے قابل ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر حمص کے پانی میں کپڑے دھوئے جائیں تو پہننے والوں کو سانپ یا بچھو اس وقت تک کوئی گزند نہیں پہنچاتا جب تک کہ وہ دوبارہ کسی دوسرے پانی میں نہ دھلیں۔ حمص کے باشندے اپنی جلد (= رنگ) کی خوبصورتی میں شہرۂ آفاق ہیں۔" (ابوالفدا، ۲۶۱)

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ حمص آیا اور یہاں کے نفیس اشجار اور قابل تعریف بازاروں کا تذکرہ کرتا ہے اس نے یہ بھی اپنے سفرنامے میں درج

باب نہم

کیا ہے کہ میں نے یہاں سیف اللہ حضرت خالدؓ کا مقبرہ دیکھا۔ شہر میں ایک خوشنما مسجد جامع ہے اور اس کے وسط میں حوض ہے۔ باشندے عربی النسل، شریف و نجیب ہیں" (ابن بطوطہ۔ اول ۱۴۱)۔

حماہ (حمات)

"الارنت نامی ندی کے کنارے ایک قدیم شہر ہے" (الیعقوبی۔ ۱۱۰)

اصطخری اور ابن حوقل لکھتے ہیں کہ "حماہ ولایت حمص میں چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن میوے اور نباتات، پانی اور درختوں کی کثرت ہے اور یہاں کی معاشرت نہایت خوش گوار ہے" (اصطخری۔ ۶۱۔ ابن حوقل، ۱۱۶)۔

ناصر خسرو ۱۰۴۷ء میں اپنے سفر نامے میں تحریر کرتا ہے کہ "شہر حماہ خوب آباد ہے۔ یہ رود عاصی کے کنارے واقع ہے۔ اس ندی کو عاصی (بمعنی باغی) اس لیئے کہتے ہیں کہ یہ یونانی علاقوں کی طرف بہتی ہے گویا ممالک محروسۂ اسلام سے اس کا سرزمین کفر میں چلا جانا ایک بغاوت یا عصیان ہے۔ اس کے کنارے لوگوں نے بہت سے دولاب لگا رکھے ہیں" (ناصر خسرو۔ ۵)۔

ابن جبیر سیاح نے ۱۱۸۵ء میں کئی دن حماہ میں گزارے اور اپنے سفر نامے میں یہاں کا طویل اور خاصا لفاظی آمیز بیان درج کیا ہے ذیل میں اس کا کسی قدر ایجاز کے ساتھ ترجمہ دیا جاتا ہے:

"حماہ بہت مشہور، قدیم آباد اور ثمر دار شہر ہے۔ اس کے مشرق میں ایک بڑی، چوڑے پاٹ کی ندی بہتی ہے جس پر کثرت سے کھیتوں کی آب پاشی کے لیئے دولاب (چرخیاں) لگا رکھے ہیں۔ ندی کے کنارے (شہر کے مضافات میں) موزوں قدمچوں کے بیت الخلا(؟) بنا رکھے ہیں جن کے

باب نہم

حجروں میں چرخیوں کا کھچا ہوا پانی پہنچتا ہے۔ ندّی کے دوسرے کنارے شہر کے زیرین حصے میں ایک چھوٹی سی جامع مسجد ہے جس کی مشرقی دیوار میں دریچے اور اوپر جھروکے بنائے ہیں جہاں سے نظر فریب منظر سامنے آجاتا ہے۔ ندّی کی گزرگاہ کے بالمقابل اور ناف شہر میں قلعے کی پہاڑی ہے۔ اس قلعہ میں ایک نہر کے ذریعے پانی اوپر تک پہنچایا ہے اور اس طرح پانی کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ شہر کا محل وقوع ایسا ہے گویا ایک بیچی گھاٹی ہے جس کے دامن دور تک دونوں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور شہر میں جانا ہو تو نیچے سے اس طرح جانا ہوتا ہے گویا خندق کے نیچے سے اوپر چڑھ رہے ہیں۔ کیونکہ بستی، گھاٹی کی بلندی پر آباد ہے۔ اسی باعث شہر کے بالائی اور زیرین دو حصے الگ ہو گئے ہیں اور دونوں چھوٹے چھوٹے قصبے معلوم ہوتے ہیں۔ بایں ہم شہر پناہ اونچی اور دونوں کے گرد اس طرح چلی آئی ہے کہ پہاڑی کا بالائی بازو اس کے اندر آگیا ہے۔ زیریں حصے کے تین جانب فصیلیں ہیں اور چوتھے کی حفاظت ندی کرتی ہے۔ ندی کی اوپر بڑے بڑے سالم پتھروں کا زبردست پل بنا دیا ہے، جو شہر کے زیریں حصے سے بیرونی مضافات کی حد تک آگیا ہے۔ مضافات وسیع اور اس میں متعدد سرائیں اور ہر قسم کے صناع اور سوداگروں کی دوکانیں موجود ہیں جہاں مسافر کو سب مایحتاج یسّر آجاتے ہیں اور شہر کے اندر آنے کی ضرورت نہیں پڑتی بالائی قصبے کی منڈیاں تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور زیریں حصّے کی نسبت مال و متاع میں بھی بڑھی ہوئی ہیں اور بعض ایسے مقامات بنے ہوئے ہیں جہاں ہر قسم کے سوداگر پیشہ ور لوگ جمع ہوتے ہیں۔ بالائی قصبے میں نیچے والی جامع مسجد سے بڑی مسجد اور تین شفاخانے ہیں۔ جامع الصغیر کے سامنے ندّی کے کنارے بھی ایک مارستان ہے۔ شہر کے باہر ندّی کے دونوں طرف پر اشجار باغ اور عمدہ سیرگاہیں موجود ہیں یہ ندی العاصی (یعنی باغی) کہلاتی ہے کیونکہ یہ جنوب سے شمال کے رخ اور بظاہر نیچے سے اوپر کی طرف بہتی ہے۔ حمّاہ کے جنوب میں وہ حمص کے سامنے سے

باب نہم

گزری ہے اسی جنوب کے رخ حماۃ کا قبرستان واقع ہے۔ حماۃ سے چل کے حمص کے راستے ہیں، ہم نصف منزل پر اسی ندی کے ایک بڑے پل سے گذرے جو پتھر کی محرابوں پر قائم ہے اور جس کے پار قصبۂ استن واقع ہے (ابن جبیر، ۲۵۷، ۲۵۸)۔

یاقوت اور اس کی تلخیص موسومہ مراصد کا مصنف تیرھویں صدی میں حماۃ کو ولایت حمص کا ایک بڑا شہر بتاتے ہیں جس کے گرد ایک فصیل نہایت مستحکم بنی ہوئی تھی۔ "اس فصیل کے باہر مضافات کا وسیع سلسلہ ہے، جن میں بڑے بڑے بازار ہیں اور مسجد جامع رود عاصی کے کنارے واقع ہے۔ ان نواحی محلوں کے گرد بھی ایک دیوار کھینچ دی ہے جو ندی کے کنارے کنارے چلی جاتی ہے۔ ندی پر پانی کھینچنے کی چرخیاں لگائی ہیں جن کے ذریعے جامع مسجد کا حوض بھرتے اور باغوں کو پانی پہنچاتے ہیں۔ ان مضافات کا مجموعی نام السوق الاسفل ہے کیونکہ وہ شہر کی نشیبت جو السوق الاعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے، نشیب میں واقع ہے۔ سوق الاسفل میں رود عاصی کے جنوبی کنارے پر کئی مدرسے بنے ہوئے ہیں۔ بستی کے برابر ایک قدیم قلعہ ہے جس کی ساخت عجیب اور دمدمے نہایت مضبوط ہیں۔ الملک المنصور محمد ابن تکا الدین عمر ابن شاہنشاہ ابن ایوب نے یہاں کوئی سودرع کی بلکہ کچھ زیادہ لمبی خندق کھود دی تھی۔ یہ قلعہ اس قدیم شہر کے ساتھ تھا جو زمانۂ جاہلیت (= قبل اسلام) میں یہاں بستا تھا اور امرأ القیس شاعر نے اپنے اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ۲۷۱ھ (= ۸۸۴ء) میں احمد ابن طیب اپنا عینی بیان اس قلعے کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ اس وقت یہ ایک فصیل بند موضع تھا جس کے اندر پتھر کی بڑی بڑی عمارتیں تھیں اور نہر عاصی ان کے سامنے سے بہتی، باغوں کو پانی دیتی اور دو لاب چلاتی تھی"۔ لیکن واضح رہے کہ وہ اسے موضع (یا گاؤں) لکھتا ہے۔ "سوق الاسفل کے برابر بھی ایک قلعہ بنا ہوا ہے جسے المنصوریہ کہتے ہیں۔ یہ ان بیرونی محلوں سے کسی قدر اوپر کو جانب چپ واقع ہے۔ سوق اسفل میں سوداگروں

باب نہم

کی بہت سی دکانیں اور منڈیاں ہیں" (یاقوت دوم، ۳۳۰- مراصد اول- ۳۱۸)۔

"قرون حماہ، اس پہاڑ کی دو چوٹیاں ہیں جو حماہ کے گرد چھایا ہوا ہے اور یہ چوٹیاں ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں" (قرون بمعنی سینگ) (یاقوت۔ دوم- ۳۳۲)۔

دمشقی سنہ ۱۳۰۰ء میں تحریر کرتا ہے کہ "حماہ ولایت کا صدر مقام اور حاکم کا مستقر ہے۔ یہ خوبصورت شہر ہے جس کے دمدمے مضبوط اور سامانِ معاشرت عمدہ ملتا ہے۔ نہر عاصی شہر کے دو حصوں کے بیچ میں سے گزرتی ہے اور ان حصوں کو پل بنا کے ایک دوسرے سے ملایا ہے۔ عاصی کے کنارے پر بڑے بڑے دولاب جنھیں ناعورہ کہتے ہیں لگے ہوئے ہیں اور ایسے (بڑے) کہیں اور نظر نہیں آتے۔ ان کے ذریعے باغوں کے لئے پانی کھینچتے ہیں۔ اس جگہ بہت سے میوے ہوتے ہیں خصوصاً یہاں کی خوبانی جسے "کافوری لوزی" کہتے ہیں، اپنا جواب نہیں رکھتی" (دمشقی، ۲۰۶)۔

ابوالفدا بیان کرتا ہے کہ "حماہ" حمص اور قنسرین کی ولایتوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ بہت قدیم شہر ہے جس کا بنی اسرائیل کی کتابوں میں ذکر آتا ہے۔ یہ شام کے مرغوب ترین مقامات میں ہے۔ شہر کے شمالی اور مشرقی زیادہ حصے کو نہر عاصی احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کا بالاحصار نہایت بلند اور خوب مستحکم بنا ہوا ہے۔ شہر کے اندر پن چکیاں ہیں اور باغوں کے لیے چرخیوں سے پانی کھینچتے ہیں اور اکثر مکانات میں بہتا پانی موجود ہے حماہ اور شیزر، دولابوں کی کثرت میں شام کے تمام شہروں میں امتیاز رکھتے ہیں" (ابوالفدا، ۲۶۳)۔

سنہ ۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ حماہ سے گزرا۔ رودِ عاصی کی نسبت لکھ کر کہ وہ شہر کے وسط میں سے بہتی ہے اور اس کے گرد بہت سے باغ اور میوہ دار درخت ہیں جن کی بدولت شہر میں رہنا خوشگوار ہو گیا ہے۔

باب نہم

وہ بیرون شہر المنصوریہ کا ذکر کرتا ہے کہ اس میں بڑی مسجد، اور بہت سے حمام ہیں اور منڈی بہت اچھی ہے۔" "حماۃ میں طرح طرح کے میوے، عمدہ قسم کے ہوتے ہیں اور انہی میں لوزی خوبانی مشہور ہے کہ اس کی گٹھلی توڑو تو اندر سے بادام نکلتا ہے۔ یہاں کے دو لاب مشہور ہیں۔" (ابن بطوطہ اول۔ ۱۴۱) تو

حلب

اصطخری اور ابن حوقل (دسویں صدی عیسوی) کے نصف آخر میں لکھتے ہیں کہ "حلب، ضلع قنسرین کا صدر مقام ہے، یہ نہایت آباد ہے۔ لوگ خوشحال ہیں اور تجارت کو فروغ ہے کیونکہ عراق و ثغور اور شام کے باقی اقطاع کو جو بڑی سڑک جاتی ہے، حلب اس پر واقع ہے۔ لیکن اس کی سنگین فصیل کچھ کام نہ آئی اور شہر پر یونانیوں نے قبضہ کر لیا[1]۔ انھوں نے مسجد کو تاراج کر ڈالا، مکان جلا دیئے اور عورتوں بچوں کو اسیر کر کے لے گئے حلب میں قلعہ تھا لیکن نہ مضبوط تھا نہ عمدہ طریق پر بنایا گیا تھا، ساری آبادی بھاگ کر اسی قلعے میں پناہ گزیں ہوئی تھی۔ یہ سمجھ کر کہ (یونانیوں کے ہاتھ سے محفوظ رہیگی۔ مگر اس میں اکثر لوگ ہلاک ہوئے اور ساز و سامان غارت ہوا، شہر اور نواح کے پناہ گزیں جو زندہ بچے تھے وہ سب اسیر کر لیے گئے پورے علاقے کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا گیا اور یہ وہ الم انگیز قصہ ہے جسے سننے سے رنج ہوتا ہے اور جس کا تمام دنیائے اسلام اور مسلمانوں میں ماتم پڑ گیا تھا۔ شہر میں پہلے پانچ منڈیاں، بہت سے حمام سرائیں، محلے اور وسیع چوک تھے۔ لیکن اُس وقت تو حلب (کفار کے

[1] اہل بای زنطہ نے ۹۶۱ء میں شہنشاہ ان کی فورتس کے سپہ سالار ری میں بہت ہی کم مدت کے لیے حلب پر قبضہ کر لیا تھا لیکن وہاں کا قلعہ تسخیر کرنے میں ناکام رہے تھے۔

ہاتھوں میں ہونے کے باعث) ایک قیدی کی مثل ہے"۔
حلب کے دریا کو ابوالحسن یا قویق (Chalus) کہتے ہیں۔ پینے کا پانی
اسی سے آتا ہے اور اس میں بہت کم گدلا پن پایا جاتا ہے۔ ابھی تک اجناس
ارزاں ہیں کیونکہ زمانۂ ماضی میں بڑی فلاح و سرسبزی اور اشیائے خوردنی کی
بہتات تھی۔ لیکن اب ہر سال یونانی خراج وصول کرتے ہیں اور ہر زمین
اور کھیت پر لگان لگا رکھا ہے۔ اہل حلب نے یونانیوں سے صلح کر لی
ہے مگر ان کے پاس جیسے پہلے مال متاع تھے اس کا بیسواں حصہ بھی اب
باقی نہیں ہے" (اصطخری ۶۱- ابن حوقل ۱۱۷)۔
۹۸۵ء میں مقدسی لکھتا ہے کہ "حلب بہت اچھا، پر لطف،
بخوبی قلعہ بند شہر ہے جس کے باشندے مہذب، دولتمند اور عقل سلیم سے
متصف ہیں شہر خوب آباد ہے اور اپنی (میدانی) زمینوں میں اس کی
سنگین عمارتیں (نمایاں طور پر) بلند ہیں اس میں نہایت مستحکم اور فراخ قلعہ
موجود ہے جس میں پانی کا انتظام کیا گیا ہے۔ خزانہ شاہی اسی قلعے میں رہتا
ہے۔ بڑی مسجد شہر کے اندر واقع ہے۔ اہل شہر رود قویق کا پانی پیتے ہیں
جو سیف الدولہ کے محل کے قریب آبادی کے اندر بہتی ہے اور اس جگہ
لوہے کا جنگلا لگا ہوا ہے۔ قلعہ کچھ بہت بڑا نہیں ہے مگر سلطان کی قیام گاہ
یہیں ہے۔ شہر کے سات دروازے ہیں۔ باب حمص، باب الرقہ،
باب قنسرین، باب الیہود، باب العراق، باب دار البطیخ (= خربزہ
خانے کا دروازہ) اور باب الظاکیہ، باب اربعین آج کل بند کر دیا
گیا ہے" (مقدسی، ۱۵۵)۔
مقدسی نے جن سات دروازوں کا حال لکھا ہے وہ اب اس طرح
شناخت کئے جا سکتے ہیں: (۱) باب حمص جنوب کا دروازہ ہے جسے رسل
نے اپنی "نیچرل ہسٹری آوف الیپو" (طبع دوم ۱۷۹۴ء) کے نقشے میں "باب
دمشق" لکھا ہے آج کل باب المقام (یا مقام ابراہیمؑ) کہلاتا ہے (۲)
رقہ، حلب سے جس سمت میں واقع ہے اس کا لحاظ کیا جائے تو باب رقہ

باب نہم

ضرور وہ دروازہ ہوگا جسے رسل "باب الحدید" کے نام سے یاد کرتا ہے اور جو فصیل کے شمال مشرقی گوشے میں ہے۔ (۳) باب قنسرین مغربی فصیل کے جنوبی سرے پر ہے اسے سیف الدولہ ابن حمدان نے تعمیر کیا تھا۔ (۴) باب الیہود، ہمارے زمانے کا باب النصر ہے جو شمالی فصیل کے وسط میں ہے اور یہودی محلہ اس سے ملا ہوا ہے۔ اسے سلطان صلاح الدینؒ کے فرزند الملک الظاہر نے ازسرِ نو تعمیر کیا اور پہلا نام بدل کر باب النصر (یعنی "فتح دروازہ") موسوم کیا (دیکھو آیندہ صفحہ ...)۔ (۵) باب العراق، جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، غالباً جنوب مشرقی دروازہ ہے جسے رسل باب نیرب بتاتا ہے۔ (۶) باب دار البطیخ کی نسبت قرائن کہتے ہیں کہ رسل کا باب البخان ہوگا جس کا یاقوت اور بعض دوسرے مصنفوں نے بھی اسی نام سے ذکر کیا ہے۔ یہ مغربی فصیل میں باب النطاکیہ سے قدرے شمال کی طرف بنا ہوا ہے۔ (۷) باب النطاکیہ ہمارے زمانے تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ باب قنسرین کے شمال میں اور مغربی فصیل کے وسط میں کھلتا ہے اور اس کے دوسری طرف (جانب جنوب) باب البخان واقع ہے۔ باب الاربعین کو رسل نے اپنے نقشے میں "باب الاربعین" دکھایا ہے، یہ بیرونی بستی کے شمال مغربی گوشے میں ہے اور خود یہ بستی باب النصر کے پار شہر حلب کے شمال میں (شہر کے باہر) آباد ہے۔

ایرانی سیاح ناصر خسرو نے ۱۰۴۷ء میں حلب کی سیر کی اور اپنے سفرنامے میں حسب ذیل کیفیت لکھ گیا ہے:-

"حلب خوشنما شہر ہے۔ اس کی فصیلیں بڑی بڑی ہیں جن کی بلندی کا میں ۲۵ ارش (= ۵۰ فیٹ) اندازہ کرتا ہوں۔ اس کا مستحکم قلعہ کلیتہً چٹان کے اوپر بنا ہوا ہے جس کی وسعت میرے نزدیک بلخ کے قلعے سے کم نہ ہوگی۔ حلب کے سب مکانات ایک دوسرے سے ملے ہوئے بنے ہیں۔ اسی شہر میں تجارتی مال پر جو شام اور ایشیائے کوچک، دیار بکر

باب نہم

مصر و عراق کے درمیان آتا جاتا ہے محصول درآمد و برآمد وصول کرتے ہیں، اور ان سب ملکوں کے سوداگر اور تجارت پیشہ حلب آتے ہیں۔ شہر کے چار دروازے ہیں: باب الیہود۔ باب اللہ۔ باب الجنان (= فردوس) اور باب انطاکیہ۔ اس شہر کے بازاروں میں ظاہری رطل کا رواج ہے جس میں ۴۸۰ درہم (= تقریباً ۲½ پونڈ) وزن ہوتا ہے۔" (ناصر خسرو ۲)؛ تو مسیحی طبیب ابن بطلان بھی (جس کا حال کتاب کی ابتدا (صفحہ ... میں ہماری نظر سے گزر چکا ہے) حلب کی ۱۰۵۱ء کی لکھی ہوئی کیفیت یادگار چھوڑ گیا ہے اور اسی کو یاقوت نے اس شہر کے عنوان کے تحت میں (معجم۔ دوم، ۳۰۶ تا ۳۰۸) دُہرا دیا ہے۔ یہ عبارت اصل میں ابن بطلان کے ایک رسالہ یا مکتوب سے نقل کی گئی ہے جو اس نے اپنے دوست ہلال ابن محسن کو تحریر کیا تھا۔ ملک پر اس زمانے میں خاندان بنی مرداس کی حکومت تھی۔ ابن بطلان تحریر کرتا ہے کہ:-

"الرصافہ سے ہم چار دن میں حلب پہنچے۔ اس شہر (حلب) کی فصیل سنگ سفید کی ہے شہر کے چھ دروازے ہیں اور فصیل کے برابر میں (اس کی حفاظت کے لیے) قلعہ بنا ہوا ہے جس کے بالائی حصے میں ایک مسجد اور دو گرجا ہیں۔ انہی میں سے ایک کے اندر وہ قربان گاہ تھی جس پر حضرت ابراہیمؑ قربانی کیا کرتے تھے، اور قلعے کے زیریں حصے میں وہ غار بنا ہوا ہے جہاں آنحضرتؐ اپنے ریوڑ بند کرتے تھے۔ جب ان کا آپ دودھ نکالتے تو لوگ دودھ لینے کے واسطے آتے اور پکارتے "حلب یا لا؟" (= دودھ نکلا یا ابھی نہیں؟) اور انہی الفاظ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے۔ اس طرح اس بستی کا نام ہی حلب (یعنی "دودھ نکلا") پڑ گیا۔"

شہر کے اندر ایک مسجد اور ۶ کنیسے نیز ایک چھوٹا بیمارستان ہے یہاں کے فقیہ امامیہ فرقے کے ہیں۔ لوگ حوضوں سے جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے پینے کا پانی لیتے ہیں شہر کے دروازے کے سامنے قویق ندی ہے

باب نہم

کہ جاڑوں میں بھرتی اور گرمی میں بہت کم رہ جاتی ہے۔ شہر کے وسط میں البحتری (شاعر) کی آشنا کا ایک بلند محل بنا ہوا ہے۔ حلب ایسا شہر ہے کہ یہاں میوہ ترکاری یا شراب کم ملتی ہے بجز اس کے کہ یونانی علاقہ سے آتی ہو۔ حلب کی ایک عجیب بات ذکر کے قابل ہے کہ یہاں کے بزازے میں بیس دکانیں وکیل یا دلالوں کی ہیں جو روزانہ ۲۰ ہزار دینار کا مال فروخت کرتے ہیں اور گزشتہ بیس سال سے اسی پیمانے پر تجارت کر رہے ہیں۔ حلب کا کوئی حصہ یا محلہ خراب و ویران نہیں ہے۔ حلب سے ہم انطاکیہ گئے جو یہاں سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔"

ادریسی خبر دیتا ہے کہ "حلب، ولایت قنسرین کا صدر مقام ہے یہ ایک بڑا اور خوب آباد شہر ہے اور عراق، فارس، اور خراسان کے راستے پر واقع ہے۔ اس کی فصیلیں سنگ سفید کی ہیں۔ قویق ندی دروازے کے سامنے سے بہتی ہے مگر یہ چھوٹی اور کم پانی کی ندی ہے۔ اسی سے زمین دوز نالیوں کے ذریعے شہر میں پانی پہنچایا ہے جو منڈیوں، گلی، کوچوں اور مکانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ لوگ اسی کو پیتے اور دوسرے کاموں میں برتتے ہیں۔ قلعۂ حلب میں عمدہ پانی کا ایک چشمہ ہے۔" (ادریسی ۲۵) تو

سیاح ابن جبیر ۱۱۸۵ء میں حلب آیا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں جو کیفیت تحریر کی ہے، ذیل میں اس کا ملخص ترجمہ کیا جاتا ہے:-

"حلب تک الباب والبزاعہ سے ایک رات کی منزل ہے۔ اس شہر میں اولیا کے آثار باقیہ ہیں اور یہاں کا مضبوط و مصئون قلعہ مشہور ہے۔ یہ خاندان حمدانیہ کے بادشاہوں کا شہر تھا جن کا دور ختم ہو چکا ہے۔ سیف الدولہ نے اسے حسن ظاہری میں دلھن بنا دیا۔ قلعہ پہاڑی پر واقع ہے جہاں قدیم زمانے میں ابراہیمؑ اپنے ریوڑ لے کے رات کو آجایا کرتے اور دودھ دوھ کر (حلب) خیرات کر دیا کرتے تھے۔ اسی سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ بستی حلب موسوم ہوئی۔ یہاں ایک مشہد مرجع انام ہے قلعے میں ایک چشمہ

ہے جس سے بافراط پانی آتا اور دو حوضوں میں جمع ہوتا ہے جنھیں اسی غرض سے بنا دیا ہے۔ ان حوضوں کے گرد دہری دیوار ہے۔ شہر کے رُخ قلعے کے باہر گہری خندق کھود دی ہے جس سے زائد پانی بہ جاتا ہے۔ قلعہ کی دیواریں بلند، اور ان میں برج بنے ہوئے ہیں۔ سلطان کی قیام گاہ یہی قلعہ ہے ٭ باب نہم

خود شہر میں وسیع و خوشنما منڈیاں ہیں اور ان پر چوبی چھتیں پڑی ہیں سایہ دار کوچے، جن میں قطار در قطار دوکانیں بنی ہوئی ہیں، جامع مسجد کے ہر دروازے کے آگے دور تک چلے گئے ہیں۔ اور خود جامع مسجد قابل دید اور اس کا صحن کمال حسن و خوبی سے سنگ بستہ ہے۔ اس میں پچاس سے زیادہ در ہیں صحن میں دو کنوئیں ہیں حلب کا چوبی کام مشہور و معروف ہے۔ مسجد کی محراب قبلہ سے چھت تک جو چوبی کام کیا اور عاج و آبنوس کے ٹکڑے جڑ کر نقش بنائے ہیں، ان سے محراب کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی ہے۔ اسی طرح منبر کی خوشنمائی دیکھنے کے قابل ہے۔ مسجد کے مغربی سمت حنفیوں کا مدرسہ اور اس کے ساتھ بہت ہی اچھا باغ بنا ہوا ہے۔ اس کے مثل شہر میں اور بھی چار پانچ مدرسے، اور ایک **مارستان** (= شفاخانہ) ہے۔ شہر کے باہر مضافات میں بہت سے باغ اور سرائیں ہیں۔ ایک چھوٹی سی ندی شہر کے سامنے سے جنوب کی طرف بہتی (اور **قویق** کے نام سے موسوم ہے۔" (ابن جبیر، ۲۵۲) ٭

یاقوت لکھتا ہے کہ "حلب، ولایت قنسرین کا صدر مقام ہے۔ اس کی آب و ہوا نہایت عمدہ اور اچھی چیزوں کی کثرت ہے۔ اس کے حلب نام ہونے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ یہاں قیام کے زمانے میں حلب کے مقام پر اپنی گائے بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے (= حلب)۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ بنی عمالقہ کی تین بیٹیوں کا نام حلب، حمص اور بردعہ تھا اور ہر ایک نے اپنے اپنے نام پر ایک ایک بستی بسائی تھی" یاقوت۔ دوم، ۳۰۴؛ مراصد اول۔ ۳۱۳) ٭

ایک اور جگہ یہی مصنف لکھتا ہے کہ "حلب کا قدیم سوریانی نام بردا

باب نہم

تھا اور اسے بطلیموس ابن لاغوس (Ptolemy-lagues) نے بسایا تھا (یاقوت اول ۴۶۵، مراصد اول ۱۱۸) تر

"حلب کا لقب البیضا یا سفید بھی ہے کیونکہ اس کی نواح کی مٹی سفید ہے" (یاقوت۔ اول ۷۹۲۔ مراصد اول ۱۹۰) تر

پھر یاقوت ابن بطلان کی عبارت (جس کا اوپر ترجمہ ہماری نظر سے گزر چکا ہے) نقل کر کے یہ اضافہ کرتا ہے کہ :۔ "حلب کے قلعے میں مقام ابراہیم خلیلؑ ہے۔ یہیں ایک صندوق کے اندر حضرت یحییٰؑ ابن ذکریاؑ کے موئے ریش محفوظ ہیں جو ۴۳۵ھ (= ۱۰۴۴ء) میں ملے تھے۔ باب الجنان (= باغوں کا دروازہ) کے قریب مشہد (سیدنا) علی ابن ابی طالبؑ ہے کہ اس مقام پر کسی نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا تھا۔ باب العراق کے اندر ایک مسجد "مسجد غوث" (= امداد) کہلاتی ہے اور اس کے ایک پتھر پر جو کتبہ ہے اسے حضرت علیؓ کا نوشتہ بتاتے ہیں، اس قسم کے اور بہت سے مشہور مآثر و مقابر حلب میں نظر آتے ہیں۔ قلعے کی پہاڑی کے جنوب میں شہر کا واحد قبرستان ہے اور اسی کے قریب وہ جگہ ہے جسے مقام ابراہیم خلیلؑ کہتے ہیں باب الیہود (یعنی شمالی دروازے) کے باہر سڑک کے کنارے ایک پتھر پر خدا کی منت مانی جاتی ہے اور اس پر گلاب اور عطر بہائے جاتے ہیں۔ مسلمان یہودی اور نصاریٰ، سب اس مقام کی یکساں عقیدت مندی کے ساتھ زیارت کو آتے ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ اس کے نیچے کسی پیغمبر کی قبر ہے؛ حق یہ ہے کہ میں (یعنی یاقوت) نے اس مقام کی سیاحت کی تو اسے زراعت کے لیے سب مقامات کی زمینوں سے بہتر پایا۔ یہاں کپاس، سمسم، (خربزہ، ککڑی) باجرہ، (دُرّہ) جوار (دُخن) انگور، نیز خوبانی، انجیر اور نسیب کی کاشت ہوتی ہے۔ (زمینوں کی آب پاشی کے لیے صرف بارش کے پانی پر انحصار ہے پھر بھی افراط سے اتنی کثیر پیداوار ہوتی ہے کہ کسی دوسری جگہ میرے دیکھنے میں نہیں آئی" (یاقوت، دوم ۳۰۸) تر

باب نہم

اسی سلسلے میں مصنف آگے چل کے لکھتا ہے کہ "حلب کا قلعہ دیکھ کر آدمی عش عش کرنے لگتا ہے اور یہ حسن و استحکام میں (تیرھویں صدی عیسوی میں) ضرب المثل ہو گیا ہے۔ شہر میدانی علاقے میں ہے لیکن بستی کے وسط میں پوری طرح مدور ایک پہاڑی بلند ہوتی چلی گئی ہے جس کے پہلوؤں کو تراش دیا گیا ہے اور اس کی چوٹی کے اوپر یہ قلعہ ہے جس کی عمیق خندقیں اتنی گہری کھودی گئی ہیں کہ زمین کی سوتوں تک پہنچ گئی ہیں۔ قلعے کے اندر ایک خزانہ آب بنا ہوا ہے جس میں مصفا پانی جمع رہتا ہے۔ اندر ہی ایک مسجد جامع اور گھڑ دوڑ کا ایک میدان اور کافی وسیع باغ بنے ہوئے ہیں۔ سلطان صلاح الدینؒ کے فرزند الملک الظاہر غازی نے شہر کو از سر نو بنایا اور خندق کھدوائی تھی"۔

آج کل حلب کے سات دروازے ہیں:۔ باب اربعین، باب الیہود جس کی ملک الظاہر نے مرمت کرائی اور نام بدل کر باب النصر موسوم کیا۔ باب الجنان۔ باب انطاکیہ۔ باب قنسرین۔ باب العراق اور باب السر (یعنی چور دروازہ یا کھڑکی)"۔ (یاقوت۔ دوم، ۳۱۰)۔

سنہ ۱۳۰۰ء کے قریب دمشقی لکھتا ہے کہ "حلب وہ شہر ہے جسے تاتاریوں نے تاراج و خراب کر ڈالا۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ "الشہبہ" (= سفید یا دھانی) کہلاتا ہے کہ اس میں سفید پتھر لگائے ہیں۔ قدیم زمانے میں حلب، بغداد یا موصل کے برابر بڑا شہر تھا اور یہاں کے لوگ اپنے حسن و جمال، نرم و رنگین لباس اور اپنے خیل و حشم پر ناز کیا کرتے تھے قویق ندی اسی بستی کے سامنے سے گزری ہے"۔ (دمشقی ۲۰۲)۔

اسی کے قریب زمانے میں ابو الفدا نے یہ کیفیت بیان کی ہے کہ "حلب، ولایت قنسرین کا بڑا اور نہایت قدیم شہر ہے جس کا قلعہ بہت بلند اور مضبوط بنا ہوا ہے۔ یہاں مقام ابراہیمؑ کی زیارت ہوتی ہے، بستی کے برابر سے قویق ندی گزرتی ہے پھر بھی حلب میں بہت کم باغ ہیں۔ عراق سے سرحدی قلعوں (ثغور) کو جو سڑک جاتی ہے، حلب

باب نہم

اس پر واقع اور قنسرین سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے، مہلّبی نے حلب کی نسبت لکھا ہے کہ ایک خوشنما شہر ہے جس کی سنگین فصیلیں بہت خوبی سے بنائی گئی ہیں اور وسط میں ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اور شہر خوب آباد ہے معرّہ سے حلب کا فاصلہ ۳۶ میل ہے اور بالس سے ۱۵ فرسخ (ابوالفدا، ۲۶۷)؛

۷۵۵ھ/۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ حلب آیا۔ وہ اسے وسیع و شاندار شہر بتاتا ہے اور ابن جبیر کی عبارت نقل کر کے لکھتا ہے کہ "اس کا قلعہ الشہبیہ کہلاتا ہے اور اس میں دو کنوئیں ہیں جن میں قدرتی چشموں سے تازہ پانی آتا ہے۔ قلعہ کے گرد دُہری فصیل، بُرج اور ایک خندق ہے۔ یہاں کے مشہد کو مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں خود شہر کو بھی حلب ابراہیم کہتے ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ کا تازہ دودھ۔ کیونکہ آنحضرتؑ یہاں رہتے اور اپنی بھیڑ بکری کا دودھ غریبوں کو (مفت) دیتے تھے۔ حلب کا قیساریہ (= بازار) بہت اچھا اور خوبصورتی میں بے نظیر ہے۔ یہ مسجد جامع کے چاروں طرف چلا گیا ہے اور دو کانوں کی قطاروں کے بیچ میں جو راستے بنے ہوئے ہیں، وہ مسجد کے ہر دروازے تک آتے ہیں۔ یہ مسجد دنیا کی بہترین مساجد میں داخل ہے۔ اس کے صحن میں پانی کا حوض ہے اور گرد نہایت نفیس دالان بنا ہوا ہے۔ مسجد کا منبر آبنوس و عاج کی کاریگری کا ایک اعجاز ہے۔" حلب میں ایک مارستان (= شفاخانہ) اور کئی بڑے مدرسے ہیں۔ شہر کے باہر وسیع میدان میں میوے کے درخت اور انگور بوئے جاتے ہیں رُودِ عاصی[1] کے کنارے بھی، جو حلب کے سامنے سے بہتی ہوئی گزری ہے، باغوں کا سلسلہ ہے۔" (ابن بطوطہ اول۔ ۱۴۶ تا ۱۵۱)؛

---

[1]:۔ ابن بطوطہ نے یہاں قویق کی بجائے سہواً عاصی لکھ دیا ہے؛

انطاکیہ

شہر انطاکیہ اور اس کے حوالی کے متعلق سب سے قدیم عرب مصنفوں نے ذیل کی عجیب باتیں تحریر کی ہیں:-

بلاذری ۸۶۹ء میں بیان کرتا ہے کہ "انطاکیہ اور المصیصہ کے درمیان کا راستہ قدیم زمانے سے جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا تھا اور یہاں لوگوں کو شیر ببر ملا کرتے تھے۔ خلیفہ الولید کے زمانہ میں اس کی بہت فریاد ہوئی تو اس نے چار ہزار گائے بھینسیں اور بنجار وہاں بھیجدیئے اور خدا کے حکم سے یہ (ان درندوں کی سیری کے لیے) کافی ہوگئے۔ بعد میں اور بھی مویشی بھیجے گئے لیکن یہ پہلی بھینسیں تھیں جو شام کے ملک میں آئیں" (بلاذری، ۱۶۷- نیز ابوالفدا، ۱۱۳) ٹ

مورخ مسعودی نے ۹۴۳ء میں اپنی ضخیم کتاب "مروج الذہب" مرتب کی۔ اس میں کئی موقعوں پر انطاکیہ کی قابل دید عمارات اور علاقے کی طبعی خصوصیات کا ذکر آتا ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ "اہل علم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ کرۂ ارض کے بعض مقامات اور قصبات و مواضع ایسے ہیں جن کے اندر سانپ بچھو داخل نہیں ہوسکتے چنانچہ حمص، معرہ، مصر (= قاہرہ) اور انطاکیہ ایسے ہی مقامات ہیں" (مسعودی- دوم- ۴۰۶) ٹ

"قانون آخر (= جنوری) کے مہینے کے اکتیس دن ہوتے ہیں۔ اس کا پہلا دن سال کا پہلا دن مانا گیا ہے اور یہ شامیوں میں تہوار (نوروز) کا دن ہے۔ چنانچہ اس کی شام کو (نصاریٰ) انطاکیہ میں روشنی اور عشائے ربانی ("لاسمیۂ") کی زیارت کرتے ہیں۔ یہ رسم عام طور پر کنیسۂ القسئیان میں ادا ہوتی ہے جو شہر کے سب محترم گرجاؤں میں داخل ہے۔ انطاکیہ کے نصاریٰ، کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ سب اس تہوار کے

باب ہم

راگ رنگ اور کھیل تماشے، اور روشنی میں شرکت کرتے ہیں - کیونکہ ان کا بطریق اسی شہر انطاکیہ میں رہتا ہے اور یہ دن ان میں نہایت مسرت و برکت کا دن مانا جاتا ہے - نصاریٰ، انطاکیہ کو "خدا کا شہر" کہتے ہیں اور "بادشاہ کا شہر" نیز "شہروں کی ماں" بھی اس کا نام ہے کہ نصرانیت کا پہلی مرتبہ ظہور اسی شہر میں ہوا تھا۔" مسعودی - دوم، ۴۰۶) ﷺ

"انطاکیہ میں پولوس کا گرجا ہے جسے دیر البراغیث (یعنی کھٹملوں کی خانقاہ) بھی کہتے ہیں - یہ شہر کے دروازے باب الفارس کے متصل واقع ہے - ایک اور گرجا اشمونیت کہلاتا ہے جہاں مسیحی اپنا بہت محترم تہوار مناتے ہیں - یہ گرجا دراصل پہلے یہودیوں کے قبضے میں تھا اور ان سے نصاریٰ نے لے لیا - یہاں کنیسۂ بربارا اور کنیسۂ مریم کی بھی عمارتیں ہیں کنیسۂ مریم ایک مدور گرجا اور اپنی تعمیر کی خوبی اور بلندی کے لحاظ سے دنیا کے عجائبات میں داخل ہے - خلیفہ الولید ابن عبدالملک نے اس گرجا سے سنگ مرمر اور (سنگ جراحت) دودھیا پتھر کے کئی ستون جن کا طول وعرض حیرت انگیز تھا، اٹھوا منگائے تھے کہ جامع دمشق میں لگا دئے جائیں - انھیں دمشق کے قریب ساحل تک سمندر کے راستے لائے تھے پھر بھی بہت سے ستون انطاکیہ کے گرجا ہی میں رہے اور آج تک وہاں موجود ہیں -
(مسعودی دوم - ۴۰۷) ﷺ

"انطاکیہ میں ایک عمارت الدیماس مشہور ہے - یہ بڑی مسجد کے دائیں طرف واقع اور اس میں اتنے بڑے بڑے پتھروں کی چنائی ہے کہ گویا جنات کے زمانے کی بنی ہوئی ہے، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - گرمی کی چند راتوں میں جب چاند نکلتا ہے تو اس کی کرنیں ایک کھڑکی سے اندر آتی ہیں اور دوسری رات دوسری کھڑکی سے کہتے ہیں یہ الدیماس ایرانیوں کی عمارت ہے کہ جب (شاپور کے عہد ۲۶۰ء میں) انکا انطاکیہ پر قبضہ تھا تو انھوں نے اپنے آتشکدہ کے واسطے اسے بنوایا تھا۔" (مسعودی چہارم، ۹۱) ﷺ

باب پنجم

انطاکیہ میں شہر پناہ کے اندر، یونانیوں کا ایک پرانا معبد ہے۔ مسلمانوں نے یہاں ایک برج پاسبانی کے واسطے بنا لیا ہے جہاں سے پہرے کے سپاہی یونانیوں کے علاقے سے ہر آنے والے کو دیکھ سکتے ہیں، خواہ سمندر سے آئے خواہ خشکی کی طرف سے۔ اس قدیم معبد (یا مندر) کو یونانی بہت مقدس مانتے اور یہاں قربانیاں کیا کرتے تھے۔ لیکن ہلینا کے بیٹے قسطنطین اعظم نے، جس نے مسیحی مذہب کی اشاعت کی اسے تاراج و خراب کر دیا۔ اس زمانے میں یہ جگہ بتوں اور سونے کی مورتوں اور طرح طرح کے جواہرات سے معمور تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ مندر شہر انطاکیہ میں، موجودہ مسجد جامع کے دائیں طرف بنا ہوا تھا۔ یہ بہت بڑا مندر تھا اور صابی لوگ خبر دیتے ہیں کہ اسے سقلابیوس نے تعمیر کیا تھا۔ آج کل یعنی ۳۳۲ھ میں اس جگہ اسلحہ ساز اور سناں گروں کا بازار ہے۔ حرّان کا صابی مسمی ثابت ابن کرّہ ابن قرانی، جو ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں خلیفہ معتضد کے پاس آیا تھا وہ مندر کو بھی دیکھنے آیا اور اس کی بڑی حرمت کی اور جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا یہ اسی سے منقول ہے۔" (مسعودی۔ چہارم ۵۵)

جغرافیہ نویس اصطخری اور ابن حوقل نے دسویں صدی میں انطاکیہ کا جو کچھ حال لکھا ہے وہ آگے آتا ہے۔ یاد رہے کہ اس شہر پر شام کی پہلی اسلامی فتوحات ہی کے زمانے (۶۳۹ء) میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن ۹۶۴ء میں یونانی بادشاہ نکی فورس فوکس نے انطاکیہ کو پھر تسخیر کر لیا اور آئندہ ایک سو بیس برس تک وہ بائی زنطہ والوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔ اصطخری کی تحریر یونانیوں کے شہر میں دخل پانے سے کچھ ہی مدت قبل (۹۵۱ء) کی ہے بجالیکہ اس کے متبع ابن حوقل نے ان کے قبضہ پانے کے چند روز بعد (۹۷۸ء) میں اپنی کتاب مرتب کی۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے:۔

"انطاکیہ، ولایت عواصم کا دارالولایت ہے۔ دمشق کے بعد یہ

باب نہم

شام کا سب سے خوشگوار مقام ہے۔ آج کل اس کی فصیل پتھر کی ہے جو شہر اور اس کے اوپر چھائی ہوئی پہاڑی (سلفیوس) کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ فصیل ہی کے اندر کھیت اور باغ، چکیاں، چراگاہیں، اشجار اور ہر قسم کی تفریح گاہیں ہیں جن پر یہاں کے لوگ ناز کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس فصیل کا محیط ایک دن کی منزل کے برابر ہے۔ تمام گلی کوچوں منڈیوں اور مکانوں میں آب رواں موجود ہے اور اسی طرح جامع مسجد میں۔ دیہات، مزرعے اور بہت سے خوش آیند و سرسبز اقطاع اس شہر کے تحت میں ہیں، لیکن ان سب پر غنیم (= یونانی) کا قبضہ ہو گیا ہے۔ سچ پوچھئے تو مسلمانوں ہی کے آخری زمانے میں اس کی خوشحالی کسی قدر گھٹ گئی تھی لیکن جب سے یہ جگہ یونانیوں کے ہاتھ میں آئی، جو ۳۵۹ھ میں اس پر قابض ہوئے، اس وقت سے تباہی کا قدم تیز ہو گیا۔ انطاکیہ میں جو چٹان (الصخرہ) ہے وہ "صخرۃ الموسیٰ"، یعنی حضرت موسیٰ کی چٹان مشہور ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی اسی جگہ حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تھی" (اصطخری، ۶۲ - ابن حوقل، ۱۱۹ - ابوالفدا نے بھی اس کا بڑا حصہ نقل کیا ہے - ۲۳۳ - ۲۵۷) ؎

دوسرے راویوں کا قول ہے کہ صخرۂ موسیٰؑ کی شروان علاقۂ ارمینیہ میں زیارت کرائی جاتی تھی) یاقوت، سوم، ۲۸۲) - یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یونانیوں کی فتح انطاکیہ کی تاریخ یعنی ۳۵۹ھ مطابق ۹۷۰ء جو اس بیان میں دی گئی ہے وہ مغربی بیانات سے، جیسا کہ گبن نے "انحطاط و انتزاع سلطنت رومہ" میں نقل کیا ہے (باب پنجاہ و دوم، خاتمہ) مطابقت نہیں رکھتی کہ ان میں اس فتح کا ۹۶۴ء (مطابق ۳۵۳ھ) بتایا گیا ہے ؎

انطاکیہ کی اس کے بعد کی کیفیت جو ہم تک پہنچی مسیحی عرب ابن بطلان طبیب کی نوشتہ ہے جس نے ۱۰۵۱ء میں اس شہر کی سیر کی اور اپنے ایک بغدادی دوست کو خط کی صورت میں یہاں کے حالات

باب نہم

تحریر کئے تھے۔ یہ خط یاقوت نے نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"ابوالحسن ہلال ابن المحسن الصابی کو جو بغداد میں تھا ۴۴۸ھ کے چند سال بعد ابن بطلان نے خط لکھا اس میں بیان کرتا ہے کہ وہ انطاکیہ کے سفر کی غرض سے ہم حلب سے روانہ ہوئے جو ایک دن رات کی منزل ہے۔ اور حلب و انطاکیہ کی ساری نواح کا علاقہ خوب آباد پایا۔ یہیں مکانات کے کھنڈر وغیرہ نہ تھے۔ برخلاف اس کے، زمین میں ہر جگہ گیہوں اور جو کی جو زیتون کے سایئے میں اگتا ہے، کاشت کی ہوئی تھی۔ مواضع مسلسل آباد چلے گئے تھے۔ ان کے باغوں میں پھولوں کی کثرت تھی اور ہر جگہ پانی موجود تھا کہ مسافر کامل اطمینان اور بے فکری کے ساتھ سفر کرے۔

انطاکیہ نہایت وسیع شہر ہے۔ اس کی اندرونی اور بیرونی دو فصیلیں ہیں فصیل میں تین سو ساٹھ برج ہیں جہاں چار ہزار سپاہی نوبت بہ نوبت پہرہ دیتے ہیں۔ اور انھیں (یونانی) بادشاہ خود معائنہ کر کے قسطنطنیہ سے ہر سال بھیجتا ہے کہ شہر کی پاسبانی کریں اور دوسرے سال وہ بدل دئے جاتے ہیں۔ آبادی کا نقشہ نیم دائرے کی صورت ہے جس کا قطر پہاڑ (سلفیوس) کے دامن کے خط کو سمجھنا چاہیے۔ اور شہر کی فصیل پہاڑ کے اوپر اس کی چوٹی تک کے اوپر چڑھی ہوئی ہے۔ آگے جا کے فصیل نے (میدانی قطعے میں) نیم دائرہ کو پورا کر دیا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر لیکن فصیل کے اندر ایک قلعہ ہے جو فاصلے کی وجہ سے شہر سے بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور یہ پہاڑ شہر کی آبادی پر سایہ کئے ہوئے ہے اور اسے دھوپ سے بچاتا ہے[1] یعنی دوسرے پہر سے قبل سورج کی شعاعیں بستی میں آنے نہیں پاتیں۔ پہاڑ کو چھوڑ کر فصیل کے باقی حصے میں پانچ دروازے ہیں:۔

وسط شہر میں کنیسہ القسیان واقع ہے۔ یہ اصل میں قسیان بادشاہ

[1] کوہ سلفیوس، انطاکیہ کے جنوبی پہلو پر چھایا ہوا ہے۔

باب نہم

کا محل تھا، جس کے بیٹے کو حواریوں کے سردار فطرس (= سینٹ پیٹر) نے زندہ کر دیا تھا[1]۔ اس عمارت میں ایک ہیکل سو قدم طویل اور اسی قدم عریض ہے اور اس پر ستون قائم کر کے کنیسہ بنایا ہے۔ اس میں مسیحی قاضی بیٹھ کر فیصلہ سناتے ہیں اور منطق و صرف و نحو کا درس دینے والے بھی یہاں نشست رکھتے ہیں۔ اس گرجا کے ایک دروازے میں گھڑیال (فنجان) ہے، جس سے گھنٹے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دن رات برابر چلتا رہتا ہے اور اس کا ایک چکر بارہ گھنٹے میں پورا ہوتا ہے اور بالجملہ دنیا کے عجائبات میں داخل ہے۔

شہر کے بالائی حصّے میں پانچ طبقات ایک دوسرے سے بلند ہوتے چلے گئے ہیں اور پانچویں درجے پر حمام اور باغ بنے ہوئے ہیں جہاں سے خوشنما مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ اس جگہ آپ جا بجا پانی کے جھرنے کی آواز سن سکتے ہیں کیونکہ پہاڑ پر سے جو پانی بہتا ہے وہ اسی کے قریب زمین پر پہنچتا ہے۔ انطاکیہ میں بے شمار گرجا ہیں اور ہر ایک سونے چاندی اور رنگین شیشوں سے آراستہ ہے اور سب میں چوکوں کا فرش ہے۔ بستی میں ایک بیمارستان (شفاخانہ) ہے جہاں بطریق خود بیماروں کی تیمارداری کرتا ہے۔ ہر سال وہ کوڑھیوں کو حمام میں لے جاتا اور خود ان کے بال دھوتا ہے۔ اسی طرح ہر سال بادشاہ یہ خدمت مساکین کی انجام دیتا ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے امیر و رئیس ایک دوسرے پر سبقت لے جانی

---

[1]: یہ کنیسہ جہاں تک میرا قیاس کام دیتا ہے ضرور وہ ہوگا جو سینٹ پیٹر و سینٹ پال کے نام پر وقف ہے۔ اسے شہنشاہ جسٹی نین نے بنوایا تھا اور (سیاح ویل برانڈ باشندہ اولڈن برگ کے بقول) بعد میں انطاکیہ کے لاطینی رئیس یہیں مدفون ہوتے تھے۔ قسیان کے نام سے کونسا بادشاہ مراد ہے، اس کا میں پتہ نہ چلا سکا؛ نہ انجیل میں سینٹ پیٹر کے کسی بادشاہ کے بیٹے کو انطاکیہ میں زندہ کر دینے کا کوئی مذکور ہے۔ البتہ گرجا کی روایات سے جو (Gall. II.) پر مبنی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سینٹ پیٹر روما جانے سے قبل انطاکیہ کا اسقف تھا۔

باب نہم

چاہتے ہیں کہ انھیں غریبوں کو اسی طرح نہلانے اور خدمت کرنے کی اجازت مل جائے۔ اس شہر میں ایسے عمدہ گرم حمام ہیں کہ لطف و خوبی میں ان کا مثل دوسری جگہ کہیں نہ ہوگا۔ کیونکہ انھیں (انجرہ زری) مہندی کی لکڑی سے گرم کرتے ہیں اور پانی زور و شور سے پرنالوں میں بہتا ہے جس میں کمی نہیں ہوتی۔ کنیسۃ القسیان میں بے شمار خدام ہیں جنھیں روزانہ (خوراک) بھتہ ملتا ہے اور گرجا کی آمد و خرچ کا حساب رکھنے کی غرض سے ایک باقاعدہ دفتر ہے جس میں دس بارہ محاسب کام کرتے ہیں۔

ایک سال سے کچھ زیادہ زمانہ گزرا کہ اس گرجا پر بجلی گری اور یہ حادثہ عجیب طریق سے ظہور میں آیا۔ ۱۳۶۲ سال سکندری کے اواخر میں جو ۴۴۲ھ (= ۱۰۵۰ء) کے مطابق ہوا، جاڑوں میں سخت بارش ہوئی اور ماہِ نیسان (= اپریل) کے کچھ دن گزر چکے تھے جبکہ شبِ شنبہ ۱۳ نیسان کو اس زور و شور سے کڑک چمک شروع ہوئی کہ نہ اس زمانہ میں ہوئی تھی نہ پہلے کسی کو یاد تھی نہ کسی نے کبھی سنی تھی۔ بار بار اس قیامت کی بجلی کڑکتی تھی کہ لوگ خوف سے چیخنے لگے۔ تب یکایک بجلی گری اور گرجا (القسیان) کی قرباں گاہ کے سامنے جو اوٹ خذف (= کوڑیوں) کی لگی ہوئی تھی، اس کو صدمہ پہنچایا اور اوٹ کے سامنے کے رخ سے ایک ٹکڑا اس طرح اڑا دیا جس طرح پتھر توڑنے کی کدالی سے اڑ جاتا ہو۔ اوٹ کے اوپر جو آہنی صلیب نصب تھی وہ بھی گر کر دور جا پڑی۔ خذف کا ذرا سا کرچا بھی کٹ گیا اور اسی روزن کے اندر بجلی گھس کر ایک چاندی کی زنجیر کے ذریعے قرباں گاہ تک پہنچی۔ خذف میں یہ روزن دو انگل چوڑا تھا اور زنجیر جس میں مجمر[۱] آویزاں تھی اس کا ایک بڑا ٹکڑا تو ٹوٹ گیا اور ایک حصہ پگھل گیا اور یہ پگھلا ہوا حصہ

[۱] متن میں لفظ "ثمیاطون" استعمال کیا گیا ہے جو صریحاً عربی لفظ نہیں ہے۔ دوکانژی کی قاموس (Gloss. Mediae...p. 502) میں یونانی لفظ "تومیاتون" کے معنی مجمر یا بخورات کا ظرف، درج ہیں اور غالباً یہاں مراد یہی ہے۔

باب نہم

بعد میں زمین پر گرا ہوا ملا - قربان گاہ کی میز کے سامنے ایک تاج لٹکا ہوا تھا وہ بھی نیچے گرا اور (قربان گاہ) کی میز کے آگے مغرب کی طرف، تین چوبی چوکور اور بلند مونڈھے (تپائیاں) رکھے تھے جن سے عام طور پر یہ کام لیا جاتا تھا کہ تین بڑی بڑی صلیبیں ان پر دھری رہتی تھیں۔ صلیبوں پر چاندی کی جلا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ لیکن ایک رات پہلے گرجا والوں نے دائیں بائیں کی دو صلیبیں اٹھا کر گرجا کے خزانے میں رکھدی تھیں اور صرف بیچ کی صلیب اپنی جگہ پر دھری تھی۔ مگر بجلی نے ان خالی ستونوں کے تو پرخچے اڑا دیئے اور ان کے ٹکڑے قرباں گاہ پر اور دُور دُور پڑے ہوئے ملے اگرچہ ان پر آگ کا کوئی نشان، جیسا کہ زنجیر کے معاملے میں عیاں تھا نہیں پایا گیا لیکن بیچ کی تپائی بجنسہٖ رہی اور اسے یا اس کے اوپر جو صلیب رکھی تھی، اسے کوئی گزند نہیں پہنچا۔

قربانگاہ کی میز کے اوپر چاندی کا گنبد چار سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم تھا اور ہر ایک ستون کے گرد زربفت لپٹا ہوا تھا۔ ان چاروں کو بجلی سے کم و بیش نقصان پہنچا، لیکن ہر صورت میں بجلی کا اثر اسی جگہ ہوا جہاں کپڑا پہلے سے کرم خوردہ تھا اور وہیں سے اس کی دھجیاں اڑ گئیں۔ لیکن یہ کہیں سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ شعلے نے اسے جھلس دیا یا جلا ڈالا ہے۔ قرباں گاہ کی میز پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ نہ اس کے میز پوش اور دوسرے کپڑوں کو کوئی آسیب پہنچا کم سے کم اس قسم کا نقصان نظر تو آتا نہ تھا۔ قربانگاہ کی میز کے سامنے سنگ مرمر کے بعض چوکوں پر ایسی ضربیں پڑی تھیں جیسے کدال سے لگائی گئی ہوں اور جوڑ کے چونے گچ کو بھی (اسی طرح صدمہ پہنچا تھا)۔ ایک بڑا چوکا اپنی جگہ سے ٹوٹ کر اکھڑا اور چاندی کے گنبد پر جا پڑا تھا، باقی پتھر جو اپنی جگہ سے اکھڑے، ان کے ٹکڑے اِدھر اُدھر دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ قربانگاہ کے قریب ایک چرخی پر سن کی رسی پڑی تھی، اور یہ اس چاندی کی زنجیر سے، جو ٹوٹی اور پگھلی، متصل تھی۔ اس رسی میں ایک بڑی چاندی

کی کشتی بندھی ہوئی تھی جس میں شیشے کے چراغوں کے پیالے[1] رکھے تھے۔ یہ کشتی اسی طرح لٹکی رہی، نہ اسے کوئی ضرر پہنچا نہ چراغ الٹے نہ اور کوئی بات ہوئی حتیٰ کہ ان دو تپائیوں کے قریب (جن کا اوپر ذکر ہوا) ایک شمع دھری تھی اسے بھی کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔ ان حیرت انگیز واقعات کا انطاکیہ کے بہت سے لوگوں نے بچشم خود معائنہ کیا۔

علاوہ ازیں، شہر کے باہر، پیر کی رات، ماہ آب (= اگست) کی پانچویں تاریخ (سنہ مذکور میں) آسمان پر ایک دریچے کی شکل بنی ہوئی نظر آئی جس کے اندر سے روشنی کی ایک چوڑی دھار چمکتی ہوئی نکلی اور پھر بجھ گئی۔ لوگ صبح تک انتظار کرتے رہے کہ دیکھیں اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور تھوڑی دیر بعد، اسی دن (پیر) کے پہلے پہر میں خبر آئی کہ شہر غنجرہ[2] میں جو یونانیوں کے علاقہ میں انطاکیہ سے نو دن کی مسافت پر واقع ہے، خطرناک زلزلے یکے بعد دیگرے آئے اور شہر کے اکثر مکانات منہدم ہوگئے اور بستی کے باہر ایک قطعۂ زمین اندر دھنس گیا اور ایک بڑا گرجا

---

[1] متن میں لفظ "فراخ" تحریر ہے جس کے لغوی معنی "چوزوں" کے ہیں لیکن دوسرے معنی محراب، دستہ کاغذ وغیرہ بھی آتے ہیں اور مجھے یہ قیاس کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہاں اس کے معنی پیالے یا اسی قسم کے برتن ہوں گے جن میں چراغ کی بتی لگا دیتے ہوں گے۔

[2] میں نے نتیجہ نکالا ہے کہ غنجرہ سے پیف لیگونیہ کا صدر مقام "گانگرا" مراد ہے جہاں اس صوبے کا بڑا پادری بھی رہا کرتا تھا۔ یاقوت نے اپنے جغرافیے میں کہیں اور اس شہر (غنجرہ) کا ذکر نہیں کیا لیکن جغرافیہ نویس قزوینی کہتا ہے (نسخہ وسٹن فیلٹ، دوم، ۳۶۸) کہ غنجرہ یونانیوں کے علاقے کا شہر اور ایک ندی موسوم بہ المقلوب کے کنارے آباد ہے۔ یہ نام رودِ عاصی (Orontes) کا بھی تھا جو عام ندیوں کے خلاف جنوب سے شمال کی طرف بہتی ہے (دیکھو صفحہ ۶۹) لیکن اس جگہ یقیناً وہ دوسری رود المقلوب مراد ہے جو قزل ایرماق (ہیلیس) کی (جو شمال کی طرف بہتا اور بحر اقشین میں جا گرتا ہے) معاون اور جس کے کنارے گانگرا آباد ہے۔ قزوینی نے یہاں کے خوفناک زلزلے اور طغیانی کا انہی الفاظ میں ذکر کیا ہے جو اوپر متن میں منقول ہیں۔

باب نہم

اور عمدہ قلعہ جو یہاں بنے ہوئے تھے، ایسے غائب ہوئے کہ ان کا کوئی نشان زمین پر باقی نہیں رہا۔ زمین میں جو شگاف پڑ گیا تھا اس کے اندر سے بہت سے چشموں کا کھولتا پانی اوپر ابل پڑا اور ستر مزرعے اس میں ڈوب گئے۔ یہاں سے لوگ بھاگ بھاگ کے آس پاس کی بلند زمینوں اور پہاڑیوں پر چلے آئے کہ ڈوبنے سے بچیں اور پانی بستی کے چاروں طرف دو دن کی مسافت تک کے علاقے میں سات روز تک چڑھا رہا۔ پھر پانی تو نکل گیا لیکن اس جگہ ایک دلدل رہ گئی۔ کئی آدمی جنھوں نے ان واقعات کا خود مشاہدہ کیا تھا، انھوں نے مجھ سے تصدیق کی اور جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ سب انطاکیہ کے لوگوں نے مجھ سے (یعنی کاتب خط) ابن بطلان سے بیان کیا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جب لوگ بھاگ کر پہاڑیوں پر چلے آئے تو، اس وقت بھی زلزلے کے زور سے زمین اس طرح ہلتی تھی کہ ان کے برتن لڑھک کر نیچے زمین پر آ پڑتے تھے۔

شہر انطاکیہ کے باہر ایک ندی المقلوب[1] (یعنی الٹی ندی) بہتی ہے اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جنوب سے شمال کو جاتی ہے۔ یہ (بابل کی) نہر عیسیٰ کے برابر بڑی ہے۔ کناروں پر بہت سی پن چکیاں ہیں اور شہر کے باغوں اور زمینوں کو اس سے پانی دیتے ہیں۔

یاقوت کہتا ہے کہ ابن بطلان سے نقل کردہ بیان یہاں ختم ہوا۔ (جلد اول۔ ۸۵-۳۸۲)۔

۱۰۸۰ء میں انطاکیہ کے بالاحصار کو وہاں کے ایک فوجی سردار نے غداری سے قونیہ کے سلجوقی سلطان قتلمش کے حوالے کر دیا اور اس طرح شہر بھی اس کے قبضہ میں آگیا تھا۔ لیکن چودہ سال بعد، پہلی صلیبی جنگ کے موقع پر، عیسائیوں نے دوبارہ نو مہینے محاصرہ کر کے جس میں عجیب عجیب

[1] یہاں وہ رود عاصی ("اورنٹیس") مراد ہے۔

باب نہم

واقعات و خوارق کا ظہور میں آنا بیان کیا جاتا ہے، انطاکیہ کو لے لیا (۱۰۹۸ء) اور بوہی مونڈ اور اس کے اخلاف اس پر ایک مستقل ریاست کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔ یہ حکومت ایک سو اسی برس تک رہی جس کے بعد سلطان بیبارس نے ۱۲۶۸ء میں اسے فتح کر لیا۔

۱۱۵۴ء میں ادریسی نے شہر کی حسب ذیل کیفیت تحریر کی ہے:-

انطاکیہ بڑے شاندار مقام پر واقع اور اس کی نواح بہت خوشگوار ہے۔ سوائے دمشق کے کوئی شہر، اندرونی یا بیرونی لحاظ سے، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے کوچہ و بازار اور قصور و محلات میں آب رواں کی افراط ہے۔ شہر اور باغوں کے گرد ایک فصیل کھچی ہوئی ہے جس کا طول ۱۲ میل ہے۔ یہ غیر ممکن التسخیر فصیل نادر روزگار تعمیر ہے، اس میں پتھروں کی چنائی کی ہے اور شہر کے ساتھ، پہاڑ کو جو بستی پر سایہ زن ہے۔ اس کے اندر گھیر لیا ہے۔ اسی احاطے میں پن چکیاں، باغ، خیابان اور ہر قسم کی ترکاری اور زراعت موجود ہے۔ شہر کے بازاروں میں لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور دکانوں میں ہر قسم کے ظروف اور ضروری ساز و سامان اور اعلیٰ درجے کا مال نظر آتا ہے۔ اس شہر کے محاسن بے شمار اور برکات کثیر ہیں۔ اس وضع کا کپڑا جسے العتبی کہتے ہیں، یہاں سادہ (بغیر دھاری کا) بناتے ہیں، نیز دستوائی، اصفہانی وغیرہ قسم کے کپڑے بھی یہاں تیار ہوتے ہیں۔ (ادریسی - ۲۳)

علی ہروی انطاکیہ میں حبیب النجار کے مقبرے کا ذکر کرتا ہے (نسخۂ اوکسفورڈ، ورق ۱۱) یاقوت اور صاحب مراصد نے مذکورۂ بالا بیانات پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا، اور ابن بطلان کا خط، جسے یاقوت نے نقل کیا ہے، اس کا ہم پہلے ہی ترجمہ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ یاقوت نے یہ بھی لکھا ہے کہ انطاکیہ کو سکندر کے بعد دوسرے بادشاہ انطیخس (انتیوکس) نے آباد کیا تھا۔ شہر کے ایک دروازے باب مسلم کی وجہ تسمیہ لکھی ہے کہ جس وقت یونانیوں نے شہر پر یورش کی تو مسلم ابن عبداللہ یہاں شہید

بابِ نہم

ہوئے تھے۔ (جلد سوم، ۳۸۳) "انطاکیہ اور سمندر کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے۔ انطاکیہ کی بندرگاہ السویدیہ (ملاحظہ ہو، حصۂ دوم کتاب ہذا) کہلاتی ہے جہاں فرنگیوں کے جہاز پڑے رہتے ہیں۔ یہاں سے تجارت کا مال باربرداری کے جانوروں پر لاد کے انطاکیہ لاتے ہیں۔" (یاقوت، سوم ۳۸۵) اس کے آگے یاقوت شہر کی مختصر تاریخ اور مختلف محاصروں کے سنین دیتا اور اپنے بیان کو اس طرح ختم کرتا ہے:

"انطاکیہ میں حبیب النجار کا مقبرہ ہے جس کی زیارت کے لیے دُور دُور سے لوگ آتے ہیں۔ کہتے ہیں حبیب کسی دُور کے مقام سے آکے یہاں آباد ہوا اور دعوے الہام کے ساتھ لوگوں میں وعظ و تلقین کرتا تھا۔ (سوم، ۳۸۷)"

دمشقی کی تحریر حسب ذیل ہے:-

"ساحل کے شہروں میں انطاکیہ سب سے بڑا ہے۔ یہ یونانی حکومت کے زمانہ میں شام کا پایہ تخت تھا اور انھوں نے اس کا نام ازرہ تعظیم "مدینۃ اللہ" رکھ دیا تھا۔ یہ بہت قدیم شہر ہے۔ اس کے گرد بہت بڑی فصیل ہے۔ جس کے اندر چار پہاڑیاں بھی آگئی ہیں جن میں دسیع بن اور بلاغ موجود ہیں۔ حبیب النجار اسی جگہ کا رہنے والا تھا جس کا سورۂ یٰسین شریف (آیہ ۲۶) میں ذکر آتا ہے۔ یعنی یہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ الفاظ پکار پکار کے وہی کہتا تھا کہ:-

"یالیت قومی یعلمون۔ بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین"

کہتے ہیں اس حبیب کو مامور من اللہ بنا کے اس شہر میں بھیجا گیا تو لوگوں نے اس کا یقین نہیں کیا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ لیکن اس نے اپنا بریدہ سر ہاتھ کی ہتیلی پر اٹھا کر منقولۂ بالا الفاظ کہے اور تین دن تین رات وہ شہر کے گلی کوچوں میں اسی طرح یہ الفاظ پڑھتا پھرا۔" (دمشقی، ۲۰۶)

ابو الفدا مذکورۂ بالا بیانات کو بے تکلف نقل کرتا ہے مگر اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ ۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ یہاں آیا اور عام حالات

لکھنے کے بعد بیان کرتا ہے کہ یہ شہر وسیع کچھ مدت پہلے ہی سے کھنڈر ہو گیا تھا کہ سلطان بیبارس نے ۱۲۶۸ء میں نصاریٰ سے اسے چھینا تو تاراج و خراب کر دیا تھا۔ حبیب النجّار کے مقبرے کا ابن بطوطہ نے بھی ذکر کیا ہے اور شہر کے باغوں اور نواحی علاقے کی، جو رودِ عاصی سے سیراب ہوتا ہے، سرسبزی کی خوب تعریف کی ہے۔ (ابن بطوطہ جلد اول، ۱۶۲)؛

طرسوس

ابن حوقل ۹۷۸ء میں لکھتا ہے کہ "یہ بہت بڑا اور مشہور شہر ہے۔ اس کے گرد پتھر کی دُہری فصیل کھنچی ہوئی ہے اور چھاونی میں سوار و پیادہ دونوں قسم کے سپاہی متعین ہیں۔ گولہ بارود اور فوجی ذخائر بھی یہاں رکھے جاتے ہیں۔ پانی کی افراط ہے۔ شہر خوش وضع تعمیر کیا گیا ہے، خوب آباد ہے اور اجناس ارزاں ہیں۔ جبل لکام کی ایک شاخ اس شہر کے اور یونانی علاقے کے درمیان پھیلی ہوئی ہے اور گویا دو عالموں (: عالم اسلام و عالم نصرانیت) میں حدّ فاصل بن گئی ہے۔ طرسوس کی آبادی میں بہت سے صاحب فہم و ذکا، اہل علم و خرد افراد ہیں جو معاملات کو سمجھتے اور ایک خاص فکر و نظر رکھتے ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اس شہر میں عموماً ایک لاکھ سوار تعینات رہتے ہیں اور جب میں (= ابن حوقل) یہاں آیا تو قریب قریب اتنی ہی تعداد موجود تھی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سجستان، کرمان، فارس، خراسان و جبال، نیز طبرستان، وادی فرات و دجلہ آذربیجان اور العراق، الحجاز، الیمن، شام، مصر اور المغرب (مراکش) کی حدود میں کوئی بڑا شہر ایسا نہ ہوگا جس کی طرف سے طرسوس میں اپنے باشندوں کے واسطے ایک خاص رباط یا دار نہ ہو اور ان میں ہر مقام کے مجاہدین اور غازی آ کے (اپنے اپنے شہر کے دار میں) سکونت رکھتے ہیں

باب نہم

اور ایک دفعہ طرسوس پہنچ کے پھر یہیں چھاونی چھا لیتے ہیں۔ ان میں نماز و عبادات کو ادا کرنے کا خاص اہتمام ہے اور انھیں کثرت سے صدقات و عطایا بھیجے جاتے ہیں۔ مشکل سے کوئی امیر یا بادشاہ ایسا ہوگا جو اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ سوار یہاں نہ رکھتا ہو اور ارباب دول بطور خود مجاہدین مطوعین کو مسلح کرتے اور جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنے آپ کو وقف کیا ہے، ان کی امداد و اعانت کرتے ہیں ہر ملک میں جہاں میرا رہنا ہوا، میں نے دیکھا کہ اہل اقتدار و ثروت اپنے کھیتوں اور فصول و اجناس اور تجارتی اموال و املاک میں سے ایک حصۂ محصول کی سی باقاعدگی کے ساتھ، اس غرض کے لیے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ لیکن طرسوس کے مجاہدین گویا جان ہی دینے یہاں آتے ہیں اور کوئی سلامت واپس نہیں جاتا۔ وہ سب لڑائیوں میں شہید ہو جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہلے کوئی آیا ہی نہ تھا۔ آیۂ کریمہ:۔ "ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا" (سورۂ مریم) ان کے حال پر صادق آتی ہے۔" (اصطخری، ۴۶۔ ابن حوقل، ۱۲۲۔ ابوالفدا نے جزءً اسے نقل کیا ہے، ۲۴۹)"

بلاذری کہتا ہے کہ "طرسوس کو خلیفہ المہدی اور ہارون الرشید نے از سر نو بنوایا اور رشید نے اس کی قلعہ بندی اور چھاونی قائم کی۔" (۱۶۹، ابوالفدا، ۱۱۳)"

مسعودی لکھتا ہے کہ "خلیفہ المامون طرسوس میں مسجد جامع کی بائیں طرف دفن ہوا۔ طرسوس میں اول اول ۸ ہزار سپاہی رہتے تھے۔ اس میں باب الجہاد وہ دروازہ ہے جس کے راستے سے مجاہدین اسلامی کفار سے لڑنے کے لیے جایا کرتے ہیں۔" (ہفتم ۲۔ ہشتم ۷۲)"

ادریسی اطلاع دیتا ہے کہ "طرسوس ایک بڑا شہر ہے جس کی سنگین فصیل دوہری بنی ہوئی ہے۔ اس میں تجارت کے مال کی افراط ہے اور بہت آبادی ہے۔ اراضی نہایت زرخیز ہیں۔ اس کے اور یونانی علاقے کے درمیان جبل لکام حائل ہے جو مسیحیت اور اسلامی دنیا کے مابین ایک

باب نہم

دیوار کی مثل اٹھا ہوا ہے۔" ادریسی، ۲۵۰)

یاقوت لکھتا ہے کہ "طرسوس شام کے سرحدی قلعوں میں سے ایک شہر ہے۔ یہ اذنہ سے ۶ فرسخ کے فاصلے پہ واقع ہے۔ رُود بردان نے شہر کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ مامون الرشید کا مقبرہ یہاں نظر آتا ہے طرسوس و اذنہ کے شہروں کے درمیان بُغا اور فندوق الجدید (یعنی نئی سرا) کی سرائیں ہیں۔ طرسوس کی شہر پناہ دُہری خندق خوب چوڑی اور چھ دروازے ہیں۔ یہ سرحدی شہر ۳۵۴ھ (= ۹۶۵ء) تک مسلمانوں کے پاس رہا جس کے بعد یونانی بادشاہ نکفور (Nicephorus =) نے سرحدی قلاع اور المصیصہ کو فتح کر کے طرسوس کو گھیر لیا اور شہر والوں نے اطاعت قبول کر لی۔ مسلمانوں کو جو جانا چاہتے تھے، آزادی مل گئی کہ اپنا مال اسباب لے کے شہر سے چلے جائیں۔ جو رہ گئے تھے انھیں جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ مسجد جامع اور دوسری مسجدیں منہدم کر دی گئیں۔ قرآن مجید کے تمام نسخوں کو نکفور نے جلا دیا اور اسلحہ خانوں سے تمام ہتھیار بھی لے گیا۔ آج کے دن (= ۱۲۲۵ء) تک طرسوس اور نواح کا علاقہ کفار کے ہاتھ میں ہے۔"

(یاقوت، سوم ۵۲۶۔ مراصد، دوم، ۲۰۰)

دمشقی (۲۱۴) اور ابوالفدا (۲۴۹) مذکورۂ بالا بیانات میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

حصّہ دوم

فلسطین و شام کے مقامات کی فہرست

بہ ترتیب حروف انگریزی

شام و فلسطین کے مقامات کے نام بجائے خود ایک دلچسپ تاریخ کی کیفیت رکھتے ہیں کہ مختلف زمانوں میں جن جن اقوام یا ملل کا ارض مقدس پر تسلط رہا ہے، ان سب کے نقوش و آثار ان ناموں میں نظر آتے ہیں۔ کنعانی، یہودی، یونانی، رومی، بای زنطی، عرب و ترک غرض ہر قوم نے جو بستی بسائی یا از سر نو تعمیر کی، اس پر اپنا نام نقش کیا۔ جیسا کہ آئندہ اوراق پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوگا۔ لیکن بیرونی اقوام کے حملوں اور نو آبادیوں کے باوجود شام کی آبادی میں اکثریت ہمیشہ سامی نسل کے لوگوں کی رہی اور ابھی تک موجود ہے لہٰذا یہ قدرتی بات ہے کہ یہاں کے مقامات کے نام بھی اکثر و بیشتر سامی الاصل (یعنی عبرانی، ارامی، یا عربی زبانوں کے) ہیں نہ

ساتویں صدی (عیسوی) میں جب مسلمانوں نے یہ ملک فتح کیا تو یونانی زبان کے اکثر نام جنھیں یا بائزنطی (یا ان کے اسلاف رومی اور سکندر کے جانشین) بادشاہوں کے زمانے میں رائج کرادیا گیا تھا' متروک ہوگئے اور ان کی بجائے وہی قدیم سامی نام پھر جاری ہوگئے جو قرینہ کہتا ہے کہ ملک کی دیہاتی یعنی خالص سامی آبادی میں کبھی کلیتہً محو و فراموش نہ ہوئے تھے ۔

یونانی ناموں کی بجائے دوبارہ قدیم اور توراتی ناموں نے رواج تو پایا ۔ لیکن اس میں بعض مستثنیات بھی ہیں اور واقع میں اس سے بڑھکر عجیب بات کوئی نہ ہوگی کہ ظاہراً بغیر کسی وجہ یا سبب کے بعض قدیم نام تو آج تک بجنسہ وہی استعمال کئے جاتے ہیں اور بعض کو لوگ بالکل بھول بھال گئے ۔ جن شہروں کے نام یونانیوں نے بدلے اور مسلمانوں کی فتح کے بعد وہ دوبارہ اپنے سامی ناموں سے پکارے جانے لگے' ان کی چند مثالیں یہ ہیں :-

عکہ' جسے توراۃ میں "عکو" کہا گیا ہے ۔ یونانیوں نے اسے "تولمیس" کردیا تھا ۔

بیسان' توراتی نام "بیتشیان" یونانیوں نے "اسکیتھوپولس" نام رکھا تھا ۔

عمان جو شاہ داؤد کی لڑائیوں میں "رباط عمون" کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔ شاہ ٹالمی (بطلیموس) ثانی نے اسے دوبارہ بنوایا اور فلیڈلفیا نام رکھا تھا ۔

بیت جبریل' جوزی فس کا "بیت جبرا" ہے' جسے یونانی ایلیوتھروپولس پکارتے تھے ۔ اور اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں ۔

مذکورۂ بالا احیائے اسما میں ایک مستثنیٰ' (یعنی یہ کہ ایک قدیم مقام کا یونانیوں نے نام بدلا اور پھر مسلمانوں کے زمانے میں بھی قدیم عبرانی کی بجائے وہی یونانی نام ادنیٰ تغیر کے ساتھ جاری رہا اور پرانا نام بالکل

فراموش ہوگیا) تو راتی "شیکم" ہے جسے رومی بادشاہ ٹی ٹس نے از سر نو بنایا اور وہ "نیا پولس" کہلایا اور عربوں نے (اسلامی فتح کے بعد) بھی اسے "نابلس" ہی رہنے دیا جو رومی لفظ کے معرّب شکل ہے۔

خالص یونانی نام جو معرّب صورت میں اب تک باقی رہے اشتقاق کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ یعنی ایک تو وہ کہ دراصل یونان کے شہروں کے نام تھے اور متقدونیہ والوں نے شام و فلسطین میں بستیاں بسائیں تو ان نوآبادیوں کے نام اپنے وطن کی یاد میں وہی رکھدیئے۔ دوسرے نام وہ ہیں کہ سکندر کے جانشینوں نے کوئی نیا شہر آباد کیا یا پرانے کو از سر نو بنوایا تو سکندر یا سلوکس کے شاہی خاندان کے کسی فرد کے نام پر اسے موسوم کیا۔ پہلی قسم کے ناموں کی مثالیں یہ ہیں:-

قدیم یونانی	عربی (مروجہ)
ارتھسا	الرستن
کرسہوس	قورس
پلا	فہل

دوسری قسم کے ناموں میں بہت سے "الگزنڈریا" ہیں جو معرّب ہو کے اسکندریہ یا اسکندرونہ بن گئے۔ نیز "انتیوک" کہ انطاکیہ ہو گیا "لاودیکیا" اللاذقیہ اور "اپامیہ"، فامیہ یا افامیہ بن گیا۔

بانیاس (اصل نام، پان دیوتا کے مندر کے نام سے "پانیاس") طرابلس (ٹری پولس) اور نابلس (نیا پولس) ان دو قسموں میں سے کسی کے تحت نہیں آتے۔ لیکن ان کی اصلیت کا پتہ آسانی سے چل جاتا ہے۔ اسی طرح اللجون (لیجیو) طبریہ (ٹائی بریاس) اور بہت سی قیساریات (کیزریا پیلس ٹینا) کی رومی اصلیت کا پتہ چل جانا دشوار نہیں ہے۔

ایسے عربی نام جو حرف بحرف قدیم عبرانی ہیں، ان کی چند مثالیں کافی ہونگی کیونکہ قدم قدم پر ایسے نام ملتے ہیں۔ بعلبک، عثلیث اور اسی قسم کے

خالص سامی الفاظ بے شبہ نہایت قدیم ہیں گو ان کی عبرانی یا ارامی صورت توراۃ کے مجموعوں میں مذکور نہ ہو۔ عبرانی ناموں کے عربی میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ رہنے کی بے شمار مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم تلفظ میں کس بلا کی پائداری تھی کہ بعض اوقات جزئیات تک میں کوئی تغیر نہ ہوا مثلاً

عبرانی	عربی
مُاب	مآب
جے ریحو[1]	اریحا[1] نیز دیکھو صفحہ ۴۹۴
جو پا	یافہ
کدِس	کدش
اَشدد	ازدُود
افیکا	عفیق
گازا	غزّہ
اسکیلون	عسقلان

عام قاعدہ یہ ہے کہ حرف حلقی ع جو خاص سامی زبانوں کا حرف ہے، عبرانی سے عربی میں بحالہ ع رہتا ہے یا غ ہو جاتا ہے لیکن اسکیلون میں عبرانی کا الف عربی میں ع سے بدل گیا ہے اور یہ بھی ایک مستثنیٰ صورت ہے لیکن الف اور ع کا باہم مبادلہ خود عربی الفاظ میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ بارین کہ اس کا ع کے ساتھ بعرین بھی تلفظ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کبھی کبھی ہ مختفی یا ح حلقی کی بجائے بھی ع لاتے ہیں جیسے زرّہ سے زرع ہو گیا یا مکہ معظمہ میں حرم شریف کے ایک دروازے کا نام، جس کی نسبت یاقوت جتاتا ہے کہ اسے باب حظورہ یا عظورہ دونوں طرح بولتے اور لکھتے ہیں[2]۔

---

[1] دیکھو ضمیمہ : "عسقلان"

[2] " " : "بعرین" اور "زرّہ"

فہرست مقامات

العبادیہ - "دمشق کے قریب المرج کے ضلع کا ایک گاؤں ہے" (یاقوت - سوم ۵۹۹ - مراصد، دوم، ۲۳۱) تو

ابوا - "نابغہ کے کلام میں یہ شام کے کسی مقام یا پہاڑ کا نام ہے" (یاقوت اول، ۱۰۱ - مراصد - اول، ۱۷) تو

عبود - "شام کا ایک پہاڑ" (یاقوت سوم ۶۰۸ - مراصد، دوم، ۲۳۴)

آبل - "حمص کا ایک گاؤں جو شہر کے قریب ہی جنوب میں دو میل کے فاصلے سے واقع ہے" (یاقوت - اول، ۵۷ - مراصد اول - ۴) تو

آبل القمح (= گیہوں والا آبل) "بنیاس کے علاقے کا گاؤں ہے اور دمشق اور سمندر کے درمیان واقع ہے" (یاقوت - اول ۵۶ - مراصد - اول ۴) اس کو توراۃ کا "ابل بیت ماکہ" کہا جاتا ہے (2 Sam XX. 14) تو

آبل السوق - (بازار والا آبل) "غوطہ" (دمشق) کا ایک بڑا گاؤں وادی (= سوق بردا) کے پرگنے میں واقع ہے" (یاقوت اول، ۵۷ - مراصد اول، ۴) یہ قدیم ضلع ابی سین کا ابیلا ہے جس کا حضرت لوقا ولی کی انجیل میں ذکر آتا ہے تو (سوم - ۱) تو

آبل الزیت - (زیتون والا آبل) "شام کے مشرقی حصے کی ولایت اردن میں واقع ہے - نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت اسامہؓ کے

زیر قیادت اس پر مہم روانہ فرمائی تھی" (یاقوت۔ اول، ۵۶۔ مراصد، اول ۴) عبل، یعنی دکاپولس کے قدیم ابیلا کے موجودہ کھنڈر رود یرموک کے جنوب میں ملتے ہیں اور دکاپولس کے آثار باقیہ کی جی شماکر نے حال ہی مجلس زایرین فلسطین کے لئے پیمائش کی اور کیفیت لکھی ہے۔

اعبلین۔ ۱۰۴۷ء میں ناصر خسرو نے اس کی سیاحت کی "دامون سے ہم جنوب میں ایک دوسرے گانوں تک آئے جو اعبلین کہلاتا ہے اور ہود علیہ السلام کا یہاں مقبرہ ہے جس کی میں نے زیارت کی۔ اس کے احاطے میں ایک شہتوت کا درخت ہے اور عزیر علیہ السلام کا بھی یہاں مقبرہ ہے جس کی میں نے زیارت کی۔" (ناصر خسرو ۱۵) گوئرین اعبلین کو قدیم زبلون کا قائم مقام تصور کرتا ہے جسے سس ٹیس نے برباد کیا تھا۔ مسلمانوں کے ہود پیغمبر، توراۃ کے ابرہ ہیں۔ انھیں عہد قدیم کی قوم عاد کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا تھا اور جب اس قوم نے سرکشی کی اور بات نہ بنی تو گرم آندھی نے اسے ہلاک کر دیا (جیساکہ قران شریف میں مذکور ہے) عزیر علیہ السلام توراۃ کے ازرا یا اسدرا اس ہیں۔ قرآن شریف میں ان کی نسبت آیا ہے کہ یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں (سورہ توبہ آیہ ۳۰) اسلامی روایت کے بموجب حضرت عزیرؑ سو سال تک مردہ رہنے کے بعد پھر زندہ کئے گئے اور یہودیوں کی قید کے زمانے میں جو شریعت ضائع ہو گئی تھی، اس پورے قانون کو اپنے حافظے سے کاتبوں کو لکھوا دیا۔

الابرشیہ۔ "دمشق کا ایک گانوں" (مراصد، اوّل ۱۲۔ نیز یاقوت پنجم، ۱۱)۔

ابتر۔ "شام کا ایک مقام" (یاقوت اوّل ۸۷۔ مراصد، اول ۱۱)۔

عبود " ولایت فلسطین میں یروشلم کے قریب چھوٹی سی بستی ہے اصل
نام عبرانی تھا جسے معرّب کرلیا گیا" (یاقوت۔سوم ۵۸۳۔مراصد دوم
۲۲۵)۔

ادامی (بہ فتح یا ضمۂ اوّل) "شام کا ایک ضلع جو قبیلۂ قداعج کی
ملکیت ہے" (یاقوت۔اوّل ۱۶۷۔مراصد اول ۳۶)۔

اذنہ (= عدانہ) "اس شہر کو سنہ ۱۴۱ھ (= ۷۵۸ء) میں دوبارہ بنوایا
اور خراسان کے سپاہیوں کی یہاں چھاونی قائم کی گئی۔اذنہ کے بالا حصار اور
سیحان (قدیم رود سروس) کے پل کی تعمیر ہارون الرشید نے سنہ ۱۶۵ھ
(= ۷۸۲ء) میں کی تھی" (بلاذری ۱۶۸۔جسے یاقوت (اول، ۱۷۹) اور دمشقی
(۲۱۴) نے نقل کیا ہے۔اصطخری کہتا ہے کہ "یہ شہر نصف المصیصہ سے
بہت ملتا ہے۔سیحان، جس کے کنارے واقع ہے، اس کے مغرب سے
گزرتی ہے۔یہ خوشگوار بستی طرسوس جانے والے راستے پر واقع، خوب آباد
اور قلعہ بند ہے اور اس کی اراضی زرخیز ہیں" (اصطخری، ۶۳۔ابن حوقل
۱۲۲، ابوالفدا نے بھی اسی بیان کو نقل کیا ہے صفحہ ۲۴۹)۔
ادریسی لکھتا ہے "یہاں بازار ہیں اور بہت سے صناع رہتے
ہیں۔شہر میں بڑی آمد و رفت رہتی ہے۔نہر سیحان جس پر شہر واقع ہے،
جیحان سے چھوٹا ہے۔اس پر ایک پل نہایت عجیب طریق پر بہت
لمبا بنا ہوا ہے۔یہ ندی یونانیوں کے علاقے سے بہتی ہوئی آتی ہے"
(ادریسی۔۲۴)۔
"پل پتھر کا ہے اور بستی سے قلعہ تک لیجاتا ہے جو المصیصہ کی جانب
شہر کے باہر مضافات کی طرح الگ واقع ہے۔یہ یہاں سے وہاں تک
ایک ہی کمان پر قائم ہے۔شہر اذنہ کے آٹھ دروازے، ایک خندق اور
شہر پناہ ہے" (یاقوت، اوّل ۱۷۹) "پل ۱۷۰ اور کچھ درع لمبا ہے"۔

(دمشقی، ۲۱۴) ؎

آذنہ سے انطاکیہ ۳ میل (ابن حوقل و ادریسی) المصیصہ ایک دن کی راہ (اصطخری، ابن حوقل، ادریسی) یا ۴ فرسخ (یاقوت) یا ۱۲ میل (ابوالفدا) اور طرسوس ایک دن کی راہ (اصطخری)، ابن حوقل، ادریسی) یا ۱۸ میل (ابوالفدا کہے) ؎

عذرا۔ "غوطۂ دمشق، یا اقلیم خولان کا مشہور گانوں ہے "مرج عذرا" (یعنی عذرا کی چراگاہ) اسی سے موسوم ہے جہاں ثنیۃ العقاب سے پہنچتے ہیں۔ اور اس ثنیۃ (یا گھاٹی) کے اوپر سے گانوں بائیں پر نظر آتا ہے۔ یہاں مینار بنا ہوا ہے۔ گانوں کی مسجد میں تاڑ کا درخت ہے۔" (یاقوت سوم ۶۲۵ - مراصد، دوم ۲۴۳) ؎

اذرعاہ۔ (یالفتح یا بالکسر اوسط) "ولایت البثنیہ کا صدر مقام ہے" (یعقوبی ۱۱۳) اس بستی کو توراۃ کی اورعی، صدر مقام بش کے مرادف سمجھا گیا ہے (توراۃ: اعداد، بست و چہم، ۳۳) ؎

مقدسی لکھتا ہے کہ شہر اذرعاہ صحرا کے قریب واقع ہے۔ جبل جرش کا ضلع جو اردن کے پار جبل عاملہ تک چلا گیا ہے، اسی شہر کا علاقہ ہے اس علاقہ میں بہت سے دیہات ہیں اور طبریہ کی رونق انہی دو ضلعوں (: جبل جرش و جبل عاملہ) کی نواح میں ہونے کے باعث ہے۔" (۱۶۲) ؎

یاقوت کے قول کے مطابق (اول ۱۷۶) یہ شہر (تیرھویں صدی میں) اپنی کثرت علما کے باعث مشہور تھا۔ (نیز دیکھو مراصد، اول، ۳۹۔ اور ابوالفدا ۲۵۳) ؎

اذرعاہ سے دمشق تک ۴ دن (اصطخری - ابن حوقل - ادریسی - یاقوت) یا ۲ دن کی راہ ہے (مقدسی) طبریہ تک ایک منزل (مقدسی) الزرقیہ تک ایک منزل (مقدسی) عمان تک ۵۴ اور صنمین تک ۱۸ میل

کا فاصلہ ہے۔ (ابو الفدا) ؏

اذرح۔ ولایت الشراہ کا صدر مقام ہے (یعقوبی ۱۱۴) ؏
مقدسی کہتا ہے کہ "اذرح حجاز و شام کی سرحد کا مقام ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ اور کھال پر لکھا ہوا ایک معاہدہ جو آں سرور صلعم نے اس بستی کے لوگوں سے کیا تھا، محفوظ ہے" (۱۷۸) ؏
یاقوت نے اذرح کو الجرباء کے ساتھ جو اس سے ایک میل کے قریب واقع تھا، ملا دیا ہے۔ یہ دونوں حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں فتح ہوئے (سنہ ۹ھ) اور اذرح نے سو دینار خراج پر اطاعت قبول کی۔ (یاقوت۔ اول ۱۷۴۔ مراصد، اول، ۳۹) ؏

عدلون یا عذنون۔ "صور و سرفند کے درمیان، سرفند سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر، ساحل کا مضبوط قلعہ ہے" (ادریسی، ۱۲) قدامہ نے قدیم تر ہجے "عدنون" تحریر کئے ہیں ؏
یاقوت لکھتا ہے کہ "عذنون" ساحل دمشق پر صیدا کے توابع میں ہے" (سوم، ۶۲۶۔ مراصد، دوم، ۲۴۳) ؏
قیاس چاہتا ہے کہ یہ نام "ایڈ نم" (یعنی "نویں میل پر") کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔ بہرحال، اسے اسٹریبو کا "اورنی تھوپولس" سمجھا جاتا ہے ؏

افامیہ یا فامیّہ (= اپی فانیہ) یعقوبی سنہ ۸۹۱ء میں تحریر کرتا ہے کہ "یہ ایک قدیم یونانی شہر ہے جو اب ویران پڑا ہے۔ ایک بڑی جھیل کے کنارے واقع ہے" (یعقوبی ۱۱۱) ؏
اس جھیل کے متعلق دیکھو صفحہ ۸۳) یاقوت کے زمانے (تیرھویں صدی) میں غالباً یہ قلعہ بند کر دیا گیا تھا اور اس نام کا ضلع ولایت حمص میں داخل

تھا۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ اسے سلیوکس نے بنایا اور اسی نے سکندرِ اعظم کی وفات کے ۶ برس بعد حلب سلوکیہ اور لاذقیہ کی بنا ڈالی" (یاقوت۔ اوّل ۳۲۲۔ مراصد، اوّل ۹۷)۔

پھر یاقوت ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "فامیہ یا افامیہ اسی نام کے ضلع میں بڑا شہر ہے۔ یہ ولایت حمص کے ساحلی حصّے میں واقع ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اسے امان دے کے ۱۷ھ (= ۶۳۸ء) میں فتح کیا اور جزیہ و خراج کی شرط عائد کی" (سوم، ۸۴۶، مراصد دوم ۳۳۲)۔

ابوالفدا کے زمانے (یعنی چودھویں صدی عیسوی) فامیہ، شیزر کے ضلع میں داخل ہو گیا تھا۔ "اسے افامیہ بھی کہتے ہیں، بہت قدیم شہر ہے اور ضلع بھی اسی شہر کے نام سے موسوم تھا۔ قدیم شہر بلندی پر واقع ہے اور اس کے قریب میٹھے پانی کی جھیل ہے جس میں سے نہر مقلوب ہو کے گزرتی ہے" (ابوالفدا، ۲۶۲)۔

افیق یا فیق: "ایک قصبہ ہے جس کے قریب مشہور درۂ عقبہ واقع ہے" (یعقوبی ۱۱۵) یہ توراتی "افک" (ملوک بستم، ۲۶) ہے۔ عقبہ اس درے یا چڑھائی کا نام ہے جو دمشق و بیت المقدس کی شارع عام میں آتی ہے اور حوران کی سطح مرتفع سے وادی اُردن کو لیجاتی ہے۔

"افیق، غور اردن کے راستے پر، علاقۂ حوران کا گانوں ہے۔ یہ مشہور درہ افیق کے سرے پر واقع ہے اور یہ درہ ۲ میل لمبا ہے۔ عوام اس کا فیق تلفظ کرتے ہیں۔ اور یہاں سے طبریہ اور جھیل نیچے نظر آتی ہے میں بارہا اس جگہ گیا ہوں" (یاقوت، اول۔ ۳۳۲۔ سوم۔ ۹۳۲، مراصد اوّل، ۸۲۔ دوم ۳۷۳)۔

عقبۂ فیق سے جاسم تک ایک منزل (= مقدسی) یا ۲۴ میل (ابن خلدون)۔ نوا تک ایک منزل (مقدسی) طبریہ تک ایک منزل (اصطخری، ابن حوقل، مقدسی) یا دن کے ایک جزو کی مسافت (ادریسی)

یا ۶ میل (ابن خلدون) کا فاصلہ ہے ؎

افلیلا ۔ "شام کا ایک گانوں ہے ۔ متنبی کا ایک مشہور شاسح اسی جگہ کا رہنے والا تھا جو ۱۴۱ھ میں فوت ہوا" (یاقوت ۔ اول ۳۳۲ ۔ مراصد ۔ اول ۸۲) ؎

عفرہ ۔ "ولایت فلسطین میں یروشلم کے قریب کا ایک قلعہ" (یاقوت سوم ۶۸۸ ۔ مراصد دوم ۔ ۲۶۴) ؎

عفربلا ۔ "بیسان وطبریہ کے قریب اُردن غور (یعنی نشیبی علاقے) کا ایک مقام" (یاقوت ۔ سوم، ۶۸۸ ۔ مراصد، دوم، ۲۶۴) ؎

الاحص وشبیث ۔ "ایک بڑے پرگنے کا نام ہے جس میں بہت سے گانوں اور مزرعے ہیں ۔ اس کا علاقہ حلب کے جنوب اور شمال دونوں طرف پھیلا ہوا ہے ۔ صدر مقام خناسرہ ہے جہاں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رہا کرتے تھے ۔ شبیث، اس علاقے کے ایک کالے پہاڑ کا نام ہے جس کی بلندی پر چار ویران موضع اہل حلب کی ملکیت ہیں ۔ انکی نواح میں پن چکیاں ہیں" (یاقوت ۔ اوّل ۔ ۱۵۱؛ مراصد ۔ اوّل، ۳۱) ؎

ابو الفدا لکھتا ہے کہ "الاحص ایک پہاڑی قطعہ ہے جس میں بہت سے دیہات آباد ہیں ۔ یہ حلب کے مشرق میں، حلب اور خناسرہ کے درمیان واقع ہے اور خود خناسرہ اس کے بھی مشرق میں ہے ۔ شبیث احص کی نسبت چھوٹا پہاڑ ہے اور اس کے مشرق میں واقع ہے ۔ ان دونوں کے درمیان گھوڑے کی ایک دوڑ کے برابر چوڑی وادی ہے جس میں خناسرہ آباد ہے" (ابو الفدا ۔ ۲۳۳) ؎

الاحقاف - "شام کا ایک پہاڑ" (یاقوت - اوّل - ۱۵۴ - مراصد، اوّل ۳۱) ٹو

عجا - "جاسم کے قریب علاقہ حوران کا ایک گانوں" (یاقوت سوم - ۵۰۷ - مراصد - دوم - ۲۹۱) ٹو

عین - "جبل لکام کے دامن میں مرعش کے قریب، ایک گانوں ہارونیہ جانے والا راستہ اسی کے نام پر درب العین کہلاتا ہے۔ چھوٹا سا پرُلطف موضع ہے اور المصیصہ کی (بیرونی) گڑھیوں میں شمار ہوتا ہے" (یاقوت - سوم - ۷۵۶ - مراصد، دوم - ۲۹۳) ٹو

عین جالوت - "نابلس اور بیسان کے درمیان، ولایت فلسطین کا خوش فضا، چھوٹا سا قصبہ۔ رومی (نصاریٰ) نے حروب صلیبیہ کے زمانے میں اس کو فتح کر لیا تھا اور دوبارہ صلاح الدینؒ نے ان سے ۵۷۹ھ (= ۱۱۸۳ء) میں چھینا" (یاقوت - سوم - ۷۶۰ - مراصد - دوم، ۲۹۵) ٹو

عین الجر - "یہ مقام بعلبک اور دمشق کے درمیان میدان بقاعہ میں واقع ہے۔ مشہور جگہ ہے اور روایت کی جاتی ہے کہ حضرت نوحؑ اسی جگہ اپنی کشتی میں سوار ہوئے تھے" (یاقوت - سوم - ۷۶۰ - مراصد دوم، ۲۹۵) ٹو

ابو الفدا لکھتا ہے کہ "یہاں سنگین عمارتوں کے بہت سے کھنڈر ہیں۔ بعلبک سے ایک کرّے میل کے فاصلے پر ہے۔ وہ بڑی ندی جو بقاعہ سے گزرتی اور لیطنی کہلاتی ہے، اسی عین الجر سے نکلی ہے" (۲۳۰) ٹو

عین الجر کو آج کل الجز کہنے لگے ہیں۔ اسی کے قریب کالکیس ایڈ بیلم

کے کھنڈر رہیں "

عین الجر سے قرعون تک ایک منزل اور بعلبک تک بھی ایک منزل ہے (مقدسی)"

عین سلیم یا عین سیلم۔ "حلب سے تین میل کے فاصلے کا ایک موضع ہے۔" (یاقوت سوم - ۷۶۲ - مراصد - دوم ۲۹۶)"

عین الصلور - "یاقوت لکھتا ہے کہ "صلور" اصل میں ایک مچھلی ہے جسے شام کی بولی میں "الجری" بھی کہتے ہیں۔ عین الصلور انطاکیہ کے قریب واقع اور اسی مچھلی کے نام سے، جو دوسری مچھلیوں کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں اس چشمے کے اندر رہتی ہے، موسوم ہے۔ عین الصلور اور اس کے قریب کی جھیل خلیفہ عبدالملک کے بیٹے مسلمہ کی جاگیر میں تھی جھیل کو بحیرۂ یغرا بھی کہتے ہیں۔" (یاقوت - سوم - ۷۶۲ - مراصد دوم ۲۹۶)"

عین تاب - "یاقوت لکھتا ہے کہ "یہ مورچہ بند حصار، حلب و انطاکیہ کے درمیان واقع ہے اور اس کے گرد دیہات ہیں جن میں دلوق بھی ہے اور عین تاب پہلے اسی نام سے موسوم ہوتا تھا مگر اب دلوق اس کے توابع میں اور خود عین تاب حلب کا علاقہ ہے۔" (یاقوت - سوم ۷۵۹ - مراصد - دوم - ۲۹۴)"

دمشقی چودھویں صدی کے ابتدائی حصے میں تحریر کرتا ہے کہ "عین تاب" حلب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس جگہ مضبوط قلعہ بنا ہوا ہے۔ باشندے ترکمان ہیں قریب چھوٹی سی ندی، آس پاس باغ ہیں۔" (دمشقی، ۲۰۵)"

ابو الفدا کے قول کے مطابق "عین تاب" ولایت قنسرین میں داخل اور نہایت خوشنما بستی ہے جس میں ٹھوس چٹان پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے۔ یہاں افراط سے پانی اور باغ ہیں اور اپنے پرگنے کا صدر مقام ہے

یہاں کی منڈیاں بہت اچھی اور ان میں سیاحوں اور سوداگروں کی خوب آمد و رفت ہے۔ یہ حلب کے شمال میں تین منزل پر واقع ہے۔ عین تاب کے قریب دلوق اب ویران ہو گیا ہے۔ قلعات الروم سے عین تاب جنوب میں تین منزل پر ہے اور بہنسا سے جنوب مشرق کی طرف اس کا اتنا ہی فاصلہ ہے۔" (ابوالفدا۔ ۲۶۹)

عین ثرما ۔ "غوطۂ دمشق کا ایک گانوں" (یاقوت۔ سوم۔ ۷۵۹۔ مراصد۔ دوم۔ ۲۹۴۔ مگر اس کتاب میں اس کا املا عین توما تحریر ہے)

عینون ۔ "یروشلم کے قریب، جنوب کا ایک گانوں" (یاقوت سوم، ۷۶۴۔ مراصد۔ دوم، ۲۹۸)
جیسا کہ آگے آتا ہے، اسے بیت عینون بھی کہتے ہیں۔ مقدسی کے قول کے مطابق (صفحہ ۱۸۰) یہاں کی عینونی کشمش بہت مشہور ہے۔

عینون یا عین اُنا "یہ ولایت بثنیہ کے جنوب میں، مدین اور الصلا کے درمیان بحرِ قلزم کے کنارے کا ایک گانوں ہے۔ مصر و مکۂ معظمہ کی شارعِ عام یہاں سے گزرتی ہے" (یاقوت۔ سوم۔ ۷۵۸ و ۷۶۵) یہ قدیم اگرنی ہے جسے بطلیموس نے می ڈین کی بندرگاہ بتایا ہے۔

عین زربہ ۔ (صلیبیوں کا "اناز ربس") بلاذری کا بیان ہے کہ اسے ہارون الرشید نے تعمیر کیا اور ۱۸۰ھ (= ۷۹۶ء) میں قلعہ بندی کر کے خراسان کی فوجوں کی چھاؤنی قائم کی۔" (بلاذری، ۱۷۱ نقل کردہ ابوالفدا، ۱۱۳ و یاقوت۔ سوم ۷۶۱)
اصطخری لکھتا ہے کہ یہ بستی ایسے پست علاقے میں واقع ہے جو غور اردن سے بہت ملتا ہے۔ یہاں تاڑ کے درخت اور ہر قسم کا میوہ ہوتا ہے۔

زمینیں زرخیز اور مزروعہ اور چراگاہیں ہیں۔ قصبے کے گرد بہت اچھی شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔" (اصطخری ۶۳ - ابن حوقل ۱۲۱ - نقل کردہ ادریسی ۲۴ و ابوالفدا، ۲۳۴) ؎

یاقوت، تیرھویں صدی میں اسے ولایت ثغور کا قصبہ اور المصیصہ کا تابع بتاتا ہے۔ "اسے ابوسلیمان الترکی الخادم نے سنہ ۱۹۰ھ (سنہ ۸۰۶ء) کے قریب آباد کیا جب کہ وہ خلیفہ الرشید کے عہد میں ثغور کا والی تھا۔ بعد میں رومیوں (= صلیبیوں) نے اس پر قبضہ کیا اور تاراج کر ڈالا۔ سیف الدولہ ابن حمدان نے اسے از سرِ نو تعمیر کرنے پر تیس لاکھ درہم خرچ کئے لیکن رومیوں نے اسی کے عہد میں دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا (سنہ ۹۶۳ء) اور اب تک انہی کے ہاتھ میں ہے۔ آج کل اس میں ارمن بستے ہیں۔" (یاقوت۔ سوم ۷۶۱۔ مراصد۔ دوم۔ ۲۹۵) ؎

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "عین زربہ ایک پہاڑی کے دامن میں آباد ہے جس کی چوٹی پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ یہ قصبہ خوب آباد ہے اور ایک ندی سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ سیس و تل حمدون کے درمیان رودِ جیحان کے شمال میں واقع ہے اور اس طرح خود یہ ندی تل حمدون اور اس کے درمیان بہتی ہے۔ عین زربہ جنوب کی طرف بلکہ ذرا مغرب کو ہٹا ہوا، سیس سے ایک چھوٹی منزل کے فاصلے پر ہے۔ لوگ نام بگاڑ کے اسے ناورزا کہنے لگے ہیں مہلبی سیس سے عین زربہ کا فاصلہ ۴ میل بتاتا ہے اور ٹھیک یہی فاصلہ سیس و ناورزا کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عین زربہ اور ناورزا ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔" (ابوالفدا، ۲۵۱) ؎

عین زربہ سے مصیصہ ایک منزل (اصطخری - ابن حوقل، ادریسی) اور انطاکیہ دو منزل (ادریسی) ہے ؎

عیشہ۔ "شام کا ایک ضلع" (یاقوت۔ سوم ۷۵۰۔ مراصد۔ دوم۔ ۲۹۱) ؎

عجب ۔ "شام کا ایک مقام جس کا شعرا ذکر کرتے ہیں" (یاقوت ۔ سوم ۶۱۷ ۔ مراصد ۔ دوم ۲۲۸) ؎

اَجَسم ۔ "حلب کے ہمسائے میں' الفرادیس کے قریب شام کا ایک مقام" (یاقوت ۔ اوّل ۱۳۵ ۔ مراصد ۔ اول ۲۷) ؎

عجلون ۔ "دمشقی کہتا ہے کہ "اقلیم (یا ضلع) جرش کا ایک قصبہ عجلون ہے جہاں نہایت مستحکم قلعہ بنا ہوا ہے ۔ قصبے میں آب رواں ہے اور ہر قسم کے اثمار و اجناس کی افراط ہے ۔ قلعہ بہت بلندی پر ہے اور یہاں سے چار منزل تک دور کی چیزیں نظر آتی ہیں" (دمشقی ۲۰۰)

آج کل اس قلعے کو قلعۃ الربد کہتے ہیں یعنی مضافات کا قلعہ ۔ جنوبی اُردن کے ضلع میں یہ نہایت نمایاں بلند مقام ہے ؎

ابوالفدا چودھویں صدی میں تحریر کرتا ہے کہ "عجلون قلعے کا نام ہے اور اس کی آبادی (یعنی اصل بستی) الباعوثہ کہلاتی ہے جو قلعے سے گھوڑے کی ایک دوڑ کے فاصلے پر ہے ۔ یہ بیسان کے مقابل غور کے مشرق میں واقع ہے ۔ قلعۂ عجلون مشہور و معروف اور کمال مستحکم حصار ہے ۔ یہ بیسان سے نظر آتا ہے ۔ قصبے میں باغ اور آب رواں موجود ہے ۔ بیسان سے مشرق کی طرف' صلاح الدین کے ایک امیر عزالدین اسامہ نے اسے حال میں از سر نو تعمیر کرایا ہے" (ابوالفدا ۲۴۵) ؎

۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے اس مقام کی سیر کی اور اس کی نسبت کہتا ہے کہ "یہ خوب بستی ہے جہاں کی منڈیاں اچھی اور قلعہ مضبوط ہے ۔ ایک چشمہ قصبے کے اندر سے گزرا ہے اور پانی میٹھا اور اچھا ہے" (ابن بطوطہ' اوّل ۱۲۹) ؎

اجنادین ۔ ۱۳ھ (۶۳۴ء) کی مشہور جنگ کا میدان ۔

یہ جنگ فلسطین کے ضلع بیت جبرین ہیں الرملہ کے قریب ہوئی تھی" (یاقوت۔ اول ۱۳۶ - مراصد، اول، ۲۷) ؎
یونانیوں اور سب سے پہلے مسلم فاتحوں کے درمیان اس مشہور جنگ کا ٹھیک مقام صحت کے ساتھ تعین نہیں ہو سکا ؎

عقبات النسا۔ "المصیصہ کی سڑک پر البغرس کے قریب واقع ہے۔ خلیفہ عبدالملک کے بیٹے مسلمہ کی ایک بیوی کو عموریہ کی مہم کیوقت یہ حادثہ پیش آیا کہ وہ کھڈ میں گر پڑی۔ اسی سے یہ نام (یعنی عورت کا درہ) پڑ گیا" (یاقوت، سوم، ۶۹۲) ؎

عقبات الرّمان یا الرمادی۔ "بعلبک اور دمشق کے قریب ایک درہ" (الیعقوبی ۱۱۲) ؎

عقبات السیر۔ "تغور میں الحدث کے قریب کے ضلع کا ایک درہ" جو بہت تنگ اور طویل ہے" (یاقوت سوم" مراصد۔ دوم) لیکن مراصد میں اس کی املا الشیر لکھی ہے ؎ (صفحہ ۲۶۵) ؎

الاخرجیہ: "شام کا ایک مقام جس کا الجریر شاعر نے ذکر کیا ہے (یاقوت، اول۔ مراصد۔ اول) ؎

الاخوانہ: "ولایت اردن، جھیل طبریہ کے کنارے کا ایک مقام (یاقوت، اول۔ مراصد۔ اول)

عقیر۔ (ایجرون) المقدسی لکھتا ہے کہ" یہ ایک بڑا گاؤں ہے جس کی مسجد بہت خوب ہے۔ یہاں کے لوگ اعمال حسنہ کے بہت شائق

ہیں۔ اس جگہ سے بہتر روئی کہیں نہ ملتی ہوگی۔ الرّملہ سے مکۂ معظمہ جانیوالی سڑک کے کنارے واقع ہے (۱۷۶) یاقوت اسے العقیر کہتا ہے کہ یہ الرّملہ کی ملکیت ہے (سوم ۶۹۷۔ مراصد۔ دوم)؎

حصن عقّار۔ "آغاز اسلام کا بنا ہوا ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ پانی کی ایک نہر جو اوپر کی پہاڑیوں سے نکالی گئی ہے سیدھی قلعے میں آتی اور پینے اور خانہ داری کی ضرورتوں کے لیے کافی ہوتی ہے" (دمشقی ۲۰۸) جبل عقار کا ضلع طرابلس کے شمال میں اس سے ملا ہوا ہے؎

الاقلیم۔ "دمشق کی نواح کا ایک ضلع" (یاقوت۔ اول۔ مراصد اوّل)؎

اقمیناس۔ "ولایت حلب کا ایک بڑا گاؤں جبل السمّاق میں واقع ہے یہاں کے باشندے اسمٰعیلی ہیں" (یاقوت۔ اول۔ مراصد اول)

عقربا۔ "دمشق کی ولایت جولان کا ایک قصبہ۔ قدیم ملوک غسان کا مسکن تھا" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم)؎

حصن الاکراد۔ (= کردوں کا قلعہ (Cracdeschevaliers)

۵۸۰ھ میں سیاح ابن جبیر نے اسے دیکھا تھا۔ لکھتا ہے کہ "کوہستان لبنان کا ایک قلعہ جو آج کل فرنگیوں کے قبضے میں ہے" (ابن جبیر۔ ۲۵۷)؎ دمشقی لکھتا ہے کہ "حصن الاکراد ناقابل تسخیر قلعہ ہے اور ولایت دمشق اور ساحلی ضلعے کے خط فاصل پر واقع ہے۔ دمشق، تارا، البنق اور بعلبک بلکہ ساحل تک کا علاقہ یہاں سے نظر آسکتا ہے (صفحہ ۲۰۸)؎

اس کے چند سال بعد کی تحریر میں ابو الفدا اسے حلب کے بالمقابل

جانب مغرب ایک مضبوط قلعہ بتاتا ہے جو (کوہستان لبنان کی شاخ موسومہ) جبل جلیل کے اوپر واقع ہے۔ یہ طرابلس اور حمص کے درمیان دونوں سے ایک ایک منزل کی مسافت پر ہے۔ قلعے کے باہر بھی اس کی آبادیاں ہیں۔ مسلمانوں کی تسخیر طرابلس (سنہ ۱۱۱۱ء) سے پہلے ان کا صدر مقام یہی (حصن الاکراد) تھا۔" (۲۵۹) ؎

اس قلعے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سالہا سال تک یہاں کرد سپاہیوں کی چھاؤنی رہی اسے قلعۃ الحصن بھی کہتے ہیں اور حروب صلیبی کے زمانے میں "کریک دی شوی لیئر" کہلاتا تھا۔ سنہ ۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے اس کی سیاحت کی اور اسے "ایک چھوٹی بستی" بتایا جہاں "اشجار و انہار کی کثرت ہے اور قلعہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔" (ابن بطوطہ۔ اول، ۱۴۰) ؎

اکسال۔ "ولایت اردن کا ایک گاؤں جو الرملہ کی طرف طبریہ سے ۵ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ رودِ ابو فطرس اس کی نواح میں بہتی ہے۔" (یاقوت۔ اوّل ۳۴۲) مراصد میں اسے اکساک (ک سے) املا کیا ہے۔ (اول ۸۵) ؎

الاکواخ۔ "ولایت دمشق میں بانیاس کا ایک پرگنہ۔" (یاقوت اول۔ مراصد اول) ؎

العال۔ "ولایت بثنیہ میں غور اردن اور جبل الشراہ کے درمیان ایک بلند پہاڑ ہے" (یاقوت۔ سوم، ۷۱۲) صاحب مراصد اسے الصلع کے اوپر العقد اور جبل الشراہ کے درمیان بتاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ العال توراۃ کا الیالہ ہو (اعداد سی و دوم، ۳) جس کا موقع عمان کے جنوب میں وہ ہے جسے آج کل خربت العال کہتے ہیں ؎

عالقین۔ "دمشق کے باہر ایک گاؤں" (مراصد۔ دوم) ؎

العلہ۔ "حلب و حماۃ کے درمیان، صحرا کی طرف معرۃ النعمان کا ایک بڑا کورہ یا ضلع جس میں بہت سے دیہات ہیں۔" (یاقوت سوم مراصد دوم) ؎

العلاتان۔ "شام میں حمص کا ایک کورہ۔" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم) ؎

الوس۔ "ابو سعد کہتا ہے کہ یہ طرسوس کے قریب ساحلی بستی ہے۔ لیکن غالباً یہ اس کا سہو ہے۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول) ؎

امر۔ "حجاز کی شاہراہ پر، صحرائے شام کا ایک مقام۔ یہ سیطرگی سڑک کے شمال میں واقع ہے۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول) ؎

العمق یا العُمق۔ "دلبق کے قریب حلب کا ایک کورہ ہے جو پہلے انطاکیہ کے علاقے میں داخل تھا اور شہر انطاکیہ کی اکثر اجناس یہیں سے جاتی تھیں۔" (یاقوت سوم۔ مراصد دوم) حروب صلیبی کے زمانے میں اسے "میدان انطاکیہ" کہتے تھے۔ ۷۵۵ھ میں ابن بطوطہ یہاں سے گزرا اور لکھتا ہے کہ یہ "انطاکیہ، تزین اور بغراس سے مساوی فاصلے پر واقع ہے۔ فرنگیوں کے ساتھ یہاں ترکمان آباد ہیں۔" (اول ۱۶۵) یہ نام کبھی کبھی جمع کی صورت میں "الاعماق" بھی آیا ہے۔" (یاقوت۔ اول ۳۱۶۔ مراصد، ،) ؎

عمان۔ Rabbath, Ammon, Philadelnhia. ولایت بلقا کا صدر

مقام ہے" (یعقوبی۔ ۱۱۳) مقدسی ۳۷۵ھ میں لکھتا ہے کہ "عمان، صحرا کے کنارے واقع ہے اس کے گرد بہت سے گاؤں اور غلّے کے کھیت ہیں ضلع بلقا جس کا یہ صدر مقام ہے مویشی اور غلّے کی پیداوار سے مالا مال ہے بہت سے چشمے بہتے ہیں جن کے پانی سے چکیاں چلتی ہیں۔ بستی میں منڈی کے قریب ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے جس کے صحن میں رنگین چوکوں کا فرش ہے۔ ہم نے لوگوں کو کہتے سنا کہ یہ مکّہ معظمہ کی مسجد سے مشابہ ہے۔ شہر پر جو پہاڑی سایہ زن ہے اس کے اوپر جالوت کا قصر اور شہر میں اوریا[1] کا مقبرہ اور اس پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ اسی جگہ ملعب سلیمانؑ (یعنی حضرت سلیمان کی تماشا گاہ) ہے۔ یہاں کی معاشرت سستی، میوے کی افراط ہے دوسری طرف، یہاں کے لوگ ناخواندہ اور ادھر جو راستے آتے ہیں وہ تکلیف دہ ہیں۔ تاہم یہ بستی گویا صحرا میں ایک قیام گاہ اور بدوی عربوں کیواسطے ایک مامن ہے" (مقدسی، ۱۷۵۔ نقل کردہ یاقوت سوم، ۶۰۷، قبر اوریا اور قصر جالوت سے مراد، ہو بہو، بالاحصار کی چھوٹی مسجد سے ہے اور یہ بالاحصار شہر کے اوپر چھایا ہوا ہے۔ ملعب سلیمان قدیم تماشا گاہ ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ چھ ہزار تماشائیوں کی نشست کی جگہ تھی۔

یاقوت، عمان کو ایک جگہ دقیانوس کا شہر بتاتا ہے۔ یعنی اس بادشاہ کا جس کے عہد میں اصحاب کہف غار میں داخل ہوئے تھے (جلد، سوم، ۷۰۹۔ مراصد۔ دوم۔ ۲۷۸) جس کا اوپر ذکر آچکا ہے (صفحہ ۰۰۰) اس کے بعد یاقوت نے حضرت لوطؑ کے سدوم و عمورہ سے ہجرت کرنے کے متعلق توراۃ کا یہ افسانہ بھی نقل کیا ہے کہ۔

"یہودیوں کے ایک عالم نے بیان کیا کہ میں نے ایک صحیفۂ آسمانی میں پڑھا ہے کہ جس وقت لوطؑ اپنے کنبے کو لیکر سادوم اور وہاں کے باشندوں

---

[1] ۔ اسلامی روایات جو اوریا کے متعلق مشہور ہیں انھیں ویل نے اپنی "قاموس قصص اسلامی" میں جمع کر دیا ہے۔

کو چھوڑ کر نکلے، تو آنحضرتؐ کی بیوی نے مڑ کر دیکھ لیا اور نمک کا ستون بن کے رہ گئی۔ لیکن وہ برابر زغر[1] تک چلے گئے اور ان کے اور ان کے بھائی اور دو بیٹیوں کے سوا (اس قوم کا) کوئی فرد سلامت نہ رہا۔ تب ان لڑکیوں نے یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو ہلاک کر دیا، آپس میں مشورہ کیا کہ ان کے باپ اور چچا کی اولاد کس طرح باقی رکھی جائے پھر انھوں نے دونوں کو شراب پلائی اور ان کے ساتھ سوئیں اور حاملہ ہو گئیں اور ان دونوں مردوں کو مطلق خبر نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ پھر ایک کے جو بیٹا ہوا اس کا نام عمّان رکھا یعنی "وہ جو عم سے ہے" اور دوسری نے اپنے بیٹے کو مآب موسوم کیا یعنی "وہ جو باپ (اب) کے نطفے سے ہے"۔ یہ دونوں لڑکے جب جوان ہوئے تو ہر ایک نے شام میں ایک شہر بسایا اور اپنے نام پر اس کا نام رکھا اور یہ دونوں شہر (= عمّان و مآب) صحرائے شام میں ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں"۔

ابوالفدا نے ۱۳۲۱ء میں عمّان کی نسبت حسب ذیل عبارت لکھی ہے:-

"یہ بہت قدیم بستی ہے اور عہد اسلام سے قبل اجڑ گئی تھی۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس کا تذکرہ ملتا ہے اس میں دُور تک کھنڈر پڑے ہیں اور الزرق ندی ان میں سے گزرتی ہے جو آگے جا کے دمشق و مکہ معظمہ کے راستے کو کاٹتی ہے۔ خود عمّان، برکہ زیزا سے جانب شمال ایک دن کی راہ پر زرق کے مغرب میں واقع ہے۔ عمّان میں بطم (تارپین کا درخت) اور دوسرے درختوں کی کثرت ہے۔ اس کے چاروں طرف کھیت ہیں اور زمین نہایت زرخیز ہے۔ روایات کے بموجب حضرت لوطؑ نے اس شہر کو آباد کیا تھا" (ابوالفدا - ۲۴۷)۔

عمّان سے رُودِ اردن تک ایک منزل (مقدسی) بیت الرام

[1] متن میں غلطی سے "زفر" لکھا ہوا ہے۔

مآب اور زرق تک ایک ایک منزل (مقدسی) اور بیت المقدس تک دو دن کی راہ ہے (ادریسی) ؎

عموریہ[1] - "افامیہ اور شیزر کے درمیان رودِ عاصی کے کنارے چھوٹا سا قصبہ ہے - یہاں آثار قدیمہ اور پن چکیاں ہیں" (یاقوت - سوم مراصد - دوم) ؎

عمتا - "ولایت اُردن اور زمین غور کا ایک قصبہ - یہاں فاتح شام حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح کی قبر ہے اگرچہ بعض لوگ اسے طبریہ میں بتاتے ہیں - عمان سے عمتا تک جو وسط غور میں واقع ہے ۱۲ فرسخ اور وہاں سے طبریہ تک اسی قدر فاصلہ ہے - یہاں تیر بہت خوب بنتے ہیں" (یاقوت - سوم - مراصد - دوم) ؎

عموس "بیت اللحم کے قریب چھوٹا سا قصبہ، یروشلم کے توابع میں ہے" (یاقوت - سوم - مراصد - دوم)

عمواس (Emmaus Nicopolis) "فلسطین کا ایک قصبہ" (یعقوبی، ۱۱۶)

مقدسی عمواس کے بارے میں لکھتا ہے کہ "کہتے ہیں قدیم زمانے میں یہ ولایت کا صدر مقام تھا لیکن یہاں کے باشندے کچھ تو ساحل کے قریب اور بیشتر میدانی علاقے میں چلے گئے کہ کنوؤں سے پانی لینے میں آسانی ہو - کیونکہ یہ موضع پہاڑی علاقے کی سرحد پر واقع ہے" (۱۷۶)

"یاقوت اسے "یروشلم کے قریب، ولایت فلسطین میں بتاتا ہے"

---

[1] قدیم فرجیہ کے "اموریم" کی عربی شکل ہے - م پر تشدید بھی پڑھتے ہیں ؎

اور لکھتا ہے کہ "قدیم زمانہ میں یہی فلسطین کا صدر مقام تھا لیکن بعد میں کنوؤں کی کمی کے باعث، ساحل سے قریب تر الرّملہ میں بدل دیا گیا کیونکہ عمواس پہاڑ کے رخ پر ہے۔ الرّملہ سے اس کا فاصلہ ۶ میل ہے اور بیت المقدس کی شارع عام پر واقع ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے ۱۸ھ میں جو "طاعون عمواس" شائع ہوا اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی اور کہتے ہیں اس میں ۲۰ ہزار آدمی مر گئے۔" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم)

عناذان۔ "ولایت عواصم، ضلع اُرتیق کا ایک گاؤں۔ قنسرین کے قریب واقع ہے۔" (یاقوت۔ سوم ۳۳، پنجم ۲۵) مراصد کے بیان کے بموجب یہ حلب کے شمال مشرق میں ہے۔" (دوم، ۲۸۳)

(حصن) الف الحجر۔ "ساحل کا ایک قلعہ۔ یہاں سے حصن بشروں ۵ اور طرابلس ۸ میل کے فاصلے پر ہے۔" (ادریسی ۱۷)

اَلَفَہ۔ "جبیل اور جبل سیحون کے مشرق میں سیحون سے ۸ فرسخ کے فاصلے پر ساحل شام کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد اول)

عانہ۔ "ولایت اُردن کا ایک قصبہ۔" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم

اعناک۔ "ولایت دمشق میں، حوران کا ایک چھوٹا قصبہ۔ یہاں قالین اور عمدہ قسم کا پارچہ بنتے ہیں جو اسی جگہ کے نام سے موسوم ہے۔" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول۔)

الاندرین۔ ۶۲۵ھ میں یاقوت لکھتا ہے کہ یہ گاؤں پہلے حلب

کے جنوب میں، سوار کی ایک دن کی راہ پر صحرا کے کنارے واقع تھا جس کے آگے کوئی آبادی نہیں۔ اب خود بھی ویران ہوگیا ہے۔" (یاقوت اوّل - مراصد - اوّل)

انطرطوس یا انطرسوس (Antaradus, Tortosa) جسے آج کل طرطوس کہتے ہیں۔ "ولایت حمص کا ایک ساحلی قصبہ" (یعقوبی - ۱۱۲)

اصطخری اور ابن حوقل دسویں صدی کی تحریر میں اطلاع دیتے ہیں کہ "انطرسوس (یا انطرطوس) ساحل کا قلعہ اور حمص کا سرحدی شہر ہے۔ حضرت عثمانؓ کا قرآن مجید یہاں محفوظ ہے۔ شہر کے گرد سنگین فصیل ہے جو ناگہانی حملوں سے اسے مامون رکھتی ہے چنانچہ ہمارے زمانے میں یونانی شہنشاہ نکفور نے (یعنی نسی فورس نے ۳۵۶ھ و ۹۶۸ء میں) سواحل شام کو تاراج کیا تو یہ شہر اس غارتگری سے بچ گیا۔" (اصطخری - ۶۱ - ابن حوقل ۱۱۶)

ادریسی کے قول کے بموجب "انطرسوس" سمندر کے کنارے چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جس کے بازاروں میں ہجوم رہتا ہے اور تجارت کا بہت کچھ مال یہاں نظر آتا ہے۔ خود بستی ایک بڑی خلیج کے سرے پر واقع ہے اور اس کے شمال میں سلسلۂ کوہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ خلیج دس میل لمبی نکلی ہوئی ہے۔ بستی کے گرد فصیل ہے اور اسے مضبوطی سے قلعہ بند کیا گیا ہے۔" (ادریسی ۲۰، ۲۲)

یاقوت لکھتا ہے کہ "انطرطوس ولایت دمشق کا آخری ساحلی شہر ہے۔ یہ پہلے حمص اور بعض کے نزدیک طرابلس کی ولایت میں داخل تھا۔ عرقہ کے مشرق میں اس سے ۸ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس میں دو برج چھوٹے قلعوں کی شکل بنے ہوئے ہیں اسے ابتدا میں حضرت عبیدہؓ ابن الصامت نے ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں، لاذقیہ اور جبلہ کی فتح کے بعد تسخیر کیا۔ پھر یہ بستی مسمار کرادی گئی اور کئی سال ویران وغیر آباد رہی حتیٰ کہ

خلیفہ معاویہؓ نے اسے مرقیہ اور بلنیاس کی طرح دوبارہ بنوایا اور قلعہ بند کیا" (اوّل ۳۸۸ مراصد۔ اوّل ۱۹۸)۔

اسی مقام کی نسبت "طرسوس" کے نام کے تحت میں یاقوت لکھتا ہے کہ "یہ شام کا ایک شہر، سمندر کے کنارے المرکب و عکہ کے قریب ہے اور آج کل (۱۲۲۵ئ) فرنگیوں کے ہاتھ میں ہے" (یاقوت۔ سوم مراصد۔ دوم)۔

دمشقی ۱۳۰۰ء میں بیان کرتا ہے کہ "انطرسوس میں نصاریٰ کا ایک گرجا نہایت شاندار بنا ہوا ہے۔ اسی میں ایک بیت وہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم کے نام پر شام میں سب سے پہلی عمارت یہی بنی۔ امیر معاویہؓ نے اس شہر کو دوبارہ بنوایا اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اپنا صدر مقام قرار دیا تھا۔ انہی نے بحر متوسط کے جزیرے فتح کئے اور قبرس و صقلیہ پر تاخت کی اور جزیرہ ارود کا سلطنت اسلامی میں الحاق کیا۔ (دیکھو صفحہ . . .) انطرسوس قدیم رومی قلعہ تھا" (۲۰۸)۔

ابوالفدا چند سال بعد کی تحریر میں کوئی نئی بات نہیں لکھتا بلکہ انہی بیانات کو اس نے نقل کر دیا ہے" (صفحہ ۲۲۹)۔

عربہ - "ولایت فلسطین کا ایک مقام" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم

عربایا - "ایک مقام جس پر بخت نصر نے اپنی فوج سے حملہ کیا" (یاقوت۔ سوم، ۶۳۳) صاحب مراصد نے تصریح کی ہے کہ یہ شام میں واقع ہے" (دوم، ۲۴۵)۔

ارق یا اُرق "صحرائے حلب کے کنارے تدمور و عرد کے قریب کا ایک چھوٹا قصبہ جس میں زیتون اور ناریل کے درخت ہیں۔ اسے حضرت خالد ابن ولید نے فتح کیا" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)۔

عرندل۔ "ضلع الجبال (= گیالین) کا صدر مقام" (یعقوبی ۱۱۴) یہ توراۃ کا قدیم شہر ارنڈلا ہے جو عربوں کی فتح کے بعد ویران ہو گیا تھا۔ آج کل اسے غرندل کہتے ہیں اور شوبک (یا مونٹ روئل) سے جانب شمال جو قدیم رومی سڑک گئی ہے، اس پر واقع ہے؛ تیرھویں صدی میں جب یاقوت نے اپنا جغرافیہ مرتب کیا، یہ ولایت شراۃ کا معمولی سا گاؤں رہ گیا تھا۔ ابتدائی اسلامی فتح، جنگ یرموک کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی؛ (یاقوت۔ سوم، ۶۵۷۔ مراصد دوم)؛

ارار۔ "حلب کی نواح کا مقام جو اصل میں ایک وادی کا نام ہے جس کا اسلامی فتوحات کی تاریخوں میں ذکر آتا ہے" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اوّل)؛

عَربسوس۔ "المصیصہ کے قریب ایک سرحدی قلعہ۔ اسے سیف الدولہ ابن ہمدان نے تاراج کیا" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم)؛

ارنیخ۔ "حلب کے مغرب میں ایک مقام" (یاقوت۔ اوّل مراصد۔ اوّل)؛

ارفاد۔ "حلب کے نواحی ضلع غراز کے قریب کا ایک بڑا گاؤں" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اوّل)؛

اریحا یا ریحا۔ (= جیریکو) "غور اُردن کا صدر مقام ہے۔ مگر اس کے باوجود ولایت بلقا میں شمار کیا جاتا ہے" (یعقوبی، ۱۱۳)؛ مقدسی لکھتا ہے کہ "اریحا وہ شہر ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں

آیا ہے کہ وہاں "قوماً جبارین" آباد تھی۔ وہ دروازہ بھی یہاں موجود ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ذکر فرمایا تھا[1] نیل اور ناریل ان اقطاع میں کثرت سے ہوتا ہے اور شہر کے علاقے میں غور کے متعدد مواضع داخل ہیں جن کے کھیتوں کو چشموں کا پانی دیتے ہیں۔ اریحا میں گرمی کی شدت ہے۔ سانپ بچھو بے شمار ہیں اور پسّو بھی بہت زیادہ ہوتا ہے قسم تریاقیہ کا سانپ بھی یہیں سے آتا ہے جس کے گوشت کے جزو شامل ہونے پر بیت المقدس کے مشہور تریاق کی خوبی منحصر ہے۔ لوگ گندم گون اور سانولے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اریحا کا پانی دنیائے اسلام میں سب سے ہلکا اور بہتر مانا گیا ہے۔ کیلے افراط سے ملتے ہیں اسی طرح کھجور اور تازہ خوشبو کے پھول۔" (مقدسی - ۱۷۵) تریاق کے متعلق ہم باب اوّل میں کافی صراحت سے لکھ چکے ہیں۔

علی ہروی کا بیان ہے کہ "ریحا میں حضرت موسیٰؑ کا مقبرہ ہے" (نسخہ اوکسفورڈ ورق ۲۶)۔

یاقوت کہتا ہے کہ "ریحا" یروشلم سے پانچ فرسخ یا ایک دن کی مسافت پر، ولایت غور اردن میں واقع ہے۔ اسے اریحا بھی کہتے ہیں اور یہی "مدینۃ الجبارین" ہے جس کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے۔ یہاں ناریل کے درخت بہت ہیں اور نیشکر اور کیلے بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ ولایت غور میں سب سے بہتر شکر یہیں بنتی ہیں۔ شہر اریحا ابن ملک ابن ارفخشد ابن سام ابن نوحؑ کے نام پر موسوم ہے۔" (یاقوت۔ اوّل، ۲۲۰، دوم، ۴۸۸ - مراصد۔ اوّل ۵۲ و ۴۹۶)۔

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "اریحا، غور اردن کا وہ گاؤں ہے، جس کا

---

[1] سورۂ مائدہ - آیہ ۲۵ و ۲۶ - مصنف نے "جبارین" کا ترجمہ Giants. کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ مقدسی کی عبارت میں بھی اصل لفظ "جبارین" موجود ہے یہ بیان بھی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اس دروازے کا ذکر فرمایا کسی قدر اصلاح کا محتاج ہے۔ مترجم۔

یہودیوں کی کتابوں میں "عفاریت کے گاؤں" کے نام سے ذکر آتا ہے
اسی کو حضرت یوشعؑ نے سب سے پہلے فتح کیا۔ یہ اُردن کے چار میل مغرب
میں وہاں واقع ہے جہاں نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے اصطباغ
لیا۔ اس کے قریب گندھک کی بعض معادن ہیں اور فلسطین میں اور کہیں
معادن نہیں ہیں۔ اریحا کے قریب وہ پودہ ہوتے ہیں جسے "وسمہ" کہتے
ہیں اور جس سے نیل نکلتا ہے۔ اریحا بیت المقدس سے بارہ میل مشرق
میں واقع ہے۔" (ابوالفدا ۲۳۶)؎

عبرانی ناموں میں حرف "ی" جس طرح عربی میں حذف ہو جاتا ہے
اس پر کلیر مون گینو کا مضمون مطبوعہ "ژورنل ایشیاٹیک" ۱۸۷۷ء اول
۴۹۸" قابل ملاحظہ ہے۔ ذیل کی مثالیں بھی اسی سلسلے میں پیش کی جاتی
ہیں۔

عبرانی	عربی
یزریل (= جزریل)	زرعین

لیبی موث (بیت جبی موث میں) جدید سوئمہ اور اسی طرح

یریحو (= جریحو) عربی میں اریحا یا ریحا بن گیا ہے ؎
اریحا سے بیت المقدس، ایک منزل (اصطخری۔ ابن حوقل) یا
دو منزل (مقدسی۔ ادریسی) زغر، ۲ دن (اصطخری۔ ابن حوقل۔ ادریسی)
یا ایک دن کی راہ ہے (دیگر نسخے)۔ الرملہ اور نابلس ایک ایک منزل
(مقدسی) اور بیت الرّام ۲ منزل پر ہے (مقدسی)

العریش (Rhinocolura) ادریسی ۱۱۵۴ء میں تحریر کرتا ہے کہ
اس شہر میں ابتداءً دو مسجدیں تھیں لیکن ریت نے ان پر اور گرد و پیش کی
ساری زمینوں پر یورش کی۔ شہر میں ترکاری کی بہت سی باڑیاں ہیں اور

عمدہ میوے کے درخت ہوتے ہیں۔ بستی سمندر کے قریب آباد ہے۔"
(ادریسی - ۴)؁
یاقوت لکھتا ہے کہ "العریش" شام کی جانب مصر کا پہلا قصبہ ہے۔ فرنگیوں نے اسے تاراج کرڈالا اور اب ریگستان میں کھنڈروں کے سوائے کچھ باقی نہیں ہے۔" (سوم ۶۶۰ - مراصد - دوم)؁

عرجموس - "بقعہ کے علاقے کا بعلبک کے قریب ایک گاؤں کہتے ہیں۔ یہاں حضرت نوحؑ کی صاحبزادی حلبہ مدفون ہے۔" (یاقوت سوم - مراصد - دوم)؁

عرقہ یا عِرقہ (Arca, Arcados) ساحل پر ولایت دمشق کا ایک ضلع - یہاں ایک قدیم بستی ان لوگوں سے آباد ہے جو ایران سے لائے گئے تھے (یعقوبی ۱۱۴)؁

"عرقہ سمندر سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔" (مقدسی ۱۶۰)؁

ایرانی سیّاح ناصر خسرو بھی عرقہ آیا اور اپنے زمانے میں لکھتا ہے کہ سمندر سے یہ بستی دو فرسخ دور واقع تھی (صفحہ ۶)۔ چند ہی سال بعد کی کتاب میں ادریسی بیان کرتا ہے کہ "یہ پہاڑیوں کے دامن میں جو یہاں کچھ زیادہ بلند نہیں ہیں، ایک خوشنما اور بارونق شہر ہے۔ آبادی کے وسط میں بلندی پر قلعہ ہے اور باہر ایک بڑا محلّہ آباد ہے اس کے باشندے دولتمند ہیں پینے کا پانی ایک نہر کے ذریعے جو ندّی سے نکالی گئی ہے، آتا ہے اور یہ ندّی بستی کے قریب سے گزری ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتی۔ میوہ دار درختوں کے بہت سے باغ ہیں اور مذکورہ بالا ندّی پر پن چکیاں لگی ہوئی ہیں۔ بستی سمندر سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا قلعہ بڑا ہے سامانِ خورش ارزاں اور افراط سے ہے۔ مکانات چونے گچی اور مٹی کے اور اکثر بہت بڑے ہیں۔" (ادریسی ۱۳)؁

ابوالفدا کا بیان ہے کہ ”عرقہ چھوٹی سی بستی ہے اور اس کا قلعہ بھی چھوٹا ہے۔ اس میں باغ ہیں ایک پتلی ندی بہتی ہے۔ جغرافیہ نویس مہلبی اسے دمشق کے توابع میں شمار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ساحل کے کنارے یہ اس ولایت کا سب سے شمالی قطعہ ہے عرقہ طرابلس کے جنوب میں بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرقہ سے جانب مشرق بعلبک ۶۲ میل ہے سمندر سے خود بستی کا فاصلہ ایک فرسخ کے قریب ہے۔ (ابوالفدا ۲۵۵)“

یاقوت اس نام کو کسرا اوّل کے ساتھ تحریر کرتا ہے اور بستی کو سمندر سے ایک میل کے فاصلے پر اور ایک پہاڑی کے بازو پر طرابلس سے جانب مشرق ۴ فرسخ دور بتاتا ہے۔ ”اسی پہاڑی پر ایک قلعہ ہے ابوبکر الہمدانی اسے ولایت عواصم میں شامل سمجھتا ہے۔ اس کا محل وقوع طرابلس اور رفنیہ کے درمیان ہے اور یہ دراصل ولایت دمشق کے شمالی سرے کا علاقہ ہے اسے سیف الدولہ نے غارت وتاراج کر ڈالا تھا۔“ (یاقوت سوم۔ مراصد۔ دوم)“

عرقہ (عین مفتوح یا مکسور) قوم عرقہ کا وہی قدیم فنیقی شہر ہے جس کا کتاب آفرینش، سورۂ دہم، آیہ ۱۷ میں تذکرہ آتا ہے صلیبی وقائع میں اسے ارکا، ارکیدوس یا ارکیس کے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ بای زنطی زمانے میں اسے ”لبنان کی قیساریہ“ کہتے تھے“

ارمناز۔ ”ایک قدیم اور چھوٹی بستی، حلب سے تقریباً پانچ فرسخ فاصلے پر ہے۔ یہاں ظروف اکل و شرب، سرخ رنگ کے بناتے ہیں جو نہایت خوشبودار (مصالح کے) بھی ہوتے ہیں۔ ارمناز صور کے قریب ساحلِ شام کے ایک دوسرے قصبے کا بھی نام بتاتے ہیں۔“ (یاقوت۔ اول مراصد۔ اول)“

عرّابہ۔ ”ساحل شام پر ولایت عکّہ کا ایک مقام۔“ (یاقوت سوم

مراصد۔ دوم)۔

عرشین یا عراجین القصور۔" حلب کے ضلع کا ایک گاؤں جو البحزر کے تابع ہے۔" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم)۔

ارسوف۔" (اپالونیہ) مقدسی لکھتا ہے کہ " ارسوف، یافہ سے چھوٹا مگر بارونق اور مضبوط و مستحکم مقام ہے۔ اس میں ایک خوبصورت منبر ہے جو اصل میں الرملہ کی مسجد کے لیے بنوایا گیا تھا لیکن وہاں کیلئے چھوٹا نکلا اور ارسوف کو دیدیا گیا۔" (۱۷۴)۔

یاقوت ۱۲۲۵ء میں لکھتا ہے کہ " ارسوف یا ارسوف مسلمانوں کے قبضے میں رہا حتیٰ کہ گُندفری (= گوڈفرے ڈی بوئلون) امیر یروشلم نے ۴۹۴ھ (= ۱۱۰۱ء) میں اسے فتح کرلیا اور اب تک فرنگیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ قیساریہ اور یافا کے درمیان واقع ہے۔" (اول ۲۰۷ پنجم ۱۲۔ مراصد۔ اول)۔

ابوالفدا ۱۳۲۱ء میں تحریر کرتا ہے کہ " ولایت فلسطین کا ارسوف بارونق قصبہ اور اس کا مضبوط قلعہ تھا۔ یہ رملہ سے ۱۲، یافا سے ۱۶ اور قیساریہ سے ۱۸ میل، بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس میں منڈی ہے پہلے فصیل بھی تھی مگر اب قصبہ کھنڈر پڑا ہے اور کوئی آبادی نہیں رہی۔" (۲۳۹)

ارسوف، یونانیوں کا " اپالونیہ " ہے جسے صلیبیوں نے غلطی سے اینٹی پارٹس سمجھ لیا تھا۔

ارسوف سے رملہ و قیساریہ تک ایک ایک منزل کی مسافت ہے۔" (مقدسی)

ارتاہ۔" حلب کے ضلع کا ناقابل تسخیر قلعہ۔ یہ ولایت عواصم میں

داخل تھا اور بہت سے اہل علم اس کی خاک سے اٹھے۔" (یاقوت۔ مراصد اوّل)

ارواد (Ruad, Aradus) ادریسی ۵۴۸ھ/۱۱۵۴ء میں تحریر کرتا ہے کہ "جزیرۂ ارواد' انطرسوس کے قریب سمندر میں واقع ہے۔ اس جزیرے پر ایک عالیشان' خوبصورت اور نہایت مستحکم کلیسا اتنی بلندی پر بنا ہوا ہے اور اس کے آہنی دروازے ہیں کہ دشمن اس کے اندر نہیں داخل ہو سکتا اور اس طرح وہ ایک پہرے کی گڑھی کی مثل ہے۔"

جغرافیہ' ادریسی کے' اوکسفورڈ والے قلمی نسخے میں (بوڈ: ۸۸۷ء) جس کی کتابت پندرھویں صدی کے آخر میں ہوئی حاشیے پر یہ فائدہ درج ہے:

"شہر ارواد ایک جزیرے پر ساحل کے شہر مرقیہ کے بالمقابل واقع ہے اور جزیرے اور ساحل کے درمیان دو تیر کا فاصلہ ہے۔ (مملوک) سلطان الناصر ابن قلاعون کے عہد میں یہ جزیرہ فرنگیوں کے قبضے سے چھینا گیا تھا مگر آج کل اس میں آبادی نہیں ہے اور یہی حال مرقیہ کا ہوا کہ اس ساحلی بستی کے لوگ بھی فرنگی سپاہیوں کے ڈر سے اٹھ اٹھ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ اب ارواد خالی اور ویران پڑا ہے اگرچہ عمارتیں اور گرجے پہلے کے کوٹھو' جو بستی کے باہر مشرق میں تھے' ابھی تک موجود ہیں۔" (ادریسی ۲۰)

ارزونا۔ "دمشق کا ایک گاؤں" (یاقوت۔ مراصد اوّل)

اسفیرہ "حلب کا ایک گاؤں" (یاقوت۔ مراصد۔ اول)

اسفونا۔ "شام میں معرۃ النعمان کے قریب ایک قلعے کا نام تھا اسے محمد ابن نصر ابن صالح ابن مرداس الکلابی نے فتح کیا اور دمدمے

تڑوا دے" (یاقوت - مراصد - اول) ؎

اشمونیث: "حلب کے باہر جانب جنوب ایک چشمہ ہے جس سے شہر کے باغوں میں پانی آتا ہے اور زائد پانی بہ کر قویق ندی میں جا ملتا ہے" (یاقوت - مراصد - اول)

عشترا - (Ashtaroth of Edrei) "حوران میں ایک جگہ جو ولایت دمشق سے متعلق ہے" (یاقوت - سوم - مراصد - دوم)
یہ توراۃ کا (اول ۵ے) "اشتروث اوف دیوت" ہے۔

عسقلان - (= ایس کیلونؑ) بلاذری لکھتا ہے کہ "ابن زبیر کے زمانے میں یونانیوں نے چھاپہ مارا اور عسقلان اور وہاں کی مسجد کو منہدم کر گئے۔ خلیفہ عبدالملک نے شہر و مسجد کو از سر نو تعمیر کیا اور شہر کی مورچہ بندی کی (۱۴۳) "

یعقوبی اسے "ساحل بحر پر فلسطین کا ایک قصبہ بتاتا ہے۔ (۱۱۷)
عبدالملک نے جو مسجد بنائی یا از سر نو تعمیر کی، اس کی درستی عباسی خلیفہ المہدی نے (اپنی تخت نشینی سے تین سال قبل) ۷۷۲ء (= ۱۵۵ھ) میں کی اور اس کا نصب کردہ کتبہ آئیم گینو نے حال میں ڈھونڈ نکالا ژورنل الیشیاٹیک میں یہ جس طرح شائع ہوا ہے (جلد نہم، ۴۸۵ - ۱۸۹۷ء) اس کا ترجمہ حسب ذیل ہوگا:
امیر المومنین المہدی نے اس مسجد و منارہ کی تعمیر کا حکم دیا اور یہ کام مفضل ابن سلام اور جوہر ابن ہشام کے ہاتھ میں دیا۔ ماہ محرم ۱۵۵ھ"

ؑ۔ عربی میں پہلا حرف ع ہے حالانکہ عبرانی "ایش کیلون" میں پہلا حرف الف تھا نیز دیکھو صفحہ ۴۶۹

مقدسی ۳۷۵ھ ۹۸۵ء میں لکھتا ہے کہ عسقلان ساحل پر ایک خوشنما شہر اور بڑی چھاؤنی ہے، میوہ یہاں کثرت سے ہوتا ہے خاصکر انجیر کے قسم کا۔ بڑی مسجد بزازوں میں واقع ہے اور اس کا تمام فرش سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ شہر مرفہ الحال، وسیع، صحت بخش اور عمدہ طور پر قلعہ بند کیا ہوا ہے۔ یہاں کے ریشم کے کپڑے مشہور ہیں۔ کپڑا بہت اچھا بنتا ہے اور معاشرت خوشگوار ہے۔ بازار مال سے بھرے ہوئے ہیں اور چھاؤنی کی فوج ہوشیار و مستعد ہے۔ صرف اس کی لنگر گاہ غیر محفوظ اور پانی کڑوا ہے اور ریت کی مکھی، جسے وٹلم کہتے ہیں، بلا کی ایذا دہندہ ہوتی ہے" (مقدسی ۱۷۴) واضح رہے کہ آج بھی وٹلم مکھی شام کے ساحلی اقطاع میں موجب آزار و تکلیف ہے ؎

ایرانی سیاح ناصر خسرو ۴۳۸ھ میں عسقلان آیا۔ لکھتا ہے کہ "یہاں کے بازار اور مسجد جامع دونوں خوشنما ہیں۔ میں نے یہاں ایک کمان دیکھی جس کی نسبت لوگوں نے کہا کہ قدیم اور کسی مسجد کی محراب تھی۔ یہ ایسے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے کہ کوئی توڑنا چاہے تو بھی زر کثیر خرچ کئے بغیر نہیں توڑ سکتا" (ناصر خسرو-۶۱) ؎

سن ۱۱۰۰ئہ میں عسقلان صلیبیوں کے ہاتھ پڑا لیکن بعد میں فاطمیوں نے دوبارہ لے لیا۔ ۵۴۸ھ ۱۱۵۳ھ میں ادریسی تحریر کرتا ہے کہ "عسقلان دوہری فصیل کا خوشنما شہر ہے اور اس میں متعدد بازار ہیں۔ شہر کے باہر باغ بلکہ درخت وغیرہ کچھ نہیں۔ بیت المقدس کے حاکم نے[1] یونانی، فرنگی اور دوسرے سپاہیوں کی ایک فوج سے حملہ کیا اور اسے ۵۴۸ھ (۱۱۵۳ء) میں فتح کر لیا اور اب بھی انہی کے قبضے میں ہے۔ عسقلان ولایت فلسطین کے اندر محسوب ہوتا ہے۔ عسقلان، ارسوف اور یافا تینوں فلسطین کے ساحلی شہر ہیں اور قریب قریب یکساں رقبہ اور یکساں شہرت رکھتے ہیں کہ

[1] یعنی شاہ بالڈون سوم ؎

تینوں کے استحکام بہت اچھے اور خوب آباد ہیں۔ زیتون و انگور کثرت سے کاشت ہوتا ہے۔" (ادریسی ۵ و ۱۱) ؎

علی ہروی لکھتا ہے کہ بیت جبرین و عسقلان کے درمیان وہ وادی النمل واقع ہے جہاں حسب روایت حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی کی بات سماعت فرمائی تھی۔" (سورۂ نمل ۱۷-۱۸) پھر اسی سلسلے میں بیان کرتا ہے کہ عسقلان خوبصورت و خوشنما شہر ہے۔ اس کے قریب چاہ ابراہیم واقع ہے جسے لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کھودا تھا واللہ اعلم بالصواب۔" (نسخہ اوکسفورڈ ورق ۴۶) ؎

یاقوت تحریر کرتا ہے کہ عسقلان کو ۵۴۸ھ (=۱۱۵۳ء) میں فرنگیوں نے فتح کیا تھا مگر دوبارہ ۳۵ برس کے بعد سلطان صلاح الدینؒ نے ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں فتح کر لیا اسی مصنف کا قول ہے کہ عسقلان کے معنی "اعلی الراس" یعنی سر کی چوٹی ہیں گویا یہ شہر شام کی چوٹی ہے۔" اسے عروس الشام" بھی کہتے ہیں۔" (یاقوت۔ سوم ۶۷۳۔ مراصد۔ دوم) ؎

شاہ رچرڈ (شیر دل) کے بھتیجے رچرڈ رئیک کورنوال نے ۱۲۴۰ء میں عسقلان کی فصیل دوبارہ بنوانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا اور ۱۲۷۰ء میں سلطان بیبرس نے اسے تڑوا دیا جس کے بعد سے یہ شہر ویران و بے چراغ پڑا ہے ؎

چودھویں صدی میں ابوالفدا نے لکھا ہے کہ "عسقلان، فلسطین کا شہر ہے جہاں آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ یہ ساحل بحر پر واقع ہے اس کے اور غزہ کے درمیان تین فرسخ کے قریب فاصلہ ہے۔ یہ شام کا ایک اسلامی قلعہ ہے۔ مہلبی کہتا ہے کہ عسقلان ساحل کی ایک بلند جگہ پر واقع اور ساحلی شہروں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اس میں کوئی لنگرگاہ نہیں باشندے کنوؤں کا پانی پیتے ہیں جو (کڑوا یا کھاری نہیں بلکہ) میٹھا ہوتا ہے اس کے اور غزہ کے درمیان دس میل کا اور الرملہ سے ۱۸ میل کا فاصلہ

ہے۔ آج کل یہ کھنڈر ہو گیا ہے اور کوئی آبادی نہیں" (ابو الفدا۔ ۲۳۱) منہدم یہ شہر کو سیاح ابن بطوطہ نے ۱۳۵۵ھ میں دیکھا اور لکھا ہے کہ گو پہلے خوشنما مقام تھا مگر اب بالکل کھنڈر ہو گیا ہے۔ امام حسینؓ کا سر مبارک جو پہلے یہاں تھا، اب قاہرہ میں ہے۔ اسے عسقلان کی خوبصورت مسجد میں رکھا کرتے تھے جسے ایک فاطمی خلیفہ نے بنوایا تھا جیسا کہ اس کے پھاٹک کے کتبے سے اب تک ظاہر ہوتا ہے۔ اس مسجد کے جنوب میں ایک اور بڑی مسجد مسجدِ عمر کہلاتی تھی مگر اس کی صرف دیواریں باقی رہ گئی ہیں اگرچہ اس میں سنگ مرمر کے ستون جن میں سے بعض کھڑے اور بعض گرے پڑے ہیں بہت خوشنما اور بہت سے موجود ہیں۔ عسقلان کے جنوب میں حضرت ابراہیمؑ کے کنوئیں ہیں جن میں چوڑے چوڑے زینوں سے اتر کے ایک حجرے میں پہنچتے ہیں اس حجرے کے چاروں طرف پانی کے چشمے پتھر کی نالیوں میں سے ابل ابل کر بہتے ہیں۔ پانی میٹھا ہے لیکن زیادہ نہیں ہے۔ ان چشموں کی نسبت بہت سی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ عسقلان کے باہر وادی النمل ہے۔" (ابن بطوطہ۔ اول۔ ۱۲۶)"

عسقلان سے الرملہ ایک منزل (اصطخری ابن حوقل، مقدسی، ادریسی) غزہ تک کچھ کم ایک منزل (اصطخری۔ ابن حوقل) یا ۲۰ میل (ادریسی) یافا تک ایک منزل (مقدسی) رفہ تک ایک منزل (... میماس تک جانب مغرب، ۲۰ میل کا فاصلہ ہے۔" (ادریسی)

عسکر الزیتون۔ "نابلس (ولایت فلسطین) کی نواح کا ایک مقام" (یاقوت سوم۔ مراصد۔ دوم)

عسان۔ "حلب سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک گاؤں" (یاقوت سوم۔ مراصد۔ دوم)

وادی الاسطیل۔ ابن جبیر لکھتا ہے کہ ”حونین و تبنین کے راستے میں ہم اس مقام سے گزرے۔ یہ وادی اشجار سے ڈھکی ہوئی ہے جن میں کثرت سے رند (= ولایتی مہندی) کے درخت ہیں۔ خود وادی بہت گہری اور خندق معلوم ہوتی ہے۔ اسے اسطیل کہتے ہیں اور کوئی فوج بزور و قوت اس سے نہیں گزر سکتی۔ یہ جگہ دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ یہاں سے ہم نے دست جبپ کی طرف کوچ کیا اور تبنین (= ل تورون) پہنچے“ (ابن جبیر، ۳۰۴)۔

عثام۔ ”شام کا ایک مقام، جس کا شعرا ذکر کرتے ہیں“ (یاقوت سوم۔ مراصد۔ دوم)

الاثاریب۔ ”(جسے صلیبی کریب کہتے تھے) ”حلب سے تقریباً تین فرسخ اور انطاکیہ کے راستے میں مشہور قلعہ ہے۔ یہ لفظ ثرب بمعنی بکری کی چربی کی جمع ہے۔ آج کل کھنڈر پڑا ہے مگر قریب میں اس نام کا گاؤں آباد ہے“ (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول۔ ابو الفدا ۲۳۱)۔ الاثاریب سے حلب ایک دن (اصطخری۔ ابن حوقل۔ یاقوت۔ مقدسی) اور انطاکیہ ۲ دن (اصطخری۔ ابن حوقل) کی راہ ہے۔

عشیر۔ ”شام کا ایک مقام“ (یاقوت۔ سوم۔ مراصد۔ دوم)

عثلیث (Chateau. Pelerin) ”بحر شام کے کنارے کا ایک قلعہ جسے حصن الاحمر بھی کہتے ہیں۔ صلاح الدین نے اسے صلیبیوں سے ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں دوبارہ چھینا (” ” ”) صلیبی وقائع میں کاستلم پرگ ری نوزم اور پیٹرا ان سیزا کے نام سے مشہور رہے۔ اور فرقہ داویہ (ٹیمپلرز) کا جدید قلعہ تھا“۔

ارضِ عتیقہ۔ "دمشق کے باب الجابیہ کے باہر ہے۔ یہ خلیفہ یزید ابن معاویہ کی بیٹی عتیقہ کے نام سے موسوم ہوئی جس کا یہاں ایک قصر تھا۔ وہ خلیفہ عبدالملک ابن مروان کی بیوی اور خلیفہ یزید ابن عبدالملک کی ماں تھی عبدالملک اسی قصر میں فوت ہوا" (" ۔ ")

الاطمیم۔ "ولایت حمص کا ایک مقام" (الیعقوبی ۱۱۲)

الاطرون۔ "رملہ کے قریب ولایت فلسطین کا قصبہ" (یاقوت اول۔ مراصد۔ اول) بے شبہ یہ صلیبیوں کا کیسٹرم بونی لیٹرونیس ہے ناصر خسرو بھی اس کا ذکر کرتا ہے۔ (صفحہ ۲۲)

رودن "ایک گاؤں جو مرعش و فرات کے درمیان ایک پہاڑی کے نیچے واقع ہے" (" ۔ ")

الاولاج "شام کا ایک مقام" (" ۔ ") عجب نہیں کہ یہ بھی اولاس ہی کی ایک دوسری صورت ہو۔

الاولاس یا اولاش (Eleusa) "ساحل بحر کا ایک قلعہ۔ یہاں کے لوگ نہایت متقی اور اعمال صالح کے سختی سے پابند ہیں۔ بحر روم کے کنارے یہ مسلمانوں کے علاقے کا آخری مقام ہے اور یہاں ہمیشہ غنیم سے مقابلہ ہوتا رہتا ہے" (اصطخری ۶۴۔ ابن حوقل ۱۶۳)
ادریسی لکھتا ہے کہ "حصن اولاش، طرسوس سے بارہ میل سمندر کے کنارے واقع ہے اور خود طرسوس ہی کی بندرگاہ ہے۔ قلعہ ناقابل تسخیر ہے" (۲۵ و ۲۷)
یاقوت و صاحب مراصد لکھتے ہیں کہ "اولاس یا اولاش طرسوس

کے قریب ساحل کا ایک قلعہ ہے۔ اس کے اندر ایک گڑھی ہے جسے حصن الزہاد (زاہدوں کی گڑھی) کہتے ہیں "۔
اولاس سے طرسوس تک ۲ دن کی راہ (اصطخری، ابن حوقل) یا ۱۲ میل کا فاصلہ ہے (ادریسی)

الاوزاع۔ "باب الفرادیس کے قریب، دمشق کی شہر پناہ کے متصل، ایک گانوں۔ اصل میں اوزاع یمن میں ایک قبیلہ تھا، اور یہ لوگ ہجرت کرکے یہاں آبسے تو انہی کے نام پر یہ گانوں موسوم ہو گیا۔" (یاقوت۔ اول)

عَوَرتا۔ "نابلس سے یروشلم کی سڑک پر ایک چھوٹا قصبہ یا گانوں۔ یہاں حضرت یوشعؑ ابن نون اور حضرت ہارونؑ کے ابن عم مفضل کی قبریں ہیں۔ یہ ایک غار کے اندر مدفون ہیں جہاں اور بھی ستر انبیاء دفن ہوئے تھے"۔ (علی ہروی۔ نسخہ اوکسفورڈ۔ ورق ۴۴ لیکن اس میں گانوں کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ یاقوت نے اسے بجنسہ نقل کیا ہے، جلد سوم، ۷۴۵۔ مراصد دوم) "

عویر۔ "شام کا ایک گانوں یا اس چشمے کا نام جو تدمور و حلب کے درمیان واقع ہے (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ دوم)

ایاس۔ "ابوالفدا چودھویں صدی میں اس کی نسبت کہتا ہے کہ یہ "ارمینیہ کا ایک بڑا شہر ہے۔ ساحل بحر پر واقع اور خوشنما بندرگاہ رکھتا ہے جہاں ان علاقوں کے جہاز آآکے ٹھہرتے ہیں۔ اس کی حفاظت کے لیے فرنگیوں نے حال میں اس کے قریب ٹکڑے کی مثل ایک برج سمندر میں تعمیر کردیا ہے"۔ ایاس سے بغراس تک ۲ دن اور تل حمدون تک

تقریباً ایک دن کی راہ ہے۔ جب سے مسلمانوں نے طرابلس، عکہ وغیرہ باقی ماندہ ساحلی شہر فرنگیوں سے دوبارہ چھین لیے ہیں، ان (فرنگیوں) کی شام میں آمد و رفت بہت کم ہو گئی ہے کیونکہ لنگر گاہیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ پس یہ لوگ زیادہ تر ایاس ہی جاتے ہیں جو ابھی تک نصاریٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس لیے یہ بہت مشہور اور بری و بحری تجارت کا بڑا مرکز بن گیا ہے۔ (ابوالفدا ۲۴۹)

العازریہ یا عیزریہ (Bethany) "یروشلم کے قریب ایک گاؤں۔ یہاں العازر (لیزروس) کی قبر ہے جسے مسیح علیہ السلام نے مردہ سے زندہ کر دیا تھا۔" (یاقوت۔ سوم۔ مراصد دوم)

عُزاز یا اَعزاز "حلب کے شمال میں ایک دن کے راستے پر ایک قصبہ جس میں قلعہ اور اراضی ہیں۔ اس کی آب و ہوا عمدہ اور پانی میٹھا ہے۔ یہاں سانپ بچھو وغیرہ حشرات الارض نہیں ہوتے اور اس مقام کی مٹی لے کے بچھو پر ڈالدیں تو وہ مرجاتا ہے۔" (یاقوت۔ سوم مراصد۔ دوم)

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "عزاز ایک مشہور قلعے اور اس کے علاقے کا نام ہے۔ یہ حلب کے جنوب میں ذرا مغرب کی طرف ہٹا ہوا واقع ہے نہایت سرسبز، عمدہ اور خوبصورت اور ایک خوشگوار ترین مقام ہے اس کی مٹی سرخ ہے۔ یہاں کثرت سے کپاس بوتے ہیں، جو جہازوں میں بھر کر سبطہ اور مغرب کے دوسرے شہروں کو جاتی ہے پستے کے جھنڈ دور سے یہ مقام سبز نظر آنے لگتا ہے۔" (۲۳۱)

ازدود یا ینہ دود (Ashdod, Azotus) "ایک قصبے کا نام ہے۔" (یاقوت۔ چہارم۔ مراصد۔ سوم)

اندرود سے رملہ ایک دن (اصطخری۔ ابن حوقل، مقدسی، ادریسی) یا ۱۲ میل (ابن خرداد بہ) غزہ ۲۰ میل (〃) یا ایک منزل (اصطخری۔ مقدسی۔ ابن حوقل۔ ادریسی) اور اُبنہ ایک منزل ہے (اصطخری۔ ابن حوقل)۔

الازرق ۔ (بلور زَر) "حج کے راستہ پر تیما پہنچنے سے پہلے پانی لینے کا مقام ہے" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)؛

ابو الفدا کہتا ہے کہ "الازرق اس قلعے کا نام ہے جسے الملک المعظم نے صحرا کے کنارے پر جس کے اندر سے حجاز کا راستہ گزرا ہے تعمیر کیا تھا۔ یہاں سے دائیں کو راستہ العلا اور تبوک اور بائیں طرف تیما اور خیبر کو جاتا ہے۔ بصریٰ الازرق کے شمال میں ہے" (۲۲۹)

بعاذین "حلب کا ایک گانوں" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اوّل)؛

الباب والبزاعہ ۔ ابن جبیر اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ بزاعہ منبج سے ۶ گھنٹے اور دھوہ سے نصف شب کی مسافت پر واقع ہے۔ "قصبے سے یہ چھوٹا، اور گانوں سے بڑا ہے۔ یہاں کی منڈی اچھی ہے۔ اس کے اوپر مضبوط قلعہ ہے پانی افراط سے ملتا ہے اور گرد و نواح میں سب طرف باغ ہیں وادی کے پیٹے کے قریب ایک بڑا موضع ہے جسے الباب کہتے ہیں۔ یعنی بزاعہ اور حلب کے درمیان کا دروازہ۔ آٹھ سال پہلے اس کی آبادی اسمٰعیلی فرقے والوں کی تھی"۔ (ابن جبیر۔ ۲۵۱)

یاقوت کے بیان کے مطابق "حلب کے ضلع کی وادیٔ بطنان کے بازو میں، الباب ایک چھوٹا قصبہ ہے اسے باب بزاعہ بھی کہتے ہیں۔ اس میں منڈیاں ہیں اور وہ سوتی کپڑا جسے "کرِبس" کہتے ہیں، بڑی مقدار میں یہاں تیار ہوتا اور مصر و دمشق کو درساور جاتا ہے۔

اہل حلب اس کے حرف اول (ب) کو مکسور یا مضموم دونوں طرح بولتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ وادی بطنان میں حلب ہی کے توابع میں داخل ہے۔ حلب سے اس کا فاصلہ ایک دن کی راہ ہے اور اسی کی مثل منبج سے ہے۔ یہاں آب رواں، بہت سے چشمے اور ایک عمدہ منڈی موجود ہے۔" (جلد اوّل۔ مراصد۔ اول) ؎

دمشقی بیان کرتا ہے کہ "الباب اور بزاعہ الگ الگ دو قصبے وادی بطنان کے قریب واقع ہیں اس کے برابر سے الساجور نامی ندی گزری ہے، جو عین تاب سے آتی ہے۔" (۲۰۵)

ابوالفدا کا قول ہے کہ "الباب ایک چھوٹا قصبہ ہے جس میں ایک منڈی، ایک حمام، ایک جامع مسجد اور بہت سے فرحت بخش باغ موجود ہیں۔ بجالیکہ بزاعہ، الباب سے متعلق ایک چھوٹا سا پرگنہ ہے، جس کے باہر عقیل ابن ابی طالب کا مشہد اور قبر ہے، یہ مقام حلب سے ایک دن کی مسافت پر جانب شمال مشرق واقع ہے۔" (۲۶۷) ؎

بابلّا "حلب کے باہر کوئی میل بھر کے فاصلے پر ایک گانوں جو آج کل خوب آباد ہے۔" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول)

بادانا "حلب کا ایک گانوں، عزاز (ع+ز+ا+ز) کی نواح میں حضرت آدم کے متعلق احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے۔" (" - ")

بدن دون (Podendon) "ولایت ثغور کا ایک گانوں، جو طرسوس سے ایک منزل پر واقع ہے۔ المامون نے یہاں ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں انتقال کیا اور طرسوس کی شہر پناہ میں باب بدن دون کے قریب دفن ہوا۔" (" - ")

البدلیعہ "حسمیٰ کے قریب، ایک چشمہ۔ اور حسمیٰ شام کا ایک پہاڑ ہے۔" (" - ")

البدیّہ "حلب سے دو منزل پر، سلمیہ کے راستے میں ایک چشمہ۔" (" - ")

بغراس (Pagrae) "ایک قصبہ جس میں مسجد جامع ہے یہ ولایت ثغور کی شارع پر واقع ہے۔ زبیدہ (ملکۂ ہارون الرشید) نے یہاں محتاج خانہ بنایا تھا اور سارے شام میں اتنا بڑا کوئی دوسرا محتاج خانہ نہیں ہے۔" (اصطخری، ۶۵۔ ابن حوقل ۱۶۳۔ نقل کردۂ ابو الفدا، ۲۵۹)

ادریسی اس کو حصن بغراس کے نام سے یاد کرتا ہے "جہاں مسجد جامع موجود اور بڑی آبادی ہے۔ یہ ثغور کی شارع کے کنارے واقع ہے۔" (۲۷)

یاقوت کہتا ہے کہ "بغراس یا بغراز، جبل لکام کے بازو پر، انطاکیہ سے ۴ فرسخ کے فاصلے سے اور حلب سے انطاکیہ جانے والے کے دست راست پر واقع ہے۔ یہ حصہ ملک طرسوس کے ضلع کے گرد چھایا ہوا ہے یہ پہلے فرنگیوں کے قبضے میں تھا مگر صلاح الدین نے اسے بھی ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ء) میں فتح کیا۔" (اول۔ مراصد۔ اول)

ابو الفدا لکھتا ہے کہ "بغراس ولایت قنسرین میں واقع اور بہت بلند قلعہ رکھتا ہے اس کے گرد چشمے اور وادیاں اور باغ ہیں۔ مہلبی اس کو انطاکیہ سے ۱۲ میل اور یہاں سے اسکندرونہ کو بھی ۱۲ میل بتاتا ہے یہ شہر اس پہاڑ کے اوپر واقع ہے جس کے نیچے عمق حارم (کا میدان) ہے۔ حارم اس کے مشرق میں دو منزل کے فاصلے پر ہے اور دربساک سے یہ کوئی ایک منزل پر جنوب میں ہے۔" (۲۵۹)

ابن بطوطہ جس نے ۱۳۵۵ء میں اسے دیکھا، اسے انطاکیہ کے قریب ایک مضبوط قلعہ بتاتا ہے جس کے گرد ہر طرف باغ اور مزرعے ہیں اور جو ارمینہ خورد کے شہر سیس کے راستے پر واقع ہے۔" (جلد اوّل۔ ۱۶۳)

بغراس سے انطاکیہ، ایک دن کی راہ (اصطخری۔ ابن حوقل) یا ۱۲ میل (ادریسی) اور اسکندرونہ، ۹ میل (،،)

باحسیثا یہ حلب کے شمال میں ایک بڑا محلہ۔ اس کے باشندے سنّی ہیں۔" (،، ۔ ،،)

بہسنا (Benesdin) مرعش اور سمیساط کے قریب کا ایک مضبوط قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ الساق قیسوم اس کے توابع میں اور یہ خود آج کل ولایت حلب میں داخل ہے۔" (،، ۔ ،،)

ابوالفدا کہتا ہے کہ "بہسنا، مضبوط اور بلند بنا ہوا قلعہ ہے، جس میں باغ، چھوٹی سی ندی اور ایک منڈی بھی ہے چاروں طرف سرسبز اراضی اور نہایت عمدہ مزرعے اس کی ملکیت ہیں۔ اس میں ایک مسجد جامع ہے۔ سیواس سے تقریباً ۶ دن کی راہ پر واقع اور مستحکم ترین قلاع میں شمار ہوتا ہے۔ عین تاب سے یہ شمال مغرب میں ۲ دن کی راہ پر ہے۔" (۲۶۵)

بیروت (Berytus) یعقوبی ۸۹۱ء میں لکھتا ہے کہ "آج کل بیروت میں تمام ایرانی آباد ہیں جنھیں خلیفہ امیر معاویہؓ نے یہاں لاکے بسایا تھا۔" (۱۱۴)

اصطخری اور ابن حوقل کہتے ہیں کہ "بیروت ولایت دمشق میں طرابلس سے زیادہ دور نہیں۔ محدّث اوزاعیؒ یہاں کے باشندے تھے۔ بیروت میں ناریل اور نیشکر کی کثرت ہے۔ اور فصلیں بھرپور ہوتی ہیں

سمندر سے تجارتی مال یہاں آتا ہے اور اس کے راستے نہ کبھی بند ہوتے ہیں نہ بالکل معمور ہو جاتے ہیں۔ آس پاس ثمر در زمینیں ہیں۔ بستی اچھی طرح قلعہ بند ہے اور فصیلیں مستحکم ہیں۔ یہاں اجناس کی قیمتیں معتدل، باشندے متقی، اور صلح کل طرز عمل رکھتے ہیں اگرچہ وہ دشمن کے مقابلے میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتے ہیں۔ (اصطخری ۶۵ - ابن حوقل ۱۱۶)

مقدسی بیروت کو محض "ساحل بحر پر ایک قلعہ بند شہر بتاتا ہے" (۱۶۰)

ایرانی سیاح نے ۱۰۴۷ء میں بیروت کی سیاحت کی اور اپنے سفرنامے میں تحریر کرتا ہے کہ:-

"جبیل سے ہم بیروت آئے۔ یہاں میں نے پتھر کی ایک محراب اتنی بڑی بنی دیکھی[1] کہ ساری سڑک اس کے نیچے سے گزرتی تھی اور بلندی کا اندازہ میں نے ۵۰ درع کیا محراب کے پہلوؤں کی دیواریں سفید پتھر کی ہیں اور ہر پتھر قطعاً ہزار من سے وزن میں اونچا ہو گا (ہزار من = تقریباً ۱½ ٹن) اصل عمارت کچی اینٹ کی کوئی ۲۰ درع[2] بلند ہے لیکن اس کے اوپر ۸، ۸ درع بلند سنگ مرمر کے ستون نصب کئے ہیں جو اس قدر موٹے ہیں کہ دو آدمی ہاتھ پھیلا کے مشکل سے ان کے دور کو آغوش میں لے سکتے ہیں پھر ان ستونوں پر، دائیں، بائیں دونوں طرف کھانچے بنائے ہیں جن میں صحت اور درستی کے ساتھ پتھر جما دیا ہے اور بغیر چونے یا گچ کے کھانچے تیار کر دئے ہیں۔ وسط کی بڑی کمان ۵۰ ہاتھ مرتفع اور بیچ میں سب سے بلند اٹھی ہوئی ہے۔ پتھر کی ڈالیں جو ان کمانوں میں

---

[1] عجب نہیں کہ یہ ان شکستہ تماشا گاہوں یا حماموں میں سے کسی کی کمان ہو، جن سے ہیرود اگریپا نے بری توس (= بیروت) کی زینت بڑھائی تھی اور یا ممکن ہے کہ وہاں کے مشہور مدرسے کے کھنڈروں میں سے یہ باقی رہ گئی ہو۔

[2] متحف برطانیہ کے نسخے میں یہ "۲۰ درع" پڑھا جا سکتا ہے لیکن بے غبہ یہ سہو کتابت ہے۔

لگائی گئی ہیں میرے اندازے میں ۸، ۸ ہاتھ اونچی اور ۴ ہاتھ چوڑی ہوں گی، اور ان کے وزن کا بھی میں کوئی ۔ ہزار من (تقریباً ۱۰ ٹن) قیاس کرتا ہوں ہر پتھر کو بہت خوبی سے گھڑا اور اس کمال سے تراشا ہے کہ لکڑی بھی اس طرح شاذ و نادر تراشی جا سکتی ہے اس کمان کے سوا کوئی قدیم عمارت باقی نہیں ہے۔ میں نے آس پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کمان کیسی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سنتے ہیں' یہ فرعون کے باغ کے دروازے کی کمان ہے اور یہ کہ بہت ہی قدیم بنی ہوئی ہے اس مقام کے گرد کا سارا میدان سنگ مرمر کے ستونوں سے بھرا ہوا ہے اور ان کے پیلپائے اور دلے بھی موجود ہیں۔ یہ سب سنگ مرمر کے اور تراش کر گول' چوکور، شش پہلو یا ہشت پہلو بنائے ہیں۔ سب کا پتھر اس قدر سخت ہے کہ لوہے کا اوزار اس پر ذرا اثر نہیں کر سکتا ادہر اس مقام کے قریب سارے علاقے میں بظاہر کوئی پہاڑ یا کان ایسی نہیں ہے جہاں سے یہ پتھر لایا جا سکا ہو۔ پھر یہ کہ ایک دوسری قسم کا پتھر بھی ہے جو ظاہرا مصنوعی نظر آتا ہے[ع۱] اور یہ بھی صلابت میں پہلے پتھر کی مثل ہے کہ لوہا اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ شام کے مختلف اقطاع میں اس قسم کے ستون یا پیلپائے یا محض کھمبوں کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب ہو گی جن کے نہ بنانے والے کا کچھ پتہ ہے نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کس غرض کے لیے پہلے تراشے گئے یا کہاں سے لائے گئے تھے۔" (ناصر خسرو - ۹)؎

ادریسی کی اطلاع یہ ہے کہ "بیروت سمندر کے کنارے واقع اور بڑے بڑے چوڑے آثار کی فصیلوں سے محفوظ ہے۔ اس کی نواح میں اور اسی کے متعلق بہت عمدہ قسم کے لوہے کی کان ہے جس سے کام لینا بھی سہل ہے اس سے مقدار کثیر میں کچا لوہا نکالتے اور شام کے تمام حصوں میں بھیجتے ہیں

ع۱: بے شبہ اس سے سنگ رخام (اسود) یا سنگ سماق کے ستون مراد ہیں کہ اس قسم کے قدیم ستون جا بجا پائے جاتے ہیں؎

بیروت میں صنوبر کا ایک بیلا بھی جنوب کی طرف واقع اور کوہ لبنان تک پھیلا چلا گیا ہے - یہ بیلا کوئی بارہ میل مربع ہوگا - اہل بیروت کنوؤں کا پانی پیتے ہیں" (ادریسی ۱۶)

یاقوت لکھتا ہے کہ "بیروت، صیدا سے ۳ فرسخ کے فاصلے پر ولایت دمشق میں واقع ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں یہ بہت اچھی حالت میں رہا - بغدوین (= شاہ بالڈون) فرنگی جس نے یروشلم فتح کیا اس پر حملہ آور ہوا اور محاصرے کے بعد یورش کرکے بروز جمعہ ماہ شوال کی ۲۱ تاریخ ۵۱۳ھ (= ۱۱۱۰ء) اس نے یہ شہر فتح کر لیا - پھر صلاح الدین کے دوبارہ ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں فتح کرنے تک یہ نصاریٰ ہی کے ہاتھ میں رہا" (جلد اوّل - مراصد - اوّل)

چودھویں صدی میں ابوالفدا تحریر کرتا ہے کہ "بیروت ولایت دمشق کے ساحل پر واقع ہے - اس میں دو برج بہت سے باغ اور ایک ندی ہے - گرد کی اراضی بہت سرسبز ہیں -

الاوزاعی فقیہ یہاں کا رہنے والا تھا - یہ شہر دمشق کی بندرگاہ ہے بیروت سے بعلبک تک عقبہ المغیثہ کے راستے ۳۶ میل کا فاصلہ ہے اور ان دونوں کے راستے میں بیروت سے ۲۴ میل پر قصبہ ارجموش واقع ہے - بیروت خوبصورت بستی ہے - اس میں پانی ایک زمین دوز نہر کے ذریعہ لایا گیا ہے" (ابوالفدا، ۲۴۷) -

ابن بطوطہ ۱۳۵۵ء میں بیروت سے گزرا - وہ اس کو چھوٹا قصبہ بتاتا ہے جس میں عمارتیں، نفیس، بازار بہت اچھے اور ایک مسجد ہے - اور میوہ اور لوہا یہاں سے مصر دساور بھیجتے ہیں" (جلد اول، ۱۳۳)

بیروت سے دمشق، ۲ دن (اصطخری - ابن حوقل - مقدسی، ادریسی) یا ۳ دن (یاقوت) طرابلس، ایک دن (اصطخری، ابن حوقل، مقدسی) صیدا، ایک منزل (مقدسی) حصن الناعمہ ۲۴ میل (ادریسی) حصن المزدسیہ یا المردسیہ ۸ میل (ادریسی) کی مسافت پر ہے

بیسان (Beth shean, Scythopolis) مقدسی لکھتا ہے کہ بیسان اُردن کے کنارے واقع ہے۔ تاڑ کے درختوں کی یہاں کثرت ہے اور ولایت اُردن و فلسطین میں جس قدر چاول کھایا جاتا ہے وہ سب اسی جگہ سے آتا ہے۔ پانی کی افراط ہے اور یہ آسانی میسّر آجاتا ہے لیکن پینے میں بھاری اور دیر ہضم سمجھا جاتا ہے۔ مسجد منڈی میں ہے اور بہت سے ارباب صلاح و تقویٰ اس قصبے میں رہتے ہیں (مقدسی۔ ۱۶۲)

ادریسی لکھتا ہے کہ "بیسان جگہ تو چھوٹی ہے مگر اس میں تاڑ بہت ہوتا ہے اور "سامان" (نامی نرسل) جس سے سامانی چٹائیاں بناتے ہیں یہاں اُگتا ہے بلکہ سوائے یہاں کے اور کہیں نہیں ہوتا اور تمام بھر میں اس کی مثل نیزہ بھی اور کسی نرسل کا نہیں ہوتا" (ادریسی۔ ۱۲)

یاقوت نے بیسان کے بارے میں یہ معلومات بہم پہنچائی ہے:

"کہ یہ غور کی ولایت اُردن کا قصبہ ہے۔ لوگ اسے "لسان الارض" کہتے ہیں۔ حوران و فلسطین کی ولایتوں کے درمیان واقع اور عین الفلوس (یعنی پیسوں کا چشمہ) اس کے قریب ہے جو فردوس کا چشمہ ہے، اگرچہ اسکا پانی قدرے کھاری ہے۔ حدیث میں اس چشمے کا ذکر آتا ہے۔ بیسان بہت گرم اور دو بازدہ مقام ہے۔ باشندے اس گرمی کے باعث گندمی رنگ اور پھیلے بالوں کے ہوتے ہیں۔ بیسان تاڑ (اور کھجور) کی کثرت میں مشہور تھا لیکن میں، یاقوت، جو بارہا یہاں آیا ہوں (= تیرھویں صدی میں) میں نے یہاں دو درختوں سے زیادہ درخت کبھی یکجا نہیں دیکھے اور وہ بھی اس قسم کے جو سال میں صرف ایک بار کھجور لاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی مسیح الدجال کے آنے کی ایک علامت ہے" (یاقوت اول۔ مراصد۔ اوّل) یہ بات قابل ذکر ہے کہ آج کل بھی بیسان میں تاڑ یا کھجور کے درخت نہیں نظر آتے نہ وہاں جس کی پہلے اس قدر شہرت تھی، کاشت کیا جاتا ہے۔

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "بیسان، ولایت اُردن میں چھوٹا قصبہ ہے

جس کی فصیل نہیں البتہ باغ، ندیاں اور چشمے خوب ہیں۔ یہ غور کے مغرب میں واقع اور نہایت سرسبز ہے۔ اس کی ندّیوں میں سے ایک جو چشمے سے نکلی ہے، بستی کے اندر سے گزرتی ہے۔ بیسان طبریہ کے جنوب میں اور اس سے ۱۸ میل دور ہے۔" (۲۴۳)

بیسان سے طبریہ تک ۲ چھوٹی منزلیں (اصطخری، ابن حوقل) یا ایک دن سے کچھ کم (ادریسی) یا ایک منزل (مقدسی) کی مسافت ہے۔ تعاسیر تک ۲ منزل (مقدسی) نابلس تک ایک منزل (مقدسی)

بیت الابار (جمع بیئر = کنواں) "غوطۂ دمشق کا ایک گانوں اور پرگنہ۔ اس کی نواح میں اور متعدد مواضع ہیں۔" (یاقوت۔ اول مراصد۔ اوّل)

بیت الاحزان۔ "دمشق اور ساحل کے درمیان ایک قصبہ کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے فراق کا زمانہ (گریہ و ماتم میں) بسر کیا۔ فرنگیوں نے اس کی دوبارہ تعمیر کی اور ایک بڑا قلعہ بنا دیا۔ صلاح الدینؒ نے ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں تشنجیر کیا اور مسمار کرا دیا۔" (" - ")

بیت ارانس۔ "غوطۂ دمشق کا ایک گانوں۔ ابو مرثد وثّاب ابن الحسین کی قبر اس کے قریب ہے جو صحابی رسول اللہ تھے صلی اللہ علیہ وسلم (" - ")

بیت البلاط۔ "غوطۂ دمشق کا ایک گاوں" (" - ")

بیت جنّ۔ "دریّہ اور بانیاس کے درمیان ایک گانوں جو پہاڑیوں

میں آباد ہے۔ یہاں سے ہم بانیاس آئے۔ آدھا راستہ طے کرنے پر ایک بلوط کے قریب سے گزرے جس کا بہت بڑا تنا تھا اور شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں لوگوں سے معلوم ہوا کہ اسے شجرۃ المیزان کہتے ہیں۔ اور وجہ تسمیہ یہ بتائی کہ اس سڑک پر یہ خطرے اور سلامتی کی حد پر ہے اور خطرہ فرنگیوں کی قزاقی کے باعث ہے کہ اس کے آگے وہ جسے پاتے ہیں پکڑ لیتے ہیں۔ بحالیکہ سڑک کے اس طرف کے مسافران سے محفوظ ہیں" (ابن جبیر - ۳۰۳)

بیت جبرین یا جبریلؑ (Betogarba, Eleutheropolis)

"فلسطین کا ایک قدیم شہر" (یعقوبی - ۱۱۷)

مقدسی کہتا ہے کہ "بیت جبریل ایسا شہر ہے کہ آدھا پہاڑی پر آباد ہے اور آدھا میدان میں۔ اس کے علاقے کو الداروم کہتے ہیں (قدیم دیروسہ اور آج کل کا دیران) اور اس میں سنگ مرمر کی کانیں ہیں۔ یہاں کی پیداوار صدر مقام (رملہ) کو جاتی ہے آس پاس کے علاقے کا تجارتی مرکز اور خود دولت و ثروت کی سرزمین ہے اور اس کے ماتحت پرگنے بھی بہت عمدہ ہیں۔ بایں ہمہ آبادی آج کل کم ہو رہی ہے اور یہاں کے بہت سے مرد نامردی کے مرض میں مبتلا ہیں" (مقدسی ۱۷۴)

یاقوت لکھتا ہے کہ "بیت جبرین یا جبریل یروشلم اور عسقلان یا غزہ کے درمیان پہلے شہر سے ۲ منزل اور غزہ سے کچھ کم کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جسے صلاح الدینؒ نے فرنگیوں سے چھیننے کے بعد مسمار کرا دیا۔ بیت جبرین اور عسقلان کے راستے ہی میں نمل کی وہ وادی ہے جہاں حضرت سلیمانؑ نے نمل یعنی چیونٹیوں سے گفتگو کی تھی" (جیسا کہ عسقلان کے ذکر میں اوپر بیان ہوا) (یاقوت - اوّل - مراصد اوّل)۔

"مسلمانوں کی پہلی فتح کے وقت جو عمرو ابن عاص کی سپہ سالاری میں

ہوئی، اس سردار کا ایک پرگنہ تھا جو اس کے مولیٰ عجلان کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔" (یاقوت، دوم، ۱۹)

بیت جبرین سے الرملہ ایک منزل (مقدسی) بیت المقدس ایک منزل (" ") غزہ ایک منزل (" ") پر واقع ہے۔

بیت کوفا۔ "دمشق کا ایک گانوں" (یاقوت۔ اول۔ مراصد اوّل)۔

بیت لاہا۔ "انطاکیہ اور حلب کے درمیان، ایک بلند قلعہ جو جبل لیلون پر واقع ہے۔ یہاں ایک نگہبان متعین رہتا تھا کہ دن کے پہلے حصّے میں انطاکیہ کی طرف راستے پر نگاہ رکھے اور آخر حصے میں حلب کی جانب۔" (" - ")۔

بیت لھیا۔ علی ہروی کہتا ہے کہ "بیت لہیا یا زیادہ صحیح پوچھیے تو بیت آلہہ، دمشق کا ایک گانوں ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کے بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا[1]۔" (نسخہ اوکسفورڈ۔ ورق ۱۸۰)۔

ابن جبیر نے اپنے روزنامچے میں تحریر کیا ہے کہ "بیت لاہیہ یا بیت لہیا، مولد ابراہیمؑ کے دائیں ہاتھ پر، دمشق کے مشرق میں آباد ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ اصل نام "بیت آلہہ" (یعنی بتوں کا گھر) تھا۔ زمانۂ قدیم میں یہاں ایک گرجا تھا جو اب مسجد بن گیا ہے اور اصل میں یہی وہ مکان تھا جہاں حضرتِ ابراہیمؑ کا باپ بُت بناتا اور جمع کیا کرتا تھا

---

[1]:۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے بتوں کو توڑنا، مشہور اسلامی روایت ہے۔ ملاحظہ ہو جی ویل کی "Biblische....Musemanner"

لیکن حضرت ابراہیمؑ نے آکے انھیں توڑ پھوڑ دیا۔ وہی بت خانہ اب یہاں والوں کا خانہ خدا ہے اور اس کی چھت پر رنگین سنگ مرمر کا چار خانہ بنا ہوا ہے۔" (ابن جبیر، ۲۷۹)

یاقوت نے بیت لہیا کے (جسے وہ دمشق کے دروازوں کے باہر غوطہ کے میدان کا گانوں بتاتا ہے) مندر کی نسبت حسب ذیل حالات لکھے ہیں:

"اس کا زیادہ صحیح نام بیت آلہہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ خلیلؑ کے باپ آذر نے بت تراشے اور انھیں آنحضرت علیہ السلام کے روبرو رکھا تھا کہ وہ ان کی تعظیم بجالائیں۔ لیکن آنحضرت نے ایک پتھر لے کے انھیں توڑ ڈالا اور یہ پتھر آج تک دمشق میں دکھایا جاتا ہے (صفحہ ۳۰۹) اور اسی کے نام پر شہر کا وہ کوچہ "دروب الحجر" مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن میں (= یاقوت) سمجھتا ہوں کہ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ بابل میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں ان کا باپ آذر بت بناتا تھا۔ نیز توراۃ میں درج ہے کہ آذر نے حرّان میں وفات پائی کیونکہ وہ عراق چھوڑ کر حرّان چلا گیا تھا اور آخر تک وہیں رہا۔ اور یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ کسی وقت میں بھی شام آیا تھا۔ ولکن اللہ اعلم بالصواب۔" (یاقوت۔ اوّل و چہارم جس میں "بیت" کا لفظ حذف کر کے صرف لہیا لکھا ہے۔ مراصد اوّل و سوم) نیز

ابن بطوطہ اس کے ہجے بیت آلہیہ لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ دمشق کے مشرق میں ایک گانوں ہے۔ اس میں ایک گرجا تھا جہاں آذر (پدر حضرت ابراہیمؑ) بت تراشا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان بتوں کو توڑ ڈالا۔ اب اس جگہ ایک نفیس مسجد بنی ہوئی ہے جسے مینا کاری اور رنگین سنگ مرمر سے قابل دید طریق پر آراستہ کیا ہے۔" (ابن بطوطہ اوّل، ۲۳۷) نیز

بیت لہیا کا نقشوں میں نشان نہیں ملتا۔ ابن بطوطہ اسے دمشق

کے مشرق میں بتاتا ہے اور سب مآخذ میں اسے غوطہ کی ایک مشہور جگہ بتایا گیا ہے، اس قدر مشہور کہ کسی نے اس کا ٹھیک ٹھیک محل وقوع بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جو ہمارے لیے افسوس اور خسارے کی بات ہے۔ زمانہ حال کے کسی سیّاح، برٹن، پورٹر وغیرہ نے اس جگہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ وِلسن بیت لہیا نامی ایک گاؤں کا حال لکھتا ہے (ریسرچز، جلد سوم ۱۸۵۲ء حواشی صفحات ۴۲۶ و ۴۲۸) کہ وہ راشیہ کے مغرب کی طرف واقع تھا اور رینڈ کر کے ہاں اس کا بیت لایا تلفظ کیا گیا ہے (سیریا، صفحہ ۴۵۲) لیکن اگر ابن بطوطہ کا بیان کردہ محل وقوع صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ جگہ دمشق کے مشرق میں نہیں ہو سکتی کیونکہ خود راشیہ کوہ ہرمون کی شاخوں پر غوطہ میں مغرب کی طرف آباد ہے جس کا وِلسن حوالہ دیتا ہے۔

بیت لہیا (۲) "پہلے گاؤں کا ہمنام، غزہ کے قریب واقع ہے یہ ایک گاؤں ہے جس میں ثمر دار درخت بکثرت ہوتے ہیں۔" (صاحب مراصد کا قول، معجم البلدان میں۔ جلد پنجم، ۱۵)

بیت ماما۔ "ولایت فلسطین میں نابلس کا ایک گاؤں اس کے باشندے سماریطی تھے اور ان میں سے ہر ایک پر دس دینار (= ۵ پونڈ) جزیہ لگایا گیا تھا لیکن انھوں نے خلیفہ المتوکل سے شکایت کی اور اس نے اسے گھٹا کر ۳ دینار کر دیا۔" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول)

بیت ماین۔ "الرّملہ کا ایک گاؤں۔" (" ۔ ")

بیت نُوبا۔ "فلسطین (الرّملہ) کی نواح کا ایک چھوٹا قصبہ (" ۔ ") یہ گاؤں جو بیت المقدس اور رملہ کے راستے کے وسط میں واقع ہے۔"

قدیم نوب مانا گیا ہے جس کا توراۃ (سموئیل۔ بست ویکم، اوّل) میں ذکر آتا ہے۔

بیت رامہ یا بیت الرام ۔ "ولایت بلقا اور غور (اردن) کے درمیان کا مشہور گاؤں" (" ۔ ")
بیت الرام سے اریحا، ۲ منزل (مقدسی) عمان، ایک منزل (")

بیت راس ۔ "بیت المقدس کا ایک گاؤں یا کہا جاتا ہے کہ ولایت اردن سے متعلق ہے ۔ یہاں انگور بکثرت ہوتا ہے جس سے مشہور شراب تیار کرتے ہیں" (" ۔ ")

بیت راس (۲) "حلب کے نزدیک ایک گاؤں ۔ یہاں بھی انگور بہت ہوتا ہے اور اس مقام کے نام سے شراب موسوم ہے (" ۔ ")

بیت سابا ۔ "جرمانیس (دمشق) کے قریب، بیت الابار کی ایک اقلیم (یا پرگنہ)" (" ۔ ")

بیت سرعا ۔ مقدسی نے اسے دمشق سے ایک منزل پر بیان کیا ہے (مقدسی ۱۹۰)

بیت سوا ۔ "دمشق کا ایک گاؤں" (یاقوت ۔ مراصد)

بج خوران ۔ "دمشق کا ایک ضلع ۔ نیز باب دمشق کے سامنے

کے ایک گاؤں کا نام جو اقلیم باناس میں داخل ہے۔" (" - ")

بقعا العیس - اور بقعا ربیعہ - "منبج کے دو کورے (= ضلع) دونوں نہر ساجور کے قریب واقع ہیں۔" (" - ")

باقحا - "حلب کے توابع میں ایک گاؤں۔" (صاحب مراصد فی المعجم پنجم، ۱۴)۔

باقدین - ابن جبیر کے سفرنامے میں اس کا ذکر آتا ہے کہ قنسرین کے جنوب میں واقع تھا - قافلہ ترکمان کی سرائیں ٹھیرا - ابن جبیر لکھتا ہے کہ حلب و حماہ کے درمیان، راستے پر جتنی سرائیں ہیں، سب مورچہ بند قلعوں کی مثل نہایت مستحکم بنی ہوئی ہیں اور سب میں لوہے کی پھاٹک ہیں۔" (ابن جبیر - ۲۵۶)

بقطاطس - "حمص کا ایک گاؤں۔" (یاقوت - مراصد)۔

بلدہ - "جبلہ کے قریب ساحل شام کا ایک قصبہ عبادہ ابن الصامت رض کی فتح کے بعد ویران ہوگیا اور باشندے دوسرے مقامات میں لے آئے گئے خلیفہ معاویہ رض نے پرانے شہر کا ملبہ جبلہ کے از سر نو بنانے میں استعمال کیا، جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے۔ اصل میں یہ قدیم زمانے میں یونانیوں کا ایک قلعہ تھا۔" (" - ")

بلاس - "دمشق سے ۱۰ میل پر ایک قریہ۔" (" - ")

بلعاس - "حمص کا ایک ضلع، (" - ")

البلاط - "مرعش و انطاکیہ کے درمیان، ایک قصبہ جو اب ویران ہے۔ اس ضلع کو نہر اسود سیراب کرتی ہے اور حلب کے توابع میں ہے۔ البلاط، کورۂ الحوار کا مستقر ہے۔ (" - ")

بلاطہ "فلسطین کے ضلع نابلس کا ایک گاؤں یہودی کہتے ہیں کہ نمرود ابن کنعان نے اس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا۔ لیکن علما کا قول ہے کہ یہ بابل (عراق) کا واقعہ ہے واللہ اعلم بالصواب یہاں وہ چشمہ ہے جسے عین الخضر کہتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہاں دفن ہوئے اور درخت کے نیچے ان کی قبر مشہور ہے۔" (" - ")

بلاطنس یا بلاطنش (مغربی سیاحوں کا (Mausis Platanus) "شام کے ساحل پر ایک ناقابل تسخیر قلعہ، حلب کی ولایت میں لاذقیہ کے بالمقابل واقع ہے۔" (" - ")

سنہ ۱۳۰۰ء میں دمشقی لکھتا ہے کہ "حصن بلاطنش بالکل ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اس کے گیارہ دروازے ایک دوسرے کے اوپر ہیں بلاطنس کی بندرگاہ غسانی بادشاہ جبلہ ابن ایہم نے بنوائی تھی اور اسلامی عہد میں اس کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ قدیم زمانے میں یہ صابیوں کا شہر تھا اور یہاں حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰ کے وقتوں کے بہت ہی قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک زیر زمین سرنگ ہے جس میں گھوڑے کا سوار اندر ہی اندر (قلعے سے) ساحل کے جہازوں تک پہنچ سکتا ہے اور نظر نہیں آسکتا۔" (دمشقی، ۲۰۸)

بالعہ - "ولایت دمشق کے ضلع بلقا کا ایک گاؤں بلعم ابن باعورا المشلخ یہاں رہتا تھا جسے خدا کا حکم ان لفظوں میں پہنچا جن میں کہ قران شریف میں مذکور ہے :- واتل علیھم نبا الذی اتینٰہ اٰیتنا

فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطان فکان من الغاوین" (سورۂ اعراف ع ۲۱۰) (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول) تو

بالس (Barbalissus) "بالس، ولایت عواصم کا چھوٹا سا شہر ہے جو فرات کے کچھ فاصلے پر اس کا دریا کے جانب مغرب واقع ہے عراق سے آتے ہیں، شام کا یہ پہلا شہر ہے اور اس کے راستے پر خوب آمد و رفت رہتی ہے۔ شہر سے مختلف سمتوں میں راستے جاتے ہیں۔ یہ اہل شام کے لیے گویا فرات پر ایک بندرگاہ تھی لیکن سیف الدولہ کے زمانے سے اس کی عمارتیں کھنڈر ہونے لگیں اور قافلوں اور سوداگروں کی آمد و رفت پہلے کی نسبت بہت کم ہوگئی۔ علاقے کی خاص پیداوار گیہوں اور جو ہے۔" (اصطخری، ۶۲ - ابن حوقل، ۱۱۹ - نقل کردہ ابوالفدا ۲۶۹) تو

مقدسی لکھتا ہے کہ "بالس، الرّقہ کی طرف سرحدی مقام اور خوب آباد شہر ہے۔" (۱۵۵)

یاقوت کا بیان ہے کہ "بالس، حلب و الرّقہ کے درمیان فرات کے مغربی کنارے سے تھوڑے ہی فاصلے پر آباد ہے۔ یہ بالس ابن الروم ابن الیقن ابن سام ابن نوح کے نام پر موسوم ہے۔ فرات نے بتدریج اپنا راستہ مشرق کی طرف ہٹا لیا ہے اور اب بالس سے ۴ میل کے فاصلے پر ہے۔ بلاذری، قصرین کے ساتھ اس قریے کا ذکر کرتا ہے۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول۔)

"ولایت قنسرین کا شہر بالس ایک زمانے میں خوب آباد تھا۔ فرات کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ مہلبی نے قلعہ دوشر سے جو آج کل قلعۂ جعبر مشہور ہے اور فرات کے مشرقی کنارے پر ہے، بالس کا فاصلہ ۵ فرسخ بتایا ہے۔ اسی قلعۂ جعبر کے بالمقابل دریا کے مشرقی کنارے پر صفین کا میدان ہے جہاں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان

جنگ عظیم ہوئی۔ قلعہ جعبر سے الرّقہ، سات فرسخ دُور ہے۔" (ابوالفدا ۲۶۹)۔
بالس سے حلب تک ۲ دن کی راہ ہے۔ (اصطخری۔ ابن حوقل یاقوت۔ مقدسی)

بانقوسا۔ "حلب کے باہر شمال میں ایک پہاڑی۔ چودھویں صدی میں یہ اس شہر کے ایک محلے کا نام تھا۔" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول۔)

باناس۔ "دمشق کی ایک ندی۔" (")

بانیاس (Paneas, Ceasarea Philippi) "ولایت الجولان کا صدر مقام"۔ (یعقوبی، ۱۱۴)

مقدسی لکھتا ہے کہ "بانیاس اس شہر کا نام ہے جو حولہ (جھیل) کے کنارے، کوہ (ہرمون) کے دامن میں آباد ہے۔ اس کی آب و ہوا دمشق سے زیادہ معتدل و خوشگوار ہے۔ سرحدی ضلع (طرسوس) کے یونانیوں کے ہاتھ میں پڑنے کے وقت (یعنی ۹۶۵ء) سے وہاں کے مسلمان باشندے بہ تعدادِ کثیر اُٹھ کر بانیاس میں چلے آئے اور اب بھی روزانہ نئے (مہاجر) لوگ آتے رہتے ہیں جس سے یہاں کی آبادی برابر بڑھ رہی ہے۔ اس شہر میں ایک نہایت سرد ندی یا چشمہ (اُردن کا ایک منبع) ہے جو جبل الثلج (= ہرمون) کے دامن سے نکلتا اور بستی کے وسط میں اُبل اُبل کر بہتا ہے۔" ولایت دمشق کی پیداوار کا مرکز بانیاس ہے۔ کپاس اور دھان کے کھیت اس کی ندی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اس پاس خوبصورت دیہات ہیں اور اس لیے شہر میں خواہ مخواہ بس جانے کو جی چاہتا ہے۔ اس میں صرف ایک قباحت یہ ہے کہ پینے کا پانی بُرا ہے۔" (مقدسی، ۱۶۰)۔

سیّاح ابن جبیر ۱۱۸۵ء میں بانیاس آیا۔ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "یہ شہر مسلمانوں کا سرحدی قلعہ ہے۔ یہ چھوٹا ہے لیکن اس میں بالاحصار موجود ہے جس کی فصیل کے گرد ایک ندی بہتی ہے۔ یہ ندی بستی کے ایک دروازے سے باہر نکل جاتی ہے۔ بانیاس فرنگیوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن نورالدین نے دوبارہ (۱۱۶۵ء میں) اسے فتح کر لیا۔ اس کے متصل میدان میں مسطح قطعات قابل زراعت ہیں لیکن بستی ایک قلعے کی زد میں ہے جو حونین کہلاتا اور اب تک فرنگیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بانیاس سے ۳ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ میدان کی زمینیں آدھی فرنگیوں کی ہیں اور آدھی مسلمانوں کی۔ اور ان کے درمیان حد المقاسمہ کھچی ہوئی۔ مسلمان اور فرنگی فصلوں کو بحصہ مساوی آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور ان کے مویشی ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے چرتے ہیں اور چوری جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔" (ابن جبیر ۳۰۴)

صاحب مراصد کے قول کے بموجب بانیاس، بالیا نامی ندی کے کنارے ایک پہاڑ کے دامن میں آباد ہے جس پر برف جمی رہتی ہے (: ہرمون)۔ یہاں لیمو اور نارنگی پیدا ہوتے ہیں (مراصد۔ اول۔ ۱۲۳) یاقوت نے مستقل طور پر اس شہر کا علیحدہ حال نہیں لکھا بلکہ صرف ضمناً تذکرہ کیا ہے:

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "بانیاس چھوٹا سا قصبہ ہے اور ہمہ اور اسی قسم کی جھاڑیاں یہاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ ندیوں اور چشموں کی بھی کمی نہیں یہ یک دو میل منزل پر دمشق کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اسکے بالاحصار کا نام الصبیبہ ہے جو نہایت مستحکم ہے۔ خود بستی (بانیاس) جبل الثلج (ہرمون) کے دامن میں واقع اور یہ پہاڑ اس پر سایہ انداز ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہمیشہ برف ٹوپی کی طرح چڑھی رہتی ہے اور گرمی سردی کسی موسم میں نہیں نابود ہوتی۔" (ابوالفدا۔ ۲۴۹)

ابوالفدا کے جغرافیے کے ایک قلمی نسخے میں ذیل کی یادداشت بھی

درج ہے۔

"کوہ (ہرمون) کی چوٹی پر ایک علاقہ سردا کے نام سے موسوم ہے یہاں سے وادی کنعان کا علاقہ کفرلا ۱۰ میل، اور کفرلا سے جب یوسف ۱۲ میل ہے۔ بانیاس سے بیت صابر تک جو وادی بیت جن کا علاقہ ہے، ۱۰ میل، وہاں سے دارایا تک ۱۵ میل اور وہاں سے خود دمشق تک ۳ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ دارایا، غوطہ دمشق کا اتنا بڑا گاؤں ہے کہ قریب قریب قصبے کے برابر ہے۔" (صفحہ ۲۷۰)

دمشقی لکھتا ہے کہ "بانیاس، ولایت دمشق کا قریہ ہے۔ اس کا بالاحصار الصبیبہ کہلاتا ہے۔ یہ بہت پرانی اور قلعہ بند بستی ہے اور ہمد نامی جھاڑی کثرت سے یہاں ہوتی ہے۔ زمین اور آب و ہوا دونوں اچھی، اور پانی افراط سے ہے۔ یونانیوں کے آثار قدیمہ جابجا ملتے ہیں۔ کہتے ہیں اسے حکیم بلیناس (پلینی) نے آباد کیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا بانی اُبنا نواس تھا۔ "اُبنا" کے معنی استاد یا آقا کے ہیں۔ یہ شخص بھی یونانی تھا۔" (دمشقی، ۲۰۰)

رسالہ ژورنل ایشیاٹیک، بابت ۱۸۸۸ء، جلد دوازدھم صفحہ ۴۴۰ پر قلعہ صبیبہ کا نقشہ نقل کیا ہے۔ یہ بانیاس کے اوپر، مشرق کی طرف کچھ فاصلے سے واقع ہے۔ آیندہ صفحات میں ایم میکس وان برگھم نے یہاں کے کھنڈروں کا اور بانیاس کے کتبوں کا دلچسپ حال لکھا ہے۔

"بانیاس سے دمشق تک ۲ دن (مقدسی) قدس تک ۲ منزل (") جب یوسف تک ایک سواری یا ۲ منزل (") اور مجدل سلم تک ۲ منزل (") ہے۔"

بردا (۱) دمشق کی ندی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۸)

بردا (۲) "السہوں کی نواح میں، حلب کا ایک گاؤں" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اول)

بردا (۳) "طرسوس کے قریب، ولایت ثغور کی ایک ندی" (" - ") نیز دیکھو صفحہ ۵، نہر بردان)

البارہ۔ "ضلع حمص کا ایک مقام" (یعقوبی، ۱۱۱)

بارین یا بعرین (Mons Ferrandus) "حلب اور حماۃ کے درمیان، مغرب میں ہٹا ہوا ایک خوبصورت قصبہ۔ حمص اور ساحل کے بھی درمیان واقع ہے۔ عوام ع کے ساتھ "بعرین" تلفظ کرتے ہیں۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)

ابوالفدا کہتا ہے کہ بارین، ضلع حماۃ کا چھوٹا قصبہ ہے جس کا قلعہ پہلے سے کھنڈر ہو گیا ہے۔ اس کے گرد چشمے اور باغ ہیں اور یہ حماۃ سے مغرب میں جانب جنوب قدرے ہٹا ہوا ہے۔ اس کے قریب ایک پرانے قصبے الرفنیہ (Raphanea) کے کھنڈر ہیں جو مشہور تاریخی مقام تھا۔ حصن بارین کو فرنگیوں نے ۵۰۳ھ سے کچھ اوپر سال (= تقریباً ۱۱۰۹ء) میں تعمیر کیا تھا بعد میں مسلمانوں نے فتح کر کے کچھ روز رکھا اور پھر توڑ دیا۔" (ابوالفدا، ۲۵۹)

البریس۔ "دمشق کے قریب کی ایک ندی۔ اسی سے دمشق کا باب البریس منسوب ہے۔ کبھی کبھی سارے غوطہ کے معنی میں بھی البریس بول دیتے ہیں۔" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)

البرہ۔ "اس مقام کا نام ہے جہاں قابیل نے اپنے بھائی

ہابیل کو قتل کیا تھا" (" - ")

برس برت۔ "ارمینہ کا ایک مضبوط قلعہ بلند پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ ارمینہ خورد کے بادشاہ کے مستحکم مقامات میں شمار ہوتا ہے اور اس کا خزانہ اور گرمیوں میں وہ خود یہاں رہتا ہے۔ یہ سیس کے شمال میں ایک دن کی منزل پر ولایت سیس اور ابن کرمان کے علاقے کے درمیان واقع اور شمال کی طرف سے ولایت سیس پر زد ڈالتا ہے اور دور دور سے نظر آسکتا ہے" (ابوالفدا - ۲۵۱)

برث۔ "اس جگہ کا نام ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم یہاں آکے ٹھیرے تھے" (یاقوت - اول مراصد - اول)

باروذ۔ "ولایت فلسطین میں الرملہ کے قریب کا ایک گاؤں (" - ")

برزہ۔ "دمشق کے گرد کے علاقے (غوطہ) کا ایک گاؤں۔ یہاں حضرت ابراہیم خلیل ؑ کی خانقاہ ہے جس کو سماریطی یہودی نہایت مقدس سمجھتے ہیں۔ بہت سے علما یہاں رہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم یہیں پیدا ہوئے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اکثر اشخاص مقر ہیں کہ آنحضرت ؑ کی جائے ولادت بابل (عراق) ہے" (" - ")

البرزمان۔ "ولایت عواصم کا ایک قلعہ" (" - ")

برزویہ۔ "عوام اسے برزیہ کہتے ہیں۔ بحر شام کے ساحل پر

ایک قلعہ جو سلامی دار پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ اصل میں فرنگیوں کے
پاس تھا لیکن ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ء) میں صلاح الدین نے فتح کر لیا۔ اس کے
ہر طرف نالے اور کھائیاں ہیں۔ بالاحصار ۵۷۰ درع کی بلندی پر بنایا
ہے اور فرنگیوں میں اس کی تسخیر ناپذیری ضرب المثل ہوگئی ہے۔"
(" " ")

ابوالفدا لکھتا ہے کہ "حصن برزیہ بہت بلند اور نہایت مستحکم
چھوٹا سا قلعہ ہے۔ الخیط نامی پہاڑ جو افامیہ کی جھیلوں پر سایہ کیے ہوئے
ہے، اس کے مشرقی رخ، زیر دامن یہ قلعہ نظر آتا ہے۔ انہی جھیلوں کا پانی
قلعے تک آجاتا ہے اور کنارے کے جھونڈ پودے اس کی فصیلوں سے ملے
ہوئے ہیں۔ قلعے کے اندر بجز سپاہیوں کے جو حفاظت کے لیے متعین رہتے
ہیں اور کوئی آبادی نہیں۔ البتہ خوف کے وقت آس پاس کے لوگ
بھاگ کر اس قلعے میں پناہ لیتے ہیں۔" یہ فامیہ سے شمال مغرب میں،
سمندر کے راستے تقریباً ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور ساحل
کے اور اس کے درمیان جھیلیں پڑتی ہیں۔ شغر اور بکاس دونوں سے
قریب قریب ایک کڑی منزل کا فاصلہ ہے۔ برزیہ ان کے جنوب میں
اور صہیون کے مشرق میں ایک دن کی مسافت پر ہے۔" (ابوالفدا
۲۶۱)

دمشقی لکھتا ہے (صفحہ ۲۰۵) کہ "برزیہ نہایت مستحکم قلعہ ہے
جس کی مضبوطی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ اس کے دامن میں ملی ہوئی فامیہ
کی جھیل ہے۔ یہ ایک وسیع قطعہ آب ہے جس میں نہر عاصی ایک طرف
سے گرتی اور دوسری طرف سے آگے بہتی ہے۔ اس جگہ ایک گہری
کھائی کھود دی ہے۔ جھیل میں سانپ کی طرح کی مچھلی جسے انقلیس
(= بام) کہتے ہیں بکثرت پکڑتے ہیں۔ اس کا گوشت بکری کی بھنی ہوئی
دم کے مزے کا ہوتا ہے۔ عیسائی اسے بہت رغبت سے کھاتے ہیں اور
ان کی (ماہی گیر) کشتیوں پر سرکار کو تیس ہزار درہم (۱۲۰۰ پونڈ) سالانہ

محصول وصول ہوتا ہے"۔

جزیرہ البصا:۔ "ایک جزیرہ جو خشکی سے ملا ہوا ہے (یعنی جزیرہ نمائے) حصن مشقب سے سمندر کے راستے دس میل اور حصن الملون سے ۱۵ میل پر واقع ہے" (ادریسی۔ ۲۴)۔

بسرفوت:۔ "جبل بنی علیم کا ایک قلعہ جو حلب کے توابع میں ہے اور آج کل کھنڈر پڑا ہے۔ اس کے قریب اسی نام کا ایک گانوں بستا ہے" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)۔

بشیت:۔ "الرملہ کے باہر ولایت فلسطین کا ایک گانوں" (" ۔ ")۔

بصیر الجیدور:۔ "نواحِ دمشق کا ایک گانوں" (" ۔ ")۔

بثرون (Botrys) "جبیل والنفہ کے درمیان ایک ساحلی قلعہ" (" ۔ ")۔
حصن بثرون سے جبیل دس میل اور حصن النف الحجر ۵ میل پر ہے" (ادریسی)۔

بیاس (Balae) "بحر روم کے ساحل پر ایک چھوٹا قصبہ۔ اس میں نخلستان اور بہت سے زرخیز کھیت ہیں" (اصطخری۔ ۶۳)۔
"بیاس انطاکیہ کے مشرق میں ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ یہ المصیصہ کے مغرب میں، سمندر کی راہ اس سے بہت تھوڑے فاصلے پر واقع

ہے۔ اسکندریہ سے اس کا فاصلہ ۲ فرسخ کے قریب ہے اور جبل لکام اس کے متصل ہے" (یاقوت۔ اول۔ مراصد۔ اول)۔

بیاس تا اسکندریہ (اسکندرونہ) ایک چھوٹی منزل (اصطخری۔ ابن حوقل۔ ادریسی) مصیصہ تک ۲ منزلیں (اصطخری۔ ابن حوقل) یا ایک منزل (ادریسی) سمندر کے راستے طرسوس تک ۲ فرسخ (اصطخری۔ ابن حوقل) الکنیسہ تک کچھ کم ایک دن کی راہ (اصطخری۔ ابن حوقل) اور ہارونیہ تک ۱۵ میل ہے (ادریسی)۔

بقاع کلب (COELO-Syria Plain)

"بعلبک، حمص و دمشق کے درمیان ایک چوڑا میدان جس میں بہت سے دیہات آباد اور جا بجا آب رواں موجود ہے۔ اس بقاع میں حضرت الیاس کی قبر ہے علیہ السلام۔ اس کا پانی زیادہ عین الجر کے چشموں سے آتا ہے" (یاقوت۔ اوّل۔ مراصد۔ اوّل)۔

ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں یہ یادداشت لکھی ہے:

"ان مشہدوں (= درگاہوں) میں جن کو ہم نے خود نہیں دیکھا اور صرف حال سنا، حضرت شیث و نوح علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ یہ بقاع میں دمشق سے ۲ دن کی راہ پر واقع ہیں۔ ایک صاحب، جنھوں نے حضرت شیث کی قبر کو ناپا تھا، ہم سے کہتے تھے کہ وہ چالیس بانس (= باع) لمبی ہے اور نوح علیہ السلام کی قبر کا طول ۳۰ بانس ہے۔ حضرت نوح کی قبر کے برابر ہی ان کے فرزند کی قبر ہے۔ ان قبروں پر ایک عمارت اور خیرات کے لیے ایک وقف ہے" (ابن جبیر، ۲۸۳)۔

بقنس "شام میں ولایت بلقا کا ایک گانوں" (یاقوت۔ مراصد)

بکسرائیل یا بجزرائیل :- "ولایتِ حمص میں جبلہ کے مقابل ایک ساحلی قلعہ جو پہاڑ کے اوپر واقع ہے" (رر - رر) ۱۲

بیر السبع (Beersheba) :- "یہ کنواں ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کھودا اور تعمیر فرمایا تھا" (رر - رر) ۱۲

البیرہ (۱) :- "یروشلم و نابلس کے درمیان کا ایک مقام۔ صلاح الدین رح نے اسے فرنگیوں سے چھین کر ویران کرادیا تھا، اور خود میں نے اسی حال میں اسے دیکھا" (رر - رر) غالباً یہ یوشعؑ کا بیرّوث ہے (توراۃ یہم - ۱۷) ۱۲

البیرہ (۲) :- "حلب اور یونانی قلعوں کے درمیان سمیساط کے قریب ایک قصبہ۔ اس میں مضبوط قلعہ، اور مسطح اراضی ہیں" (رر - رر) ۱۲

البیرہ (۳) :- "فرات کے کنارے، جسر منبج کے نیچے ایک قلعہ جو سروج سے ایک دن کی راہ پر واقع ہے" (مراصد - اوّل) ۱۲

ابوالفدا لکھتا ہے (۲۶۹) کہ البیرہ ولایت قنسرین میں فرات کے شمال مشرقی کنارے پر بلند و مستحکم، ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اس کے قریب کی وادی الزیتون اشجار اور چشموں سے بھری ہوئی ہے قلعہ میں منڈی ہے اور آس پاس کی سب زمینیں اسی بستی کے باشندوں کی ہیں۔ یہ قلعہ چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے اور اب (چودھویں صدی میں) تاتاریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا حصن حصین ہے۔ فرات کے کنارے یہ ایک بندرگاہ کی مثل واقع ہے۔ قلعۃ الروم کے مشرق

میں تقریباً ایک منزل اور قلعۃ النجم (یا جسرِ منبج) کے مغرب میں اور سروج کے جنوب مغرب میں ہے“ ۔

برکات الخیزران (The Bamboo Pool) ”الرملہ کے قریب ولایت فلسطین کا ایک مقام“ (یاقوت - اول - مراصد - اول)۔

بروہ - ناصر خسرو لکھتا ہے کہ ”عکّہ و دامون کے درمیان بروہ نامی موضع ہے اور یہاں جو مقابر نظر آتے ہیں میں نے ان کی زیارت کی - ان میں حضرت عیش ع و شمعون کی قبریں ہیں“ (۱۴۱)۔

البشر ”ایک پہاڑی سلسلہ جو عُرد سے فرات تک اور صحرا کی جانب پھیلا ہوا ہے - اس میں چار قسم کی کانیں ہیں القار (تارکول) المغرہ (لال کھریا یا گیرو) اور الطین یعنی وہ مٹی جو کانوں سے نکلتی ہے جس سے لوہا پگھلانے کی بھٹیاں بناتے ہیں - اور چوتھی قسم اُس ریگ کی کانوں کی ہے جس سے حلب میں آئینہ تیار ہوتا ہے - یہ سفید سیسے کی مثل (جسے اسفیداج کہتے ہیں) ایک سفید ریت ہوتی ہے“ (یاقوت - اول - مراصد - اول)۔

بطیاس ”حلب کے دروازے کے باہر قریب ہی ایک گانوں، نیرب و بابلا کے درمیان واقع ہے - اس جگہ حلب کے ایک امیر علی ابن عبدالملک ابن صالح کا محل تھا - مگر گانوں اور محل دونوں اب کھنڈر ہو گئے ہیں“ (” - ”)۔

البدیع - ”شام کا ایک پہاڑ کہا جاتا ہے جو دیکھنے میں سیاہ ہے - بعض اوقات اُسے غوطۂ دمشق کے جبل القسوہ کے مرادف